سیرت مصطفیٰ ﷺ

سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱

فہرست

عنوان	صفحہ
شرف انتساب	17
عرض مولف	18
مختصر کیوں؟	18
سبب تالیف	20
ہجوم موانع	20
ملتجیانہ گزارش	22
شکریہ و دُعا	22
مقدمۃ الکتاب	23
چند مصنفین سیرت	23
سیرت کیا ہے؟	26
ملکِ عرب	26
حجاز	27
مکہ مکرمہ	27
مدینہ منورہ	28
خاتم النبیین عرب میں کیوں	28
عرب کی سیاسی پوزیشن	29
عرب کی اخلاقی حالت	29
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد	30
اولادِ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام	30
سیرت النبی پڑھنے کا طریقہ	31
حضور تاجدارِ دو عالم ا کی مکی زندگی	33
پہلا باب	
خاندانی حالات	34
نسب نامہ	34
خاندانی شرافت	34
قریش	35
ہاشم	36
عبدالمطلب	36
اصحابِ فیل کا واقعہ	37
حضرت عبداللہ	39
حضور ﷺ کے والدین کا ایمان	41
برکاتِ نبوت کا ظہور	45
دوسرا باب	
بچپن	48
ولادتِ باسعادت	48
مولد النبی	49
دودھ پینے کا زمانہ	50
شقِ صدر	53
شقِ صدر کتنی بار ہوا؟	54
اُمِ ایمن	54
بچپن کی ادائیں	55
حضرت آمنہ کی وفات	55
ابوطالب کے پاس	56
آپ کی دعا سے بارش	56
اُمی لقب	57
سفرِ شام اور بحیریٰ	58
تیسرا باب	
اعلانِ نبوت سے پہلے کے کارنامے	60

جنگِ فجار	60	حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے	91
حلف الفضول	60	حضرت عمر کا اسلام	92
ملکِ شام کا دوسرا سفر	61	شعب ابی طالب 7 نبوی	95
نکاح	63	غم کا سال 10 ھ نبوی	97
کعبہ کی تعمیر	65	ابو طالب کا خاتمہ	97
کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا	67	حضرت خدیجہ کی وفات	98
مخصوص احباب	68	طائف وغیرہ کا سفر	99
موحدین عرب سے تعلقات	69	قبائل میں تبلیغ اسلام	101
کاروباری مشاغل	70	**پانچواں باب**	
غیر معمولی کردار	71	مدینہ میں آفتابِ رسالت کی تجلیاں	103
چوتھا باب		مدینہ میں اسلام کیونکر پھیلا؟	104
اعلانِ نبوت سے بیعتِ عقبہ تک	74	بیعت عقبہ اُولیٰ	104
غارِ حرا	74	ہجرت مدینہ	107
پہلی وحی	74	کفار کانفرنس	107
دعوتِ اسلام کے تین دَور	76	ہجرت رسول کا واقعہ	109
پہلا دور	76	کاشانہ نبوت کا محاصرہ	110
دوسرا دور	77	سو اونٹ کا انعام	114
تیسرا دَور	78	ام معبد کی بکری	114
رحمتِ عالم پر ظلم و ستم	78	سراقہ کا گھوڑا	115
چند شریر کفّار	80	بریدہ اسلمی کا جھنڈا	116
مسلمانوں پر مظالم	80	حضرت زبیر کے قیمتی کپڑے	116
کفار کا وفد بارگاہِ رسالت میں	84	شہنشاہِ رسالت مدینہ میں	117
قریش کا وفد ابوطالب کے پاس	85	حضور تاجدارِ دو عالم ﷺ کی مدنی زندگی	119
ہجرت حبشہ 5 ھ نبوی	86	**چھٹا باب**	
نجاشی بادشاہ	86	رحمتِ عالم کی مدنی زندگی	120
کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں	88	ہجرت کا پہلا سال 1 ھ	120
حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ	90	مسجد قباء	120

مسجد الجمعہ	121	سریہ عبداللہ بن جحش	144
ابوایوب انصاری کا مکان	122	جنگ بدر	145
حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام	123	جنگِ بدر کے اسباب	146
حضور اکے اہل وعیال مدینہ میں	124	مدینہ سے روانگی	147
مسجد نبوی کی تعمیر	124	ننھا سپاہی	148
ازواجِ مطہرات کے مکانات	126	ابوسفیان کی چالاکی	148
مہاجرین کے گھر	126	کفار قریش کا جوش	149
حضرت عائشہ کی رُخصتی	127	ابوسفیان بچ کر نکل گیا	149
اذان کی ابتداء	127	کفار میں اختلاف	150
انصار ومہاجرین بھائی بھائی	128	کفار قریش بدر میں	150
یہودیوں سے معاہدہ	130	تاجدار دو عالم بدر کے میدان میں	151
مدینہ کے لئے دُعا	131	سرور کائنات کی شب بیداری	151
حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے	131	کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟	152
نمازوں کی رکعتوں میں اضافہ	132	لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی	152
تین جاں نثاروں کی وفات	132	مجاہدین کی صف آرائی	153
ساتواں باب		شکم مبارک کا بوسہ	153
قبلہ کی تبدیلی	135	عہد کی پابندی	154
لڑائیوں کا سلسلہ	137	دونوں لشکر آمنے سامنے	155
غزوہ سریہ کا فرق	140	دُعا نبوی	155
غزوات وسرایا	141	لڑائی کس طرح شروع ہوئی؟	156
سریہ حمزہ	142	حضرت عمیر کا شوقِ شہادت	157
سریہ عبیدہ بن الحارث	142	کفار کا سپہ سالار مارا گیا	157
سریہ سعد بن ابی وقاص	142	حضرت زبیر کی تاریخی برچھی	158
غزوہ ابوا	143	ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا	159
غزوہ بواط	143	ابوالبختری کا قتل	160
غزوہ سفوان	143	اُمیہ کی ہلاکت	161
غزوہ ذی العشیرہ	144	فرشتوں کی فوج	161

کفار نے ہتھیار ڈال دیئے	162	تاجدارِ دوعالم میدانِ جنگ میں	179
شہدائے بدر	162	جنگ کی ابتداء	180
بدر کا گڑھا	163	ابودجانہ کی خوش نصیبی	182
کفار کی لاشوں سے خطاب	163	حضرت حمزہ کی شہادت	183
ضروری تنبیہ	164	حضرت حنظلہ کی شہادت	184
مدینہ کی واپسی	164	ناگہاں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا	185
مجاہدین بدر کا استقبال	165	حضرت مصعب بن عمیر شہید	185
قیدیوں کے ساتھ سلوک	165	زیاد بن سکن کی شجاعت اور شہادت	187
اسیرانِ جنگ کا انجام	166	کھجور کھاتے کھاتے جنت میں	188
حضرت عباس کا فدیہ	166	لنگڑاتے ہوئے بہشت میں جانا	188
حضرت زینب کا ہار	167	تاجدارِ دوعالم زخمی	189
مقتولینِ بدر کا ماتم	168	صحابہ کا جوشِ جاں نثاری	190
عمیر اور صفوان کی سفارش	170	ابوسفیان کا نعرہ اور اس کا جواب	192
مجاہدینِ بدر کے فضائل	171	ہندہ جگر خوار	193
ابولہب کی عبرتناک موت	171	سعد بن ربیع کی وصیت	194
غزوۂ بنی قینقاع	172	خواتین اسلام کے کارنامے	194
غزوۂ سویق	172	اُم عمارہ کی جاں نثاری	194
حضرت فاطمہ کی شادی	173	حضرت صفیہ کا حوصلہ	195
سنہ 2ھ کے متفرق واقعات	174	ایک انصاری عورت کا صبر	196
آٹھواں باب		شہداء کرام	196
ہجرت کا تیسرا سال سنہ 3ھ	175	قبور شہداء کی زیارت	197
جنگ اُحد	175	حیاتِ شہداء	197
جنگِ اُحد کا سبب	175	کعب بن اشرف کا قتل	197
مدینہ پر چڑھائی	176	غزوۂ غطفان	198
مسلمانوں کی تیاری اور جوش	177	سنہ 3ھ کے واقعاتِ متفرقہ	199
حضور نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا	178	**نواں باب**	
بچوں کا جوشِ جہاد	179	ہجرت کا چوتھا سال سنہ 4ھ	201

سریہ ابوسلمہ 201
سریہ عبداللہ بن انیس 201
حادثہ رجیع 202
حضرت خبیب کی قبر 204
حضرت زید کی شہادت 205
واقعہ بیر معونہ 205
غزوۂ بنو نضیر 207
بدر صغریٰ 210
4 سنہ ھ کے متفرق واقعات 211

دسواں باب

ہجرت کا پانچواں سال 5 سنہ ھ 213
غزوۂ ذات الرقاع 213
غزوہ دومۃ الجندل 214
غزوۂ مریسیع 214
منافقین کی شرارت 215
حضرت جویریہ سے نکاح 216
واقعہ افک 217
آیت تیمم کا نزول 223
جنگ خندق 224
جنگ خندق کا سبب 225
مسلمانوں کی تیاری 225
ایک عجیب چٹان 227
حضرت جابر کی دعوت 228
بابرکت کھجوریں 228
اسلامی افواج کی مورچہ بندی 229
کفار کا حملہ 229
بنو قریظہ کی غداری 230
انصار کی ایمانی شجاعت 231
عمرو بن عبدود مارا گیا 232
نوفل کی لاش 234
حضرت زبیر کو خطاب ملا 236
حضرت سعد بن معاذ شہید 236
حضرت صفیہ کی بہادری 237
کفار کیسے بھاگے؟ 238
غزوۂ بنی قریظہ 239
5 سنہ ھ کے متفرق واقعات 241

گیارھواں باب

ہجرت کا چھٹا سال 6 سنہ ھ 242
بیعۃ الرضوان 243
صلح حدیبیہ کیونکر ہوئی 244
حضرت ابوجندل کا معاملہ 249
فتح مبین 251
مظلومین مکہ 252
حضرت ابوبصیر کا کارنامہ 252
سلاطین کے نام دعوت اسلام 254
نامہ مبارک اور قیصر 255
خسرو پرویز کی بددماغی 259
نجاشی کا کردار 260
شاہ مصر کا برتاؤ 260
بادشاہ یمامہ کا جواب 261
حارث غسانی 261
سریہ نجد 262
ابورافع قتل کر دیا گیا 263
6 ھ کی بعض لڑائیاں 264

بارھواں باب

ہجرت کا ساتواں سال 7ھ	266
غزوۂ ذات القرد	266
جنگِ خیبر	266
جنگِ خیبر کا سبب	267
مسلمان خیبر چلے	268
یہودیوں کی تیاری	269
محمود بن مسلمہ شہید ہو گئے	269
اسود راعی کی شہادت	269
اسلامی لشکر کا ہیڈکوارٹر	270
حضرت علی اور مرحب کی جنگ	272
خیبر کا انتظام	274
حضرت صفیہ کا نکاح	275
حضور کو زہر دیا گیا	275
حضرت جعفر حبشہ سے آ گئے	276
خیبر میں اعلان مسائل	276
وادی القریٰ کی جنگ	277
فِدک کی صلح	278
عمرۃ القضاء	278
حضرت حمزہ کی صاحبزادی	280
حضرت میمونہ کا نکاح	281

تیرھواں باب

ہجرت کا آٹھواں سال 8ھ	282
جنگِ موتہ	282
اس جنگ کا سبب	282
معرکہ آرائی کا منظر	283
نگاہِ نبوت کا معجزہ	285
سریۃ الخبط	287
ایک عجیب الخلقت مچھلی	287
فتح مکہ	288
کفار قریش کی عہد شکنی	288
تاجدار دو عالم سے استعانت	290
حضور کی امن پسندی	291
ابوسفیان کی کوشش	292
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط	294
مکہ پر حملہ	295
حضرت عباس وغیرہ سے ملاقات	296
میلوں تک آگ ہی آگ	297
قریش کے جاسوس	298
ابوسفیان کا اسلام	299
لشکر اسلام کا جاہ و جلال	300
فاتح مکہ کا پہلا فرمان	302
تاجدار دو عالم کا مکہ میں داخلہ	303
مکہ میں حضور کی قیام گاہ	304
بیت اللہ میں داخلہ	305
شہنشاہِ رسالت کا دربار عام	306
کفارِ مکہ سے خطاب	307
دوسرا خطبہ	309

انصار کو فراق رسول کا ڈر	310	حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان	340
کعبہ کی چھت پر اذان	310	غزوۂ تبوک	342
بیعتِ اسلام	311	غزوۂ تبوک کا سبب	342
بت پرستی کا خاتمہ	313	فہرست چندہ دہندگان	343
چندنا قابل معافی مجرمین	314	فوج کی تیاری	344
مکہ سے فرار ہوجانے والے	314	تبوک کو روانگی	345
مکہ کا انتظام	316	راستہ میں چند معجزات	347
جنگِ حنین	317	ہوا اڑالے گئی	347
جنگِ اوطاس	320	گم شدہ اونٹنی کہاں	348
طائف کا محاصرہ	322	تبوک کا چشمہ	348
طائف کی مسجد	323	رومی لشکر ڈر گیا	348
جنگِ طائف میں بت شکنی	323	ذوالبجادین کی قبر	350
مالِ غنیمت میں تقسیم	324	مسجدِ ضرار	352
انصاریوں سے خطاب	325	صدیق ﷺ اکبر امیر الحج	353
قیدیوں کی رہائی	326	سنہ 9ھ کے واقعات متفرقہ	354
غیب داں رسول	328	وفود العرب	355
عمرۂ جعرانہ	329	استقبال وفود	356
سنہ 80ھ کے متفرق واقعات	329	وفدِ ثقیف	357
چودھواں باب		وفدِ کندہ	358
ہجرت کا نواں سال 9ھ	332	وفدِ بنی اشعر	358
آیت تخییر وایلاء	332	وفدِ بنی اسد	359
ایک غلط فہمی کا ازالہ	337	وفدِ بنی فرازہ	359
عاملوں کا تقرر	338	وفدِ بنی مرہ	360
بنی تمیم کا فد	338	وفدِ بنی البکار	360

وفد بنی کنانہ	360
وفد بنی بلال	361
وفد ضماد بن ثعلبہ	361
وفدِ ضماد بن ثعلبہ	361
وفد بلی	363
وفد تجیب	363
وفد مزینہ	364
وفد دوس	365
وفد بنی عباس	366
وفد دارم	367
وفد غامد	367
وفد نجران	368
پندرھواں باب	
ہجرت کا دسواں سال 10ھ	370
حجۃ الوداع	370
شہنشاہ کونین کا تخت شاہی	373
ساقی کوثر چاہِ زمزم پر	375
غدیر خم کا خطبہ	375
روافض کا ایک شُبہ	376
سولھواں باب	
ہجرت کا گیارہواں سال 11ھ	377
جیش اُسامہ	377
وفات اقدس	379
حضور کو اپنی وفات کا علم	379
علالت کی ابتداء	381
وفات کا اثر	383
تجہیز و تکفین	386
نمازِ جنازہ	386
قبر انور	386
حضور کا ترکہ	387
زمین	388
سواری کے جانور	389
ہتھیار	389
ظروف و مختلف سامان	390
تبرکاتِ نبوت	390
سترھواں باب	
شمائل و خصائل	393
حلیہ مقدسہ	394
جسمِ اطہر	395
جسم انور کا سایہ نہ تھا	396
مکھی، مچھر، جوؤں سے محفوظ	396
مُہر نبوت	397
قد مبارک	397
سرِ اقدس	398
مقدس بال	398
رُخ انور	399
محراب ابرو	400
نورانی آنکھ	400

بینی مبارک	402
مقدس پیشانی	402
گوش مبارک	402
دہن شریف	403
زبانِ اقدس	404
لعابِ دہن	404
آواز مبارک	405
پرُنُور گردن	405
دستِ رحمت	405
شکم و سینہ	406
پائے اقدس	407
لباس	407
امامہ مبارک	407
چادر	408
کملی	408
نعلین اقدس	408
پسندیدہ رنگ	408
انگوٹھی	409
خوشبو	409
سُرمہ	409
سواری	409
نفاست پسندی	410
مرغوب غذائیں	410
روزمرہ کے معمولات	411
سونا جاگنا	412
رفتار	412
کلام	413
دربارِ نبوت	413
تاجدار دو عالم کے خطبات	414
سرورِ کائنات کی عبادات	416
نماز	417
روزہ	418
زکوٰۃ	418
حج	419
ذکرِ الٰہی	419

اٹھارھواں باب

اخلاق نبوت	420
حضور کی عقل	421
حلم و عفو	421
تواضع	425
حُسنِ معاشرت	427
حیاء	429
وعدہ کی پابندی	429
عدل	430
وقار	431
زاہدانہ زندگی	432
شجاعت	433
طاقت	434

رُکانہ پہلوان سے کشتی 434
یزید بن رکانہ سے مقابلہ 434
ابوالاسود سے زور آزمائی 435
سخاوت 435
اسماء مبارکہ 437
آپ کی کنیت 438
طبِ نبوی 439
پیغمبری دُعائیں 444
ہر بلا سے نجات 445
سوتے وقت کی دُعا 445
بازار میں داخل ہو تو کیا پڑھے؟ 445
دُعا سفر 446
سفر سے آنے کی دُعا 446
منزل پر اس دُعا کا ورد کرے 447
بے چینی کے وقت کی دُعا 447
کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر کیا پڑھے 447
کسی کو رخصت کرنے کی دُعا 447
کھانا کھا کر کیا پڑھے؟ 448
آندھی کے وقت کی دُعا 448
بجلی گرجنے کی دُعا 448
کسی قوم سے ڈرے تو کیا پڑھے؟ 448
قرض ادا ہونے کی دعا 448
جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت 449
ضروری تنبیہ 449
مُرغ کی آواز سُن کر دُعا 450
گدھا بولے تو کیا پڑھے 450
جنت کا خزانہ 450
بہشت کا ٹکٹ 450
سیدالاستغفار 451
جماع کی دُعا 451
شفاء امراض کے لئے 451
مصیبت پر نعم البدل ملنے کی دُعا 452
انیسواں باب
متعلقین رسالت 453
ازواج مطہرات 453
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا 455
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا 457
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا 458
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا 462
حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا 463
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا 468
حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا 470
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا 470
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا 473
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا 475
مقدس باندیاں
حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا 477
حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا 478

حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا	479	چاند دو ٹکڑے ہو گیا	501
چوتھی باندی صاحبہ رضی اللہ عنہا	479	ایک غلط فہمی کا ازالہ	502
اولادکرام	479	ایک سوال و جواب	503
حضرت قاسم رضی اللہ عنہ	480	سُورج پلٹ آیا	505
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ	480	سُورج ٹھہر گیا	509
حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ	480	معراج شریف	509
حضرت زینب رضی اللہ عنہ	482	معراج کب ہوئی	510
حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ	484	معراج کتنی بار اور کیسے ہوئی؟	510
حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہ	485	دیدارِ الٰہی	511
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ	487	مختصر تذکرۂ معراج	513
چچاؤں کی تعداد	488	سفر معراج کی سواریاں	515
پھوپھیاں	489	سفر معراج کی منزلیں	515
خدامِ خاص	490	بادل کٹ گیا	516
خصوصی محافظین	493	ایک ضروری تبصرہ	516
کاتبین وحی	493	قرآن مجید	517
دربارِ نبوت کے شعراء	494	**علم غیب**	519
خصوصی مؤذنین	495	غالب مغلوب ہوگا	520
بیسواں باب		ہجرت کے بعد قریش کی تباہی	520
معجزاتِ نبوت	496	مسلمان ایک دن شہنشاہ ہوں گے	521
معجزہ کیا ہے؟	496	فتح مکہ کی پیش گوئی	522
معجزہ کی چار قسمیں	496	جنگِ بدر میں فتح کا اعلان	523
انبیاء سابقین اور خاتم النبیین کے معجزات	498	یہودی مغلوب ہوں گے	524
معجزاتِ کثیرہ میں سے چند	498	عہدِ نبوی کے بعد کی لڑائیاں	525
آسمانی معجزات	501	احادیث میں غیب کی خبریں	526

اسلامی فتوحات کی پیش گوئیاں	526
قیصر و کسریٰ کی بربادی	526
یمن، شام، عراق فتح ہوں گے	527
فتح مصر کی بشارت	527
بیت المقدس کی فتح	528
خوفناک راستے پُرامن ہوجائیں گے	528
فاتح خیبر کون ہوگا؟	529
تیس برس خلافت پھر بادشاہی	530
70ھ اور لڑکوں کی حکومت	530
ترکوں سے جنگ	530
ہندوستان میں مجاہدین	531
کون کہاں مرے گا	532
حضرت فاطمہؓ کی وفات کب ہوگی	532
خود اپنی وفات کی اطلاع	533
حضرت عمرو حضرت عثمان شہید ہوں گے	534
حضرت عمار کو شہادت ملے گی	534
حضرت عثمان کا امتحان	535
حضرت علی کی شہادت	536
حضرت سعد کے لئے خوشخبری	536
حجاز کی آگ	537
فتنوں کے علمبردار	538
قیامت تک کے واقعات	538
ضروری انتباہ	539
عالم جمادات کے معجزات	539
خوشہ درخت سے اُتر پڑا	542
درخت چل کر آیا	543
انتباہ	544
چھڑی روشن ہوگئی	544
لکڑی کی تلوار	545
رونے والا ستون	546
عالم حیوانات کے معجزات	548
جانوروں کا سجدہ کرنا	548
اونٹ کی فریاد	549
بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا	549
تبلیغ اسلام کرنے والا بھیڑیا	550
اعلانِ ایمان کرنے والی گوہ	551
انتباہ	553
عالم انسانیت کے معجزات	553
تھوڑی چیز زیادہ ہوگئی	553
اُم سلیم کی روٹیاں	554
حضرت جابر کی کھجوریں	555
حضرت ابوہریرہ کی تھیلی	555
اُم مالک کا بچہ	556
بابرکت پیالہ	556
تھوڑا توشہ عظیم برکت	557
برکت والی کلیجی	557
ابوہریرہ اور ایک پیالہ دودھ	558
شفاء امراض	559

اشوبِ چشم سے شفاء	559	پکی ہوئی بکری زندہ ہوگئی	569
سانپ کا زہر اتر گیا	559	**عالمِ جنات کے معجزات**	570
ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہوگئی	560	جن نے اسلام کی ترغیب دلائی	570
تلوار کا زخم اچھا ہوگیا	560	جنوں کا سلام و پیغام	570
اندھا بینا ہوگیا	560	جن سانپ کی شکل میں	571
گونگا بولنے لگا	561	**عناصر اربعہ کے معجزات**	571
حضرت قتادہ کی آنکھ	561	انگشت مبارک کی نہریں	571
فائدہ	561	زمین نے لاش کو ٹھکرا دیا	572
قے میں کالا پلا گرا	562	جنگِ خندق کی آندھی	573
جنون اچھا ہوگیا	562	آگ جلا نہ سکی	573
جلا ہوا بچہ اچھا ہوگیا	563	ایک ضروری انتباہ	574
مرض نسیاں دُور ہوگیا	564	چند خصائص کُبریٰ	576
مقبولیت دُعا	564	**اکیسواں باب**	579
قریش پر قحط کا عذاب	564	**امت پر حضور کے حقوق**	579
سردارانِ قریش کی ہلاکت	565	ایمان بالرسول	580
مدینہ کی آب و ہوا اچھی ہوگئی	565	اتباع سنت رسول	580
اُم حرام کے لئے دُعا شہادت	566	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آخری تمنا	581
ستر برس کا جوان	566	ابو ہریرہ اور بُھنی ہوئی بکری	581
برکت اولاد کی دُعا	567	حضرت عباس کا پرنالہ	581
حضرت جریر کے حق میں دُعا	567	اطاعتِ رسول	582
قبیلہ دوس کا اسلام	568	سونے کی انگوٹھی پھینک دی	583
ایک منکر کا انجام	568	محبتِ رسول ﷺ	583
مُردے زندہ ہوگئے	568	ایک بڑھیا کا جذبہ محبت	584
لڑکی قبر سے نکل آئی	569	حضرت ثمامہ کا اعلانِ محبت	585

بسترِ موت پر رسول کا عشق	585	وفات اقدس کے بعد توسل	603
حضرت علی اور محبت رسول	586	بارش کے لئے استغاثہ	603
حضرت عبداللہ بن عمر کا عشق رسول	586	فتح کے لئے آپ کا وسیلہ	603
کدو سے محبت	586	حضرت عمر کا دُعا میں وسیلہ	604
سوتے وقت رسول کی یاد	587	حضور نے اسی دینار عطا فرمائے	605
محبتِ رسول کی نشانیاں	587	قبر انور سے روٹی ملی	605
تعظیم رسول	588	امام طبرانی کو کیسے کھانا ملا؟	605
حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے	588	ایک ظالم پر فالج گرا	606
سر پر چڑیاں	590	امام اعظم کا استغاثہ	606
حضرت عمرو بن عاص کے تین دور	590	ہدیۂ سلام	608
بڑا کون؟	591	قطعہء تاریخ تصنیف	608
حضرت براء کا ادب	591	قطعہ سالِ طباعت	608
آثارِ شریفہ کی تعظیم	591	دُعاء	608
مشک کا منہ کاٹ لیا	594		
مدح رسول	594		
درود شریف	595		
قبر انور کی زیارت	596		
ضروری تنبیہ	598		
ابن تیمیہ کا فتویٰ	598		
حدیث الاتشد الرحال	599		
رسول کا وسیلہ	600		
ولادت سے قبل توسل	600		
ظاہری حیات میں توسل	601		
دُعاء نبوی میں وسیلہ	602		

۷۸۶
۹۲

شرف انتساب

حضور شہنشاہ کونین ﷺ کی بارگاہ عظمت میں ایک ناکارہ امتی

کا

نذرانہ عقیدت

یا رسول اللہ! بہ درگاہت پناہ آوردہ
ام
ہمچو کاہے عاجزم، کوہ گناہ آوردہ ام



خاک بوس نعلین رسول اللہ ﷺ
عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

عرض مؤلف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

الحمد للہ خداوند قدوس جل جلالہ کا بے شمار شکر ہے کہ میری ایک بہت ہی دیرینہ اور بہت بڑی قلبی تمنا پوری ہوگئی کہ بہت سے مواقع کے باوجود حضور اقدس شہنشاہ دو عالم ﷺ کی سیرت مقدسہ کے اہم عنوانوں پر یہ چند اوراق لکھنے کی مجھے سعادت نصیب ہوگئی۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔

یہ کتاب اگرچہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت ہی مختصر ہے لیکن بحمد تعالیٰ سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام کے ضروری مضامین کی ایک حد تک جامع ہے جس کو میں چمنستان سیرت کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک مقدس اور حسین گلدستہ بنا کر "سیرت المصطفیٰ" کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی روحانی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔

مختصر کیوں:

پہلے خیال تھا کہ سیرت مقدسہ کے تمام عنوانوں پر کئی جلدوں میں ایک مبسوط و مفصل کتاب تحریر کروں۔ مگر بچند وجوہ مجھے اپنے اس خیال سے رجوع کرنا پڑا۔

اولاً یہ کہ مجھ سے پہلے ہر زمانے میں اور ہر زبان میں ہزاروں خوش نصیبوں کو حضور رحمت عالم ﷺ کی مقدس سیرت پر کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ہزاروں لاکھوں خوش بخت مسلمان اس سعادت سے سرفراز ہوتے رہیں گے۔ بہت سے خوش قسمت مصنفین ہزاروں صفحات پر کئی کئی جلدوں میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں اسی مضمون پر لکھ کر سعادت کونین سے سرفراز اور دولت دارین سے مالا مال ہو گئے اور اس میں شک نہیں کہ ان بزرگانِ دین نے اپنی ان ضخیم کتابوں میں سیرت نبویہ کے تمام اہم عنوانوں پر سیر حاصل تفاصیل فراہم کی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہم نے شہنشاہ کونین ﷺ کی سیرت پاک کے تمام گوشوں کو مکمل کر کے اس کے تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے۔ کیونکہ سیرت پاک کا ہر

عنوان وہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ اس کو پار کر لینا بڑے بڑے اہل علم کے لئے اتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ آسمان کے چند ستاروں کو توڑ کر اپنے دامن میں رکھ لینا۔

اب ظاہر ہے کہ جو کام علم و عمل کے ان سربلند پہاڑوں سے نہ ہو سکا بھلا مجھ جیسے ناکارہ انسان سے اس کام کے انجام پا جانے کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے مجھے اسی میں اپنی خیریت نظر آئی کہ صرف چند اوراق کی ایک کتاب سیرت نبویہ کے موضوع پر لکھ کر مصنفین سیرت کی مقدس فہرست میں اپنا نام لکھوا لوں اور ان بزرگوں کی صف نعال میں جگہ پا لینے کی سعادت حاصل کر لوں۔

ثانیاً یہ کہ انسانی مصروفیات کے اس دور میں جب کہ مسلمانوں کو اپنی ضروریات زندگی سے بالکل ہی فرصت نہیں مل رہی ہے اور علمی تحقیقات سے ان کی ہمتیں کوتاہ اور دلچسپیاں ناپید ہو چکی ہیں اور ذہن و حافظہ کی قوتیں بھی کافی حد تک ماؤف اور معذور ہو چکی ہیں۔ آجکل کے مسلمانوں سے یہ امید فضول نظر آئی کہ وہ طویل و مفصل اور موٹی موٹی کتابوں کو پڑھ کر اس کے مضامین کو اپنے ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا اس حال و ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے میرے خیال میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ سیرت نبویہ کے موضوع پر ایک اتنی مختصر اور جامع کتاب لکھ کر دی جائے جس کو مسلم طبقہ اپنے قلیل ترین اوقات فرصت میں صرف چند نشستوں کے اندر پڑھ ڈالے اور اس کو اپنے ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھے۔

ثالثاً یہ کہ میرے نزدیک اس موضوع پر مبسوط و مفصل کتاب کی تدوین و تالیف تو بہت ہی آسان کام ہے۔ مگر اس کی طباعت و اشاعت کا انتظار کرنا۔ غریب طبقہ علماء کے لئے اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا کہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں کو سر کر لینا۔ کیونکہ مسلمانان اہلسنت کا مالدار طبقہ لغو اور فضول کاموں میں تو لاکھوں کی دولت اڑا دینے کو اپنے لئے اتنا ہی آسان سمجھتا ہے جتنا کہ اپنی ناک پر مکھی اڑا دینے کو، لیکن کسی دینی و مذہبی کتاب کی طباعت یا اس کی خریداری میں اس کے لئے نیا پیسہ لگا دینا اتنا ہی دشوار اور کٹھن کام ہے جتنا کہ اپنی کھال کو اتار کر پامال کر دینا۔ یہ وہ تلخ حقیقت ہے کہ جس کی تلخی سے بار بار تجربات کے کام و دہن بگڑ چکے ہیں۔ لہٰذا ان تجربات کی بنا پر میں نے یہی بہتر سمجھا کہ میں بس اتنی ہی ضخیم کتاب لکھوں جس کی طباعت و اشاعت کے اخراجات کا سارا بار میں خود ہی اٹھا سکوں اور مجھے کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ

پڑے۔

سببِ تالیف:

اولاً تو ایک مدت دراز سے یہ نیک تمنا میرے دل کی گہرائیوں میں موجزن رہتی تھی کہ میں اپنے قلم سے حضور رحمت عالم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کی مقدس زندگی پر کوئی کتاب لکھ کر ان بزرگانِ ملت کا کفش برادر بن جاؤں جنہوں نے سیرت نبویہ کی تصنیف و تالیف میں اپنی عمروں کا سرمایہ صرف کر کے ایسی تجارت آخرت کی کہ اس کے نفع میں انہیں عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کی دولت دارین کا خزانہ مل گیا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہو گئے)۔

پھر مزید برآں میری تصنیفات کے قدردانوں نے بھی بار بار تقاضا کیا کہ سیرت مبارکہ کے مقدس موضوع پر بھی کچھ نہ کچھ آپ ضرور لکھ دیں اور ان کرم فرماؤں کا یہ مخلصانہ اصرار اس حد تک میرے سر پر سوار ہو گیا کہ میں اس سے انکار و فرار کی تاب نہ لا سکا۔

پھر "سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا" کہ اغیار نے بار بار یہ طعنہ مارا کہ علماء اہلسنت صحبت رسول کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اردو زبان میں سیرت نبویہ کے موضوع پر ان لوگوں نے بہت ہی کم لکھا۔ برخلاف اس کے ملک کی دوسری جماعتوں کے قلمکاروں نے اس موضوع پر اس قدر زیادہ لکھا کہ اردو کتابوں کی مارکیٹ میں سیرت کی بہت سی کتابیں مل رہی ہیں جو سب انہی لوگوں کے دور قلم کی مرہون منت ہیں۔

یہ ہیں وہ اسباب و محرکات جن سے متاثر ہو کر اپنی نااہلی اور علمی سرمایہ سے افلاس کے باوجود مجھے قلم اٹھانا پڑا اور کثرت و ہجوم و افکار کے محشرستاں میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود چند اوراق کا یہ مجموعہ پیش کرنا پڑا۔

اس کتاب کو میں نے حتی الامکان اپنی طاقت بھر جاذب قلب و نظر اور جامع ہونے کے ساتھ مختصر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب یہ فیصلہ ناظرین کرام کی نگاہ نقد و نظر کا دست نگر ہے کہ میں اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہوا یا نہیں؟

ہجوم موانع:

یکم جمادی الاخری 1395ھ کا دن میری تاریخ زندگی میں یادگار رہے گا۔ کیونکہ استخارہ کے بعد اسی تاریخ کو میں نے اس کتاب کی بسم اللہ تحریر کی، مگر خدا کی شان کہ

ابھی چند ہی صفحات لکھنے پایا تھا کہ بالکل ہی ناگہاں ریاحی درد گروہ کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگا اور ٹانڈہ کے مکان جا کر مسلسل ایک ماہ تک صاحب فراش رہا۔ پھر رمضان 1395ھ میں مرض سے افاقہ ہوا تو نقاہت ہی کے عالم میں بحالت روزہ اس کام کو شروع کیا۔ الحمد للہ کہ اس کی برکت سے روز بروز صحت و طاقت میں اضافہ ہوتا گیا اور کام آگے بڑھتا رہا۔ مگر پھر 3 شوال 1395ھ کو اچانک آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا اور پھر کام بند ہو گیا۔ ایک ماہ کے بعد لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو جاڑوں کا چھوٹا دن، دونوں وقت کا مدرسہ، خطوط کے جوابات، احباب سے ملاقاتیں، ان مشاغل کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے لئے دن بھر قلم پکڑنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھیں۔ مجبوراً سردیوں کی راتوں میں لحاف اوڑھ کر لکھنا پڑا۔ پھر بڑی مشکل یہ درپیش تھی کہ ٹانڈہ میں ضروری کتابوں کا ملنا دشوار تھا اور مدرسہ کی مصروفیات کے باعث ملک کی کسی لائبریری میں نہیں جاسکتا تھا۔ مجبوراً انہی چند کتابوں کی مدد سے جو اپنے پاس تھیں کام چلانا پڑا۔ جن کے حوالے جابجا اس کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

پھر اواخر صفر 1396ھ میں ناگہانی طور پر یہ حادثہ گزرا کہ میری پیاری جوان بیٹی عارفہ خاتون مرحومہ مرض سرسام میں مبتلا ہو گئی اور 27 صفر 1396ھ کو وفات پا گئی۔ اس صدمہ جانکاہ نے میرے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پھر ربیع الاول 1396ھ میں جلسوں کا ایسا تانتا بندھا کہ ایک ماہ میں تقریباً بارہ جلسوں میں تقریریں کرنا پڑیں اور بحالت سفر اس کا موقع ہی نہیں تھا کہ کچھ لکھ سکتا۔ غرض روز بروز نامساعد حالات نے قدم قدم پر مجھے قلم اٹھانے سے روکا۔ مگر بحمدہ تعالیٰ ان طوفانوں کے تلاطم میں بھی میرے عزم و استقامت کی کشتی نہیں ڈگمگائی اور میں فرصت کے اوقات میں چلتے پھرتے چند سطریں لکھتا رہا۔ خداوند کریم علیم و خبیر ہے کہ ان ہوش ربا حالات میں اس کتاب کا صرف چودہ ماہ کی قلیل مدت میں مکمل ہو جانا میں اس کو اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطاء فرماتا ہے اور اللہ

تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

ملتجیانہ گزارش

جن پریشان کن حالات میں اس کتاب کی ترتیب و تالیف ہوئی ہے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ اس لئے اگر ناظرین کرام کو اس میں کوئی کمی یا خامی نظر آئے، تو میں بہت ہی شکر گزار ہوں گا کہ وہ میری اصلاح فرما کر مجھے اپنا ممنون احسان بنائیں اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد از راہ کرم ایک کارڈ لکھ کر مجھے اپنے تاثرات سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشنوں میں خامیوں کی تکمیل اور آپ کے حکموں کی تعمیل کر کے تلافی مافات کر سکوں۔

شکریہ و دعا:

آخر میں اپنے شاگرد رشید عزیز سعید مولوی محمد ظہیر عالم صاحب آسی قادری نیپالی سلمہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا املا تحریر کرنے اور حوالوں کو تلاش کرنے میں نہایت ہی اخلاص کے ساتھ میری مدد کی۔ اسی طرح اپنے دوسرے تلمیذ باتمیز اخی فی اللہ مولوی محمد نعیم اللہ صاحب مجددی فیضی سلمہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ میری دوسری تصنیفات کی طرح اس کتاب کی کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح اور اس کی طباعت و اشاعت کی جدوجہد میں بھی میرے شریک کار رہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان دونوں عزیزوں کو نعمت کونین سے سرفراز اور دولت دارین سے مالا مال فرمائے اور میری اس تالیف کو مقبول فرما کر اس کو قبول فی الارض کی کرامتوں سے نوازے اور اس کو امت مسلمہ کے لئے ذریعہ رشد و ہدایت اور مجھ گنہگار کے لئے زاد آخرت و سامان مغفرت بنائے۔

امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی الہ الطیبین واصحابہ المکرمین وعلی من تبعھم الی یوم الدین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۔

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ
یکم شعبان 1396ھ، ٹانڈہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمتہ الکتاب

سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا موضوع اس قدر دلکش، ایمان افروز اور روح پرور عنوان ہے کہ عاشقان رسول کے لئے اس چمنستان کی گل چینی، ایمانی قلب و روح کے لئے فرح و سرور کی ایسی ''بہشت خلد'' ہے کہ جنت الفردوس کی ہزاروں رعنائیاں اس کے لئے ایک ایک پھول سے رنگ و پھول کی بھیک مانگنے کو اپنے لئے سرمایہ افتخار تصور کرتی ہے۔ اسی لئے ان حق پرست علماء ربانیین نے جن کے مقدس سینوں میں محبت رسول کے ہزاروں پھول کھلے ہوئے ہیں اس ایمانی عنوان اور نورانی موضوع پر اپنی زندگی کی آخری سانس تک قلم چلاتے چلاتے اپنی جانیں قربان کردیں۔ چنانچہ آج ہر زبان میں سیرت نبویہ کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کی سوانح حیات کے بارے میں اس کا لاکھواں بلکہ کروڑواں حصہ بھی عالم وجود میں نہ آسکا۔

وہ عاشقان رسول جو سیرت نویسی کی بدولت آسمان عزت وعظمت میں ستاروں کی طرح چمکتے اور چمنستان شہرت میں پھولوں کی طرح مہکتے ہیں ان خوش نصیب عالموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان کا حصر وشمار طاقت واقتدار سے باہر ہے مثال کے طور پر ہم یہاں ان چند مشہور علماء سیرت کے مقدس ناموں کا ان کے سنہ وفات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو بارگاہ الٰہی میں ذاکر رسول ہونے کی حیثیت سے اس قدر مقبول ہیں کہ اگر ایام قحط میں نماز استسقاء کے بعد ان بزرگوں کے ناموں کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے دعا مانگی جائے تو فوراً ہی باران رحمت کا نزول ہو جائے اور اگر مجالس میں ان سعید روحوں کا تذکرہ چھیڑ دیا جائے تو رحمت کے فرشتے اپنے مقدس بازوؤں اور پروں کو پھیلا کر ان محفلوں کا شامیانہ بنا دیں۔

چند مصنفین سیرت:

خلفاء راشدین بلکہ خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے کچھ قبل تک چونکہ حدیثوں کا لکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا تاکہ قرآن و حدیث میں غلط ملط نہ ہونے پائے۔ اس لئے سیرت نبویہ کے موضوع پر حضرات صحابہ کرام کی کوئی تصنیف عالم وجود میں نہ آسکی۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب احادیث نبویہ کی کتابت کا عام طور پر چرچا ہوا تو دور تابعین میں ''محدثین'' کے ساتھ ساتھ سیرت نبویہ کے مصنفین کا بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔

حضرات صحابہ کرام سیرت نبویہ کے موضوع پر کتابیں تصنیف نہ کر سکے مگر وہ اپنی یادداشت سے زبانی طور پر اپنی مجالس، اپنی درسگاہوں، خطبات میں احادیث احکام کے ساتھ ساتھ سیرت نبویہ کے مضامین بھی بیان کرتے رہتے تھے۔ اسی لئے احادیث کی طرح مضامین سیرت کی روایتوں کا سرچشمہ بھی صحابہ کرام ہی کی مقدس شخصیتیں ہیں۔

بہرحال دورِ تابعین سے گیارہویں صدی تک چند مقتدر محدثین و مصنفین سیرت کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمایئے۔ گیارہویں صدی کے بعد والے مصنفین کے ناموں کو ہم نے اس فہرست میں اس لئے جگہ نہیں دی کہ یہ لوگ درحقیقت اگلے مصنفین ہی کے خوشہ چین و فیض یافتہ ہیں۔

1. حضرت عروہ بن زبیر تابعی (متوفی 92ھ)
2. حضرت عامر بن شراحیل امام شعبی (متوفی 104ھ)
3. حضرت ابان بن امیر المومنین حضرت عثمان (متوفی 105ھ)
4. حضرت وہب بن منبہ یمنی (متوفی 110ھ)
5. حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی 120ھ)
6. حضرت شرجیل بن سعد (متوفی 123ھ)
7. حضرت محمد بن شہاب زہری (متوفی 124ھ)
8. حضرت اسمٰعیل بن عبدالرحمن سدی (متوفی 127ھ)
9. حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن حزم (متوفی 135ھ)

10. حضرت موسیٰ بن عقبہ (صاحب المغازی) (متوفی 141ھ)
11. حضرت معمر بن راشد (متوفی 150ھ)
12. حضرت محمد بن اسحاق (صاحب المغازی) (متوفی 150ھ)
13. حضرت زیاد بکائی (متوفی 183ھ)
14. حضرت محمد بن عمر واقدی (صاحب المغازی) (متوفی 207ھ)
15. حضرت محمد بن سعد (صاحب الطبقات) (متوفی 230ھ)
16. حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (مصنف بخاری شریف) (متوفی 256ھ)
17. حضرت مسلم بن حجاج قشیری (مصنف مسلم شریف) (متوفی 261ھ)
18. حضرت ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (متوفی 267ھ)
19. حضرت داؤد بن سلیمان بن اشعث بحتانی صاحب السنن (متوفی 275ھ)
20. حضرت ابوعیسیٰ ترمذی (متوفی 279ھ مصنف جامع ترمذی)
21. حضرت ابوعبداللہ محمد یزید بن ماجہ قزدینی (متوفی 273ھ (صاحب السنن)
22. حضرت ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (متوفی 273ھ) مصنف سنن نسائی
23. حضرت محمد بن جریر طبری (صاحب التاریخ) متوفی 310ھ
24. حضرت حافظ عبدالغنی بن سعید امام النسب (متوفی 332ھ)
25. حضرت ابونعیم احمد بن عبداللہ (صاحب الحلیہ) متوفی 430ھ
26. حضرت شیخ الاسلام ابوعمر حافظ ابن عبدالبر (متوفی 463ھ)
27. حضرت ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفی 458ھ)
28. حضرت علامہ قاضی عیاض (صاحب الشفائ) (متوفی 544ھ)
29. حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی (صاحب الروض الانف) (متوفی 581ھ)
30. حضرت علامہ عبدالرحمن ابن الجوزی (صاحب شرف المصطفیٰ) (متوفی 597ھ)
31. حضرت احمد بن محمد بن ابوبکر قسطلانی (متوفی 923ھ) (صاحب مواہب لدنیہ)
32. حضرت امام شرف الدین عبدالمومن دمیاطی (متوفی 705ھ) (صاحب سیرت دمیاطی)

33. حضرت ابن سید الناس بصری (صاحب عیون الاثر) (متوفی 734ھ)
34. حضرت حافظ علاء الدین مغلطائی (صاحب الاشارۃ الیٰ سیرۃ المصطفیٰ) (متوفی 762ھ)
35. حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 854ھ) (شارح بخاری)
36. حضرت علامہ بدر الدین محمود عینی (شارح بخاری) (متوفی 855ھ)
37. حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی (صاحب وفاء الوفائ) (متوفی 911ھ)
38. حضرت محمد بن یوسف صالحی (صاحب السیرۃ الشامیہ) (متوفی 942ھ)
39. حضرت علی بن برہان الدین (صاحب السیرۃ الحلبیہ) (متوفی 1044ھ)
40. حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب مدارج النبوۃ) (متوفی 1054ھ)

سیرت کیا ہے؟

قدمائے محدثین وفقہاء "مغازی وسیر" کے عنوان کے تحت میں فقط غزوات اور اس کے متعلقات کو بیان کیا کرتے تھے مگر سیرت نبویہ کے مصنفین نے اس عنوان کو اس قدر وسعت دیدی کہ حضور رحمت عالم ﷺ کی ولادت با سعادت سے وفات تک کے تمام مراحل حیات آپ کی ذات وصفات آپ کے دن رات اور تمام وہ چیزیں جن کو آپ کی ذات والا صفات سے تعلقات ہوں۔ خواہ وہ انسانی زندگی کے معاملات ہوں یا نبوت کے معجزات ہوں ان سب کو "کتاب سیرت" ہی کے ابواب وفصول اور مسائل شمار کرنے لگے۔

چنانچہ اعلان نبوت سے پہلے اور بعد کے تمام واقعات کا شانہ نبوت سے جبل حراء کے غار سے جبلِ ثور کے غار تک اور حرم کعبہ سے طائف کے بازار تک اور مکہ کی چراگاہوں سے ملک شام کی تجارت گاہوں تک اور ازواجِ مطہرات کے حجروں کی خلوت گاہوں سے لے کر اسلامی غزوات کی رزم گاہوں تک آپ کی حیاتِ مقدسہ کے ہر لمحہ میں آپ کی مقدس سیرت کا آفتاب عالم تاب جلوہ گر ہے۔

اسی طرح خلفاء راشدین ہوں یا دوسرے صحابہ کرام، ازواج مطہرات ہوں یا آپ ﷺ کی اولادِ عظام، ان سب کی کتاب زندگی کے اوراق پر سیرت نبوت کے

نقش ونگار پھولوں کی طرح مہکتے، موتیوں کی طرح چمکتے اور ستاروں کی طرح جگمگاتے ہیں اور یہ تمام مضامین سیرت نبویہ کے ''شجرہ الخلد'' ہی کی شاخیں، پتیاں، پھول اور پھل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملکِ عرب:

یہ براعظم ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس ملک کے تین طرف سے سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرہ کی طرح گھیر رکھا ہے۔ اس لئے اس ملک کو ''جزیرۃ العرب'' بھی کہتے ہیں۔ اس کے شمال میں شام وعراق، مغرب میں بحر احمر (بحیرہ قلزم) جو مکہ معظّمہ سے بجانب مغرب تقریباً ستتر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان وخلیج فارس ہیں۔

اس ملک میں قابل زراعت زمینیں کم ہیں اور اس کا کثیر حصہ پہاڑوں اور ریگستانی صحراؤں پر مشتمل ہے۔ (تاریخ دول العرب والسلام جلد 1، ص 3)

علماء جغرافیہ نے زمینوں کے طبعی ساخت کے لحاظ سے اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) حجاز (2) یمن (3) حضرموت (4) مہرہ (5) عمان (6) بحرین (7) نجد (8) احقاف۔ (تاریخ دول العرب والسلام جلد 1، ص 3)

حجاز:

یہ ملک کے مغربی حصہ میں بحر احمر (بحیرہ قلزم) کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملے ہوئے ساحل سمندر کو جو نشیب میں واقع ہے۔ ''تہامہ'' یا ''غور'' ''پست زمین'' کہتے اور حجاز سے مشرق کی جانب جو ملک کا حصہ ہے وہ ''نجد'' (بلند زمین کہلاتا ہے) ''حجاز'' چونکہ ''تہامہ'' اور ''نجد'' کے درمیان حاجز اور حائل ہے۔ اسی لئے ملک کے اس حصہ کو ''حجاز'' کہنے لگے۔ (دول العرب والسلام جلد 1، ص 4)

حجاز کے مندرجہ ذیل مقامات تاریخ اسلام میں بہت زیادہ مشہور ہیں۔

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بدر، احد، خیبر، فدک، حنین، طائف، تبوک غدیر خم وغیرہ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر ''مدین'' تبوک کے محاذ میں بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ مقام ''حجر'' میں وادی القریٰ ہے وہاں اب تک عذاب سے قوم ثمود کی الٹ

پلٹ کردی جانے والی بستیوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔

''طائف'' حجاز میں سب سے زیادہ سرد اور سرسبز مقام ہے اور یہاں کے میوے بہت مشہور ہیں۔

مکہ مکرمہ:

حجاز کا یہ مشہور شہر مشرق میں ''جبل ابوقبیس'' اور مغرب میں ''جبل قعیقعان'' دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ریتلے میدانوں کا سلسلہ دور دور تک چلا گیا ہے۔ اسی شہر میں حضور شہنشاہ کونین ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اس شہر اور اس کے اطراف میں مندرجہ ذیل مشہور مقامات واقع ہیں۔

کعبہ معظّمہ، صفا مروہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، غار حرا، غار ثور، جبل تنعیم جعرانہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ کی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ ''جدہ'' ہے جو تقریباً چون ((54 کلومیٹر سے کچھ زائد کے فاصلہ پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

مکہ مکرمہ میں ہر سال ذوالحجہ کے مہینے میں تمام دنیا کے لاکھوں مسلمان بحری، ہوائی اور خشکی کے راستوں سے حج کے لئے آتے ہیں۔

مدینہ منورہ:

مکہ مکرمہ سے تقریباً تین سو بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر مدینہ منورہ ہے جہاں مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور دس برس تک مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اور اسی شہر میں آپ کا مزار اقدس ہے جو مسجد نبوی کے اندر ''گنبد خضریٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً ساڑھے چار کلومیٹر جانب شمال کو''احد'' کا پہاڑ ہے جہاں حق و باطل کی مشہور لڑائی ''جنگ احد'' لڑی گئی۔ اسی پہاڑ کے دامن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے جو جنگ احد میں شہید ہوئے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کی دوری پر ''مسجد قبا'' ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہجرت کے بعد حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے اس مسجد کو تعمیر فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور مسجد نبوی کی تعمیر

فرمائی۔ مدینہ منورہ کی بندرگاہ "ینبع" ہے جو مدینہ منورہ سے ایک سو سترہ کلومیٹر کے فاصلہ پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

خاتم النبیین عرب میں کیوں؟:

اگر ہم ملک عرب کو کرہ زمین کے نقشہ پر دیکھیں تو اس کے محل وقوع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک عرب کو ایشیائ، یورپ اور افریقہ تین براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لئے ہم کسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو ملک عرب ہی اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب مقام ہے۔ خصوصاً حضور خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ اور یورپ اور ایشیاء کی تین بڑی بڑی سلطنتوں کا تعلق ملک عرب سے تھا تو ظاہر ہے کہ ملک عرب سے اٹھنے والی آواز کو ان براعظموں میں پہنچائے جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ غالباً یہی وہ حکومت الٰہیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو ملک عرب میں پیدا فرمایا اور ان کو اقوام عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ علم)

عرب کی سیاسی پوزیشن:

حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت ملک عرب کی سیاسی حالت کا یہ حال تھا کہ جنوبی حصہ پر سلطنت حبشہ کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا قبضہ تھا اور شمالی ٹکڑا سلطنت روم کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کے زیر اثر تھا۔ اندرون ملک بزعم خود ملک عرب آزاد تھا۔ لیکن اس پر قبضہ کرنے کے لئے ہر ایک سلطنت کوشش میں لگی ہوئی تھی اور درحقیقت ان سلطنتوں کی باہمی رقابتوں ہی کے طفیل میں ملک عرب آزادی کی نعمت سے بہرہ ور تھا۔

عرب کی اخلاقی حالت:

عرب کی اخلاقی حالت نہایت ہی ابتر بلکہ بد سے بدتر تھی جہالت نے ان میں بت پرستی کو جنم دیا اور بت پرستی کی لعنت نے ان کے انسانی دل و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ وہ مظاہر فطرت کی ہر پتھر، درخت، چاند، سورج، پہاڑ،

دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے اور خود ساختہ مٹی اور پتھر کی مورتوں کی عبادت کرتے تھے۔ عقائد کی خرابی کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال و افعال بے حد بگڑے ہوئے تھے۔ قتل، رہزنی، جوا، شراب نوشی، حرام کاری، عورتوں کا اغوائ، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا یا عیاشی، فحش گوئی، غرض کونسا ایسا گندہ اور گھناؤنا عمل تھا جو ان کی سرشت میں نہ رہا ہو۔ چھوٹے بڑے سب کے سب گناہوں کے پتلے اور پاپ کے پہاڑ بنے ہوئے تھے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد:

بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرزند کا نام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہے جو حضرت بی بی ہاجرہ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اور ان کی والدہ حضرت بی بی ہاجرہ کو مکہ مکرمہ میں لاکر آباد کیا اور عرب کی زمین ان کو عطاء فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند کا نام نامی حضرت اسحٰق علیہ السلام ہے جو حضرت بی بی سارہ کے مقدس شکم سے تولد ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملک شام عطاء فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی حضرت قطورہ کے پیٹ سے جو اولاد ''مدین'' وغیرہ ہوئے ان کو آپ نے غمن کا علاقہ عطا فرمایا۔

اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے اور ان کی اولاد میں خداوند قدوس نے اس قدر برکت عطاء فرمائی کہ وہ بہت جلد تمام عرب میں پھیل گئے۔ یہاں تک کہ مغرب میں مصر کے قریب تک ان کی آبادیاں جا پہنچیں اور جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے اور شمال کی طرف ان کی بستیاں ملک شام سے جا ملیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک فرزند جن کا نام ''قیدار'' تھا۔ بہت ہی نامور ہوئے اور ان کی اولاد خاص مکہ میں آباد رہی اور یہ لوگ اپنے باپ کی طرح ہمیشہ کعبہ معظّمہ کی خدمت کرتے رہے جس کو دنیا میں توحید کی سب سے پہلی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انہی قیدار کی اولاد میں ''عدنان'' نامی نہایت اولوالعزم شخص پیدا ہوئے اور

''عدنان'' کی اولاد میں چند پشتوں کے بعد ''قصی'' بہت ہی جاہ و جلال والے شخص پیدا ہوئے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد پر 440ء میں ایک سلطنت قائم کی اور ایک قومی مجلس (پارلیمنٹ) بنائی جو ''دارالندوہ'' کے نام سے مشہور ہے اور اپنا ایک قومی جھنڈا بنایا۔ جس کو ''لوائ'' کہتے تھے اور مندرجہ ذیل چار عہد قائم کئے۔ جن کی ذمہ داری چار قبیلوں کو سونپ دی۔

i- رفادۃ   ii- سقاتیہ   iii- حجابتہ   iv- قیادتہ

''قصی'' کے بعد ان کے فرزند ''عبد مناف'' اپنے باپ کے جانشین ہوئے پھر ان کے فرزند ''ہاشم'' پھر ان کے فرزند ''عبدالمطلب'' یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے جانشین ہوتے رہے۔ انہیں عبدالمطلب کے فرزند حضرت عبداللہ ہیں۔ جن کے فرزند ارجمند ہمارے حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ ہیں۔ جن کی مقدس سیرت پاک لکھنے کا خداوند عالم اپنے فضل سے ہم کو شرف عطاء فرمایا ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ پڑھنے کا طریقہ:

اس کتاب کا مطالعہ آپ اس طرح نہ کریں جس طرح عام طور پر لوگ ناولوں یا قصہ کہانیوں یا تاریخی کتابوں کو نہایت ہی لاپرواہی کے ساتھ پاکی ناپاکی ہر حالت میں پڑھتے رہتے ہیں اور نہایت ہی بے توجہی کے ساتھ پڑھ کر اِدھر اُدھر ڈال دیا کرتے ہیں بلکہ آپ اس جذبہ عقیدت اور والہانہ جوش محبت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں کہ یہ شہنشاہ دارین اور محبوب رب المشرقین والمغربین کی حیات طیبہ اور ان کی سیرت مقدسہ کا ذکر جمیل ہے جو ہماری ایمانی عقیدتوں کا مرکز اور ہماری اسلامی زندگی کا محور ہے۔ یہ محبوب خدا ﷺ کی ان قابل احترام اداؤں کا بیان ہے جن پر کائنات عالم کی تمام عظمتیں قربان ہیں لہٰذا اس کے مطالعہ کے وقت آپ کو ادب و احترام کا پیکر بن کر اور تعظیم و توقیر کے جذبات صادقہ سے اپنے قلب و دماغ کو منور کر کے اس تصور کے ساتھ اس کی ایک ایک سطر کو پڑھنا چاہیئے کہ اس کا ایک ایک لفظ میرے لئے حسنات و برکات کا خزانہ ہے اور گویا میں حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کے مقدس دربار میں حاضر ہوں اور آپ کی ان پیاری پیاری اداؤں کو دیکھ رہا ہوں اور آپ کے فیض صحبت سے انوار حاصل کر رہا ہوں۔ حضرت ابوابراہیم تحبیبی علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

قلب میں آپ کی عظمت اور ہیبت و جلال کا ایسا ہی تاثر پیدا کرے، جیسا کہ آپ کے روبرو حاضر ہونے کی صورت میں آپ کے جلال و ہیبت سے متاثر ہوتا ہے۔ (شفاء جلد 2،ص 32)

اور حضور قاضی علامہ عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

حضور انور ﷺ کی وفات اقدس کے بعد بھی ہر امتی پر آپ کی اتنی ہی تعظیم و توقیر لازم ہے جتنی کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ بغداد ابوجعفر منصور عباسی جب مسجد نبوی میں آکر زور زور سے بولنے لگا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ اے امیر المومنین! یہاں بلند آواز سے گفتگو نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے حبیب کے دربار کا یہ ادب سکھایا ہے کہ لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ یعنی نبی کے دربار میں اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ وَاِنَّ حُرْمَتَهٗ مَيِّتًا كَحُرْمَتِهٖ حَيًّا اور آپ کی وفات اقدس کے بعد بھی ہر امتی پر آپ کی اتنی ہی تعظیم واجب ہے جتنی کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی یہ سن کر خلیفہ لرزہ براندام ہوکر نرم پڑ گیا۔ (شفاء شریف جلد 2،ص 33,32)

بہرحال سیرت مقدسہ کی کتابوں کو پڑھتے وقت ادب و احترام لازم ہے اور بہتر یہ ہے کہ جب پڑھنا شروع کرے تو درود شریف پڑھ کر کتاب شروع کرے اور جب تک دل جمعی باقی رہے اور جب ذرا بھی اکتاہٹ محسوس کرے تو پڑھنا بند کر دے اور بے توجہی کے ساتھ ہرگز نہ پڑھے۔

تعالیٰ ھو الموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ

وصحبہ اجمعین۔

حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم
کی
مکی زندگی

محمد وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریم قدس کا شمع شبستانی
مبشر جس کی بعثت کا ظہور عیسے مریم
مصدق جس کی عظمت کا لب موسیٰ عمرانی

(علیہم الصلوٰۃ والسلام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ سَرْ مَدًاه صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ

الْمُصْطَفٰی٥ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَبَدًا٥

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰهُ نُوْرِ مُحَمَّدْ صَلَّی اللّٰهُ

لاَ مَقْصُوْدَ اِلاَّ اللّٰهُ چل میرے خامہ ''بِسْمِ اللّٰهِ''

باب نمبر:1

{خاندانی حالات}

نسب نامہ:

حضور اقدس ﷺ کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے۔حضرت محمد ﷺ، بن عبداللہ بن، عبدالمطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔(بخاری جلد 1،ص باب مبعث النبی ﷺ)

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور کا شجرہ نسب یہ ہے:

حضرت محمد ﷺ بن آمنہ، بنت وہب، بن عبد مناف، بن زہرہ بن کلاب، بن مرہ۔

حضور علیہ السلام کے والدین کا نسب نامہ ''کلاب بن مرۃ'' پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں ''عدنان'' تک آپ کا نسب نامہ صحیح مسندوں کے ساتھ باتفاق مورخین ثابت ہے۔ اس کے بعد ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے اور حضور ﷺ جب بھی اپنا نسب نامہ بیان فرماتے تھے تو ''عدنان'' ہی تک ذکر فرماتے تھے۔(کرمانی بحوالہ حاشیہ بخاری جلد 1،ص 543) مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ''عدنان'' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

خاندانی شرافت:

حضور اکرم ﷺ کا خاندان ونسب نجابت وشرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف واعلیٰ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ کے بدترین دشمن کفارمکہ بھی کبھی اس کا انکار نہ کر سکے چنانچہ حضرت ابوسفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے۔ بادشاہ روم ہر قل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ ''ھو فینا ذو نسب'' یعنی نبی ﷺ ''عالی خاندان'' ہیں۔ (بخاری جلد 1،ص 4)

حالانکہ اس وقت وہ آپ کے بدترین دشمن تھے اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ کی ذات پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرا دیں۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ''کنانہ'' کو برگزیدہ بنایا اور ''بنی ہاشم'' میں سے مجھ کو چن لیا۔ (مشکوٰۃ فضائل سیدالمرسلین)

لَهُ النَّسَبُ الْعَالِيْ فَلَيْسَ كَمِثْلِهٖ

حَسِيْبٌ نَسِيْبٌ مُنْعَمٌ مُتَكَرَّمٌ

یعنی حضور انور ﷺ کا خاندان اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ کوئی بھی حسب ونسب والا اور نعمت و بزرگی والا آپ کے مثل نہیں ہے۔

قریش:

حضور اقدس ﷺ کے خاندان نبوت میں سبھی حضرات اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بڑے نامی گرامی ہیں۔ مگر چند ہستیاں ایسی ہیں جو آسمان فضل وکمال پر چاند تارے بن کر چمکے۔ ان باکمالوں میں سے ''فہر بن مالک'' بھی ہیں۔ ان کا لقب ''قریش'' ہے اور ان کی اولاد قریشی'' یا قریش'' کہلاتی ہے!

''فہر بن مالک'' قریش اس لئے کہلاتے ہیں کہ ''قریش'' ایک سمندری جانور کا نام ہے جو بہت ہی طاقتور ہوتا ہے اور سمندری جانوروں کو کھا ڈالتا ہے۔ یہ تمام جانوروں پر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ چونکہ ''فہر بن مالک'' اپنی شجاعت اور خداداد طاقت کی بنا پر تمام قبائل عرب پر غالب تھے۔ اس لئے تمام اہل

عرب ان کو ''قریش'' کے لقب سے پکارنے لگے۔ چنانچہ اس بارے میں ''شمرخ بن عمرو حمیری'' کا شعر بہت مشہور ہے کہ ؎

وَقُرَيْش هِيَ الَّتِيْ تَسْكُنُ الْبَحْرَ

بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْش قُرَيْشًا

یعنی قریش ایک جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام قریش رکھ دیا گیا۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 76)

حضور ﷺ کے ماں باپ دونوں کا سلسلہ نسب ''فہر بن مالک'' سے ملتا ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ ماں باپ دونوں کی طرف سے قریشی ہیں۔

ھاشم:

حضور ﷺ کے پردادا ہاشم بڑی شان و شوکت کے مالک تھے۔ ان کا اصلی نام عمرو تھا۔ انتہائی بہادر، بے حد سخت اور اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے۔ ایک سال عرب میں بہت سخت قحط پڑ گیا اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے تو یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر حج کے دنوں میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ثرید بنا کر تمام حاجیوں کو خوب پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن لوگ ان کو ''ہاشم'' روٹیوں کا چورہ کرنے والا کہنے لگے۔ (مدارج النبوہ جلد 2، ص 8)

چونکہ یہ عبد مناف کے سب لڑکوں میں بڑے اور باصلاحیت تھے۔ اس لئے عبد مناف کے بعد کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے، بہت حسین خوبصورت اور وجیہ تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو ان کی شادی مدینہ میں قبیلہ خزرج کے ایک سردار عمرو کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن کا نام سلمیٰ تھا اور ان کے صاحبزادے عبدالمطلب مدینہ ہی میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ہاشم پچیس سال کی عمر پا کر ملک شام کے راستہ میں بمقام ''غزہ'' انتقال کر گئے۔ اس لئے عبدالمطلب مدینہ میں ہی اپنے نانا کے گھر پلے بڑھے اور جب سات یا آٹھ سال کے ہو گئے تو مکہ آ کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

عبدالمطلب:

حضور اقدس ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا اصلی نام شیبہ ہے یہ بڑے ہی نیک نفس اور عابد و زاہد تھے۔ ''غار حرا'' میں کھانا پانی ساتھ لے کر جاتے اور کئی کئی دنوں تک لگاتار خدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ رمضان شریف کے مہینے میں اکثر غار حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خدا کے دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا نور نبوت ان کی پیشانی میں چمکتا تھا اور ان سے بڑی عقیدت تھی مکہ والوں پر جب کوئی مصیبت آتی یا قحط پڑ جاتا تو لوگ عبدالمطلب کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ جاتے اور بارگاہ خداوندی میں ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے تھے تو دعا مقبول ہو جاتی تھی یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے لوگوں کو بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے اس لئے ان کا لقب ''مطعم الطیر'' (پرندوں کو کھلانے والا) ہے۔ شراب اور زنا کو حرام جانتے تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے موحد تھے۔ زمزم شریف کا کنواں جو بالکل پٹ گیا تھا۔ آپ نے ہی اسے نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا اور لوگوں کو آب زمزم سے سیراب کیا۔ آپ بھی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے۔ اصحاب فیل کا واقعہ آپ ہی کے وقت میں پیش آیا۔ سو بیس برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 72)

اصحاب فیل کا واقعہ:

حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے صرف پچپن دن پہلے یمن کا بادشاہ ''ابرہہ'' ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ ڈھانے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ''ابرہہ'' نے یمن کے دارالسلطنت ''صنعاء'' میں ایک بہت ہی شاندار اور عالی شان گرجا گھر بنایا اور یہ کوشش کرنے لگا کہ عرب کے لوگ بجائے خانہ کعبہ کے یمن آ کر اس گرجا گھر کا حج کیا کریں۔ جب مکہ والوں کو یہ معلوم ہوا تو قبیلہ ''کنانہ'' کا ایک شخص غیظ و غضب میں جل بھن کر یمن گیا اور وہاں جا کر گرجا گھر میں پاخانہ کر کے نجاست سے لت پت کر دیا۔ جب ابرہہ نے یہ واقعہ سنا تو وہ طیش میں آپے سے باہر ہو گیا اور خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ پر حملہ کر دیا اور اس کی فوج کے اگلے دستہ نے مکہ والوں کے تمام اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کو چھین لیا۔ اس میں دو سو یا چار سو اونٹ عبدالمطلب کے تھے۔ (زرقانی جلد 1، ص 85)

عبدالمطلب کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا۔ چنانچہ آپ اس معاملہ میں گفتگو کرنے کے لئے اس کے لشکر میں تشریف لے گئے۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ قریش کا سردار اُس سے ملاقات کرنے کے لئے آیا ہے تو اس نے آپ کو اپنے خیمہ میں بلا لیا اور جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ ایک بلند قامت، رعب دار اور نہایت ہی حسین و جمیل آدمی ہیں جن کی پیشانی پر نورِ نبوت کا جاہ و جلال چمک رہا تو صورت دیکھتے ہی ابرہہ مرعوب ہوگیا اور بے اختیار تختِ شاہی سے اتر کر آپ کی تعظیم و تکریم کے لئے کھڑا ہوگیا اور اپنے برابر بٹھا کر دریافت کیا کہ کہیے۔ سردارِ قریش! یہاں آپ کی تشریف آوری کا کیا مقصد ہے عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہمارے اونٹ اور بکریاں وغیرہ جو آپ کے لشکر کے سپاہی ہانک لائے ہیں۔ آپ ان سب مویشیوں کو ہمارے سُپرد کر دیجئے۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا کہ اے سردار قریش! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ بہت ہی حوصلہ مند اور شاندار آدمی ہیں۔ مگر آپ نے مجھ سے اپنے اونٹوں سے سوال کر کے میری نظروں میں اپنا وقار کم کر دیا۔ اونٹ اور بکری کی کیا حقیقت ہے؟ میں تو آپ کے کعبہ کو توڑ پھوڑ کر برباد کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ نے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے کہا کہ مجھے تو اپنے اونٹوں سے مطلب ہے کعبہ میرا گھر نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا گھر ہے وہ خود اپنے گھر کو بچالے گا۔ مجھے کعبہ کی ذرا بھی فکر نہیں یہ سن کر ابرہہ اپنے فرعونی لہجہ میں کہنے لگا کہ اے سردار مکہ! سن لیجئے میں کعبہ کو ڈھا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور روئے زمین سے اس کا نام ونشان مٹا دوں گا کیونکہ مکہ والوں نے میرے گرجا گھر کی بڑی بے حرمتی کی ہے اس لئے میں اس کا انتقام لینے کے لئے کعبہ کو مسمار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، عبدالمطلب نے فرمایا کہ پھر آپ جانیں اور خدا جانے۔ میں آپ سے سفارش کرنے والا کون؟ اس گفتگو کے بعد ابرہہ نے تمام جانوروں کو واپس کر دینے کا حکم دیا اور عبدالمطلب تمام اونٹوں اور بکریوں کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلے آئے اور مکہ والوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے مال مویشیوں کو لے کر مکہ سے باہر نکل جاؤ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اور دروں میں چھپ کر پناہ لو۔ مکہ والوں سے یہ کہہ کر پھر خود اپنے خاندان کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور دروازہ کا حلقہ پکڑ کر انتہائی بے قراری اور گروزاری کے ساتھ دربارِ باری میں اس طرح دعا مانگنے لگے کہ

لَا هُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ يَمْنَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَکَ
وَانْصُرْ عَلٰى اٰلِ الصَّلِيْبِ وَعَابِدِيْهِ اَلْيَوْمَ اٰلَکَ

اے اللہ! بے شک ہر شخص اپنے اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ لہٰذا تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما اور صلیب والوں اور صلیب کے پجاریوں (عیسائیوں) کے مقابلہ میں اپنے اطاعت شعاروں کی مدد فرما۔ عبدالمطلب نے یہ دعا مانگی اور اپنے خاندان والوں کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور خدا کی قدرت کا جلوہ دیکھنے لگے ابرہہ جب صبح کو کعبہ ڈھانے کے لئے اپنے لشکر جرار اور ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ آگے بڑھا اور مقام ''مغمس'' میں پہنچا تو خود اس کا ہاتھی جس کا نام ''محمود'' تھا ایک دم بیٹھ گیا۔ ہر چند مارا اور بار بار للکارا مگر ہاتھی نہیں اٹھا۔ اسی حال میں قہر الٰہی ابابیلوں کی شکل میں نمودار ہوا اور ننھے ننھے پرندے جھنڈ کے جھنڈ جن کے چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں۔ سمندر کی جانب سے حرم کعبہ کی طرف آنے لگے، ابابیلوں کے ان دل بادل لشکروں نے ابرہہ کی فوجوں پر اس زور شور سے سنگ باری شروع کر دی کہ آن کی آن میں ابرہہ کے لشکر اور اس کے ہاتھیوں کے پرخچے اڑ گئے، ابابیلوں کی سنگ باری خداوند قہار و جبار کے قہر و غضب کی ایسی مار تھی کہ جب کوئی کنکری کسی فیل سوار کے سر پر پڑتی تھی۔ تو وہ اس آدمی کے بدن کو چھیدتی ہوئی ہاتھی کے بدن سے پار ہو جاتی تھی۔ ابرہہ کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچا اور سب کے سب ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں سمیت اس طرح ہلاک و برباد ہو گئے کہ ان کے جسموں کی بوٹیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی ''سورۂ فیل'' میں خداوند قدوس نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَ
هُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ لا وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ لا تَرْمِيْهِمْ
بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ لا فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۔

ترجمہ: یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کر ڈالا کیا ان کے داؤں کو تباہی میں نہ ڈالا؟ اور ان پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں تا کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے ماریں تو انہیں چبائے ہوئے بھس جیسا بنا ڈالا۔

جب ابرہہ اور اس کے لشکروں کا یہ انجام ہوا تو عبدالمطلب پہاڑ سے نیچے اُترے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ان کی اس کرامت کا دور دور تک چرچا ہو گیا اور تمام اہل عرب ان کو ایک خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے قابل احترام سمجھنے لگے۔

حضرت عبداللہؓ:

یہ ہمارے حضور رحمت عالم ﷺ کے والد ماجد ہیں۔ یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے۔ چونکہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ اس لئے حسن و خوبی کے پیکر اور جمال صورت و کمال سیرت کے آئینہ دار اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔ قبیلۂ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ اور ان سے شادی کی خواستگار تھیں، مگر عبدالمطلب ان کے لئے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب و نسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز ہو۔ عجیب اتفاق کہ ایک دن عبداللہ شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے تھے۔ ملک شام کے یہودی علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزمان کے والد ماجد یہی ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبداللہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ عبداللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ علم غیب سے چند ایسے سوار ناگہاں نمودار ہوئے جو اس دنیا کے لوگوں سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتے تھے۔ ان سواروں نے آ کر یہودیوں کو مار بھگایا اور عبداللہ سے بے انتہا محبت و عقیدت پیدا ہو گئی اور گھر آ کر یہ عزم کر لیا کہ میں اپنی نور نظر ''آمنہ'' کی شادی عبداللہ ہی سے کروں گا۔ چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انہوں نے عبدالمطلب تک پہنچا دیا۔ خدا کی شان کہ عبدالمطلب اپنے نورِ نظر عبداللہ کے لئے جیسی دُلہن کی تلاش میں تھے۔ وہ ساری خوبیاں ''حضرت آمنہ'' بنت وہب میں موجود تھیں۔ عبدالمطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ چوبیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کا حضرت بی بی آمنہ سے نکاح ہو گیا اور نور محمد حضرت عبداللہ سے منتقل ہو کر حضرت بی بی آمنہ کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہو گیا اور جب حمل شریف کو دو مہینے

پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لئے مدینہ بھیجا یا تجارت کے لئے ملکِ شام روانہ کیا۔ وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننہال ''بنوعدی بن نجار'' میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں ''دارِ نابغہ'' میں مدفون ہوئے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 101 و مدارج جلد 2، ص 14)

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لئے اپنے سب سے بڑے لڑکے ''حارث'' کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ نے اپنے شوہر کا ایسا پُردرد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی! تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و حافظ ہوں۔ (مدارج النبوۃ جلد ص، ص ۱۴)

حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی ''ام ایمن'' جس کا نام ''برکہ'' تھا۔ کچھ اونٹ کچھ بکریاں تھیں۔ یہ سب ترکہ حضور سرور عالم ﷺ کو ملا۔ ام ایمن ''بچپن میں حضور اقدس ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ کھلاتیں کپڑا پہناتیں پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ تمام عمر ''ایم ایمن'' کی دل جوئی فرماتے رہے۔ اپنے محبوب و متبنیٰ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا اور ان کے شکم سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔'' (عامہ کتب سیر)

حضور ﷺ کے والدین کا ایمان

حضور اقدس ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مومن ہیں یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مومن نہیں مانتے اور بعض علماء نے توقف کیا اور فرمایا کہ ان دونوں کو مومن یا کافر کہنے سے زبان کو روکنا چاہئے اور اس کا علم خدا کے سپرد کر دینا چاہئے۔ مگر اہلسنت کے علماء محققین مثلاً امام جلال الدین سیوطی و علامہ ابن حجر ہیثمی و امام قرطبی و حافظ الشام ابن ناصرالدین و حافظ شمس الدین دمشقی و قاضی

ابوبکرابن العربی مالکی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی وصاحب لاکلیل مولانا عبدالحق مہاجر مدنی و غیر رحمۃ اللہ علیہم کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور ﷺ کے ماں باپ دونوں یقیناً بلاشبہ مومن ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ

> حضور ﷺ کے والدین کو مومن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متاخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور کے والدین بلکہ حضور کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب ''مومن'' ہیں۔

اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء متاخرین کے تین طریقے ہیں۔ اول یہ کہ حضور ﷺ کے والدین اور آباؤ اجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، لہٰذا ''مومن'' ہوئے۔ دوم یہ کہ یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ ''فترت'' کہلاتا ہے اور ان لوگوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ایمان پہنچی ہی نہیں۔ لہٰذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ان لوگوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر حضور علیہ السلام کی تصدیق کی۔

اور حضور کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ بذات خود ضعیف ہے مگر اس کی سندیں اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث ''صحیح'' اور ''حسن'' کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متاخرین پر منکشف فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کئے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد 1، ص 718)

اسی طرح خاتمۃ المفسرین حضرت شیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ: امام قرطبی نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ

السلام جب "حجۃ الوداع" میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے اور حجون کی گھاٹی پر گزرے تو رنج وغم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ پھر حضور اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو خوش خوش مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا بات ہے؟ کہ آپ رنج وغم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے اور واپس لوٹے تو شاداں وفرحاں مسکراتے ہوئے تشریف فرما ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا تھا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرمادے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمادیا اور وہ ایمان لائیں۔

اور "الاشتباہ والنظائر" میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرگیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ بجز رسول اللہ ﷺ کے والدین کے، کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمایا اور یہ دونوں ایمان لائے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے ماں باپ کی قبروں کے پاس روئے اور ایک خشک درخت زمین میں بودیا اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے، چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا۔ پھر حضور علیہ السلام کی دعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔

اور ان دونوں کا زندہ ہونا اور ایمان لانا نہ عقلاً محال ہے نہ شرعاً کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور ﷺ کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ حدیث حضور کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے۔ کیونکہ حضور کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہوا ہے۔ جو حضور کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے اور حضور کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے

ہی رہے تو ہوسکتا ہے کہ پہلے حضور کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطاء فرمایا تھا کہ آپ کے والدین مسلمان ہوں مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ کو سرفراز فرما دیا کہ آپ کے والدین کو صاحب ایمان بنا دیا اور قاضی امام ابوبکر ابن العربی مالکی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے آباؤ اجداد جہنم میں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ (احزاب)

ترجمہ: یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں ملعون کر دے گا۔

حافظ شمس الدین دمشقی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

حَبَا اللّٰهُ النَّبِيَّ مَزِيْدَ فَضْلٍ
عَلٰى فَضْلٍ وَكَانَ بِهٖ رَؤُفًا

اللہ تعالیٰ نے نبی کو فضل بالائے فضل سے بھی بڑھ کر فضیلت عطاء فرمائی اور اللہ تعالیٰ پر بہت مہربان ہے۔

فَاَحْيَا اُمَّهٗ وَكَذَا اَبَاهُ
لِاِيْمَانٍ بِهٖ فَضْلًا لَطِيْفًا

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضور کے ماں باپ کو حضور پر ایمان لانے کے لئے اپنے فضل لطیف سے زندہ فرما دیا۔

فَسَلِّمْ فَالْقَدِيْمُ بِهٖ قَدِيْرٌ
وَاِنْ كَانَ الْحَدِيْثُ بِهٖ ضَعِيْفًا

تو تم اس بات کو مان لو کیونکہ خداوند کریم اس بات پر قادر ہے اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (انتہی ملتقطا تفسیر روح البیان جلد 1، ص 217 تا 218)

صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا

کہ:

''علامہ ابن حجر ہیلشمی نے مشکوۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا، یہاں تک کہ دونوں ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے،'' یہ حدیث صحیح ہے اور جن جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے، کیونکہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد اور عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے والدین کا موت کے بعد اٹھ کر ایمان لانا۔ یہ ایمان کے لئے نافع ہے حالانکہ دوسروں کے لئے یہ ایمان مفید نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کے والدین کو نسبت رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لئے نہیں ہے اور حضور کی حدیث ''لیت شعری مافعل ابوای'' (کاش مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) کے بارے میں امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے وہ درمنشور میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف الاسناد ہے۔

(اکلیل علیٰ مدارک التنزیل جلد 2، ص 10)

بہرکیف مندرجہ بالا اقتباسات جو معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں ان کو پڑھ لینے کے بعد حضور اقدس ﷺ کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا تقاضا ہے کہ حضور کے والدین اور تمام آباؤ اجداد بلکہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ ادب و احترام کا التزام رکھا جائے۔ بجزان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے ابولہب اور اس کی بیوی ''حمالتہ الحطب'' باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے کیونکہ جن لوگوں کو حضور ﷺ سے نسبت قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی و گستاخی یقیناً حضور علیہ السلام کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا اور آپ قرآن کا فرمان پڑھ چکے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔

اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا

ایک محققانہ رسالہ بھی ہے جس کا نام ''شمول الاسلام لاباء الکرام'' ہے۔ جس میں آپ نے نہایت ہی مفصل و مدلل طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد موحد و مسلم ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

برکات نبوت کا ظہور

جس طرح سورج نکلنے سے پہلے ستاروں کی روپوشی، صبح صادق کی سفیدی شفق کی سرخی سورج نکلنے کی خوشخبری دینے لگتی ہیں۔ اسی طرح جب آفتاب رسالت کے طلوع کا زمانہ قریب آ گیا۔ تو اطراف عالم میں بہت سے ایسے عجیب عجیب واقعات اور خوارق عادات بطور علامات کے ظاہر ہونے لگے جو ساری کائنات کو جھنجھوڑ کر یہ بشارت دینے لگے کہ اب رسالت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے۔

چنانچہ اصحاب فیل کی ہلاکت کا واقعہ ناگہاں باران رحمت سے سرزمین عرب کا سرسبز و شاداب ہو جانا اور برسوں کی خشک سالی دفع ہو کر پورے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہو جانا۔ بتوں کا منہ کے بل گر جانا۔ فارس کے مجوسیوں کی ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی آگ کا ایک لحہ میں بجھ جانا۔ کسریٰ کے محل کا زلزلہ اور اس کے چودہ کنگروں کا منہدم ہو جانا۔ ''ہمدان'' اور قم کے درمیان چھ میل لمبے چھ میل چوڑے ''بحیرہ سادہ'' کا یکا یک بالکل خشک ہو جانا، شام اور کوفہ کے درمیان وادی ''سماوہ'' کی خشک ندی کا اچانک جاری ہو جانا۔ حضور ﷺ کی والدہ کے بدن سے ایک ایسے نور کا نکلنا جس سے ''بصریٰ'' کے محل روشن ہو گئے۔ یہ سب واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلی ہی ''مبشرات'' بن کر عالم کائنات کو یہ خوشخبری دینے لگے کہ

مبارک ہو وہ شہ پردے سے باہر آنے والا ہے
گدائی کو زمانہ جس کے در پر آنے والا ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل از اعلان نبوت جو خلافِ عادت اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات صادر ہوتے ہیں ان کو شریعت کی اصطلاح میں ''ارہاص'' کہتے ہیں اور اعلان نبوت کے بعد انہی کو ''معجزہ'' کہا جاتا ہے اس لئے مذکورہ بالا تمام واقعات ''ارہاص'' ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کرنے سے قبل ظاہر

ہوئے۔ جن کو ہم نے ''برکات نبوت'' کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات جو''ارہاص'' کہلاتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں چند کا ذکر ہو چکا ہے۔ چند دوسرے واقعات بھی پڑھ لیجئے۔

1. محدث ابونعیم نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس رات حضور ﷺ کا نور نبوت حضرت عبداللہ کی پشت اقدس سے حضرت آمنہ کے بطن مقدس میں منتقل ہوا۔ روئے زمین کے تمام چوپایوں خصوصاً قریش کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطاء فرمائی اور انہوں نے بزبان فصیح اعلان کیا کہ آج اللہ کا وہ مقدس رسول شکم مادر میں جلوہ گر ہو گیا جس کے سر پر تمام دنیا کی امامت کا تاج ہے اور جو سارے عالم کو روشن کرنے والا چراغ ہے مشرق کے جانوروں نے مغرب کے جانوروں کو بشارت دی۔ اسی طرح سمندروں اور دریاؤں کے جانوروں نے ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت ابو القاسم ﷺ کی ولادت باسعادت کا وقت قریب آ گیا۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 108)

2. خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی بدلی آئی جس میں روشنی کے ساتھ گھوڑوں کے ہنہنانے اور پرندوں کے اڑنے کی آواز تھی اور کچھ انسانوں کی بولیاں بھی سنائی دیتی تھیں۔ پھر ایک دم حضور میرے سامنے سے غائب ہو گئے اور میں نے سنا کہ ایک اعلان کرنے والا اعلان کر رہا ہے محمد ﷺ کو مشرق و مغرب میں گشت کراؤ اور ان کو سمندروں کی بھی سیر کراؤ تا کہ تمام کائنات کو ان کا نام، ان کی صفت معلوم ہو جائے اور ان کو تمام جاندار مخلوق یعنی جن و انس، ملائکہ اور چرندوں و پرندوں کے سامنے پیش کرو اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی صورت، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلعت۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی

فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ کی اطاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطاء کر کے ان کو تمام پیغمبروں کے کمالات اور اخلاقِ حسنہ سے مزین کر دو، اس کے بعد وہ بادل چھٹ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ریشم کے سبز کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور اس کپڑے سے پانی ٹپک رہا ہے اور کوئی منادی اعلان کر رہا ہے کہ واہ واہ کیا خوب محمد ﷺ کو تمام دنیا پر قبضہ دے دیا گیا اور کائنات عالم کی کوئی چیز باقی نہ رہی جو ان کے قبضہ اقتدار و غلبہء اطاعت میں نہ ہو، اب میں نے چہرۂ انور کو دیکھا تو چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور بدن سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آرہی تھی، پھر تین شخص نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تیسرے کے ہاتھ میں ایک چمک دار انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کو سات مرتبہ دھو کر اس نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی۔ پھر حضور ﷺ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اٹھایا اور ایک لمحہ کے بعد میرے سُپرد کر دیا۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 113 تا 115)

باب نمبر:2

بچپن

ولادت باسعادت:

حضور اقدس ﷺ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ مگر قول مشہور یہی ہے کہ واقعہ ''اصحابِ فیل'' سے پچپن دن کے بعد 12 ربیع الاول مطابق 20 اپریل 571ء ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔ اہل مکہ کا بھی اسی پر عملدرآمد ہے کہ وہ لوگ بارہویں ربیع الاول ہی کو کاشانہ نبوت کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور وہاں میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 14)

تاریخ عالم میں یہ وہ نرالا اور عظمت والا دن ہے کہ اسی روز عالم ہستی کے ایجاد کا باعث، گردش لیل ونہار کا مطلوب، خلقِ آدم کا رمز، کشتی نوح کی حفاظت کا راز، بانی کعبہ کی دعا، ابن مریم کی بشارت کا ظہور ہوا۔ کائنات وجود کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو سنوارنے والا، تمام جہان کے بگڑے نظاموں کو سدھارنے والا یعنی

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ماویٰ، ضعیفوں کا ملجا
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

سندالاصفیاء اشرف الانبیاء، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ عالمِ وجود میں رونق افروز ہوئے اور پاکیزہ بدن، ناف بریدہ، ختنہ کئے ہوئے خوشبو میں بسے ہوئے بحالتِ سجدہ، مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین میں اپنے والد ماجد کے مکان کے اندر پیدا ہوئے، باپ کہاں تھے جو بلائے جاتے اور اپنے نونہال کو دیکھ کر نہال ہوتے، وہ تو پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ دادا بلائے گئے جو اس وقت طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ یہ خوشخبری سن کر دادا ''عبدالمطلب'' خوش خوش حرم کعبہ سے اپنے گھر آئے اور والہانہ جوشِ محبت میں اپنے پوتے کو کلیجے سے لگا لیا۔ پھر کعبہ میں لے جا کر خیر و برکت کی دعا مانگی اور ''محمد'' نام رکھا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ''ثویبہ'' خوشی میں دوڑتی ہوئی گئی اور ''ابولہب'' کو

بھتیجا پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو اس نے اس خوشی میں شہادت کی انگلی کے اشارہ سے "ثویبہ" کو آزاد کر دیا۔ جس کا ثمرہ ابولہب کو یہ ملا کہ اس کی موت کے بعد اس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو اس نے اپنی انگلی اُٹھا کر یہ کہا کہ:

> "تم لوگوں سے جدا ہونے کے بعد مجھے کچھ (کھانے پینے) کو نہیں ملا بجز اس کے کہ "ثویبہ" کو آزاد کرنے کے سبب سے اس انگلی کے ذریعہ کچھ پانی پلا دیا جاتا ہوں"۔ (بخاری جلد 2، باب وامهاتکم التی ارضعنکم)

اس موقع پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ایک بہت ہی فکر انگیز اور بصیرت افروز بات تحریر فرمائی ہے جو اہل محبت کے لئے نہایت ہی لذت بخش ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> اس جگہ میلاد کرنے والوں کے لئے ایک سند ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی شب ولادت میں خوشی مناتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابولہب کو جو کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت پر خوشی منانے اور باندی کا دودھ خرچ کرنے پر جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا ہوگا آنحضرت ﷺ کی محبت میں سرشار ہو کر خوشی مناتا ہے اور اپنا مال خرچ کرتا ہے۔
> (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 19)

مولدالنبی:

جس مقدس مکان میں حضور اقدس ﷺ کی ولادت ہوئی۔ تاریخ اسلام میں اس مقام کا نام "مولد النبی" (نبی کی پیدائش کی جگہ) ہے۔ یہ بہت ہی متبرک مقام ہے۔ سلاطین اسلام نے اس مبارک یادگار پر بہت ہی شاندار عمارت بنا دی تھی۔ جہاں اہل حرمین شریفین اور تمام دنیا سے آنے والے مسلمان دن رات محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں تحریر فرمایا ہے کہ میں ایک مرتبہ اس

محفل میلاد شریف میں حاضر ہوا' جو مکہ مکرمہ میں بارہویں ربیع الاول کو''مولد النبی'' میں منعقد ہوئی تھی۔ جس وقت ولادت کا ذکر پڑھا جارہا تھا تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی اُس مجلس سے کچھ انوار بلند ہوئے۔ میں نے ان انوار پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ رحمت الٰہی اور ان فرشتوں کے انوار تھے جو ایسی محفلوں میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔

(فیوض الحرمین)

جب حجاز پر نجدی حکومت کا تسلط ہوا تو مقابر خبۃ المعلی وجنۃ البقیع کے گنبدوں کے ساتھ ساتھ نجدی حکومت نے اس مقدس یادگار کو بھی توڑ پھوڑ کر مسمار کر دیا اور برسوں یہ مبارک مقام ویران پڑا رہا۔ مگر میں جب جون 1959ء میں اس مرکز خیر و برکت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو میں نے اس جگہ ایک چھوٹی سی بلڈنگ دیکھی جو مقفل تھی۔ بعض عربوں نے بتایا کہ اب اس بلڈنگ میں ایک مختصر سی لائبریری اور ایک چھوٹا سا مکتب ہے۔ اب اس جگہ نہ میلاد شریف ہوسکتا ہے نہ صلوٰۃ سلام پڑھنے کی اجازت ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلڈنگ سے کچھ دور کھڑے ہو کر چپکے چپکے صلوٰۃ وسلام پڑھا اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ کچھ دیر تک روتا رہا۔

دُودھ پینے کا زمانہ:

سب سے پہلے حضور ﷺ نے ابولہب کی لونڈی ''حضرت ثویبہ'' کا دودھ نوش فرمایا پھر اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے دودھ سے سیراب ہوتے رہے پھر حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو اپنے ساتھ لے گئیں اور اپنے قبیلہ میں رکھ کر آپ کو دودھ پلاتی رہیں اور انہیں کے پاس آپ کے دودھ پینے کا زمانہ گزرا۔ (مدارج النبوۃ جلد 1، ص 18)

شرفاء عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے گردونواح دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے یہاں کی صاف ستھری آب و ہوا میں بچوں کی تندرستی اور جسمانی صحت بھی اچھی ہوجاتی تھی اور وہ خالص اور فصیح عربی زبان بھی سیکھ جاتے تھے۔ کیونکہ شہر کی زبان باہر کے آدمیوں کے میل جول سے خالص اور فصیح وبلیغ زبان نہیں رہا کرتی۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں ''بنی سعد'' کی عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی۔ اس سال عرب میں بہت سخت کال پڑا ہوا تھا۔ میری گود میں ایک بچہ تھا۔ مگر فقر و فاقہ کی وجہ سے میری چھاتیوں میں اتنا دودھ

نہ تھا جو اس کو کافی ہو سکے۔ رات بھر وہ بچہ بھوک سے تڑپتا اور روتا بلبلاتا رہتا تھا اور ہم اس کی دلجوئی اور دلداری کے لئے تمام رات بیٹھ کر گزارتے تھے۔ ایک اونٹنی بھی ہمارے پاس تھی۔ مگر اس کے دودھ نہ تھا۔ مکہ مکرمہ کے سفر میں جس خچر پر میں سوار تھی وہ بھی اس قدر لاغر تھا کہ قافلہ والوں کے ساتھ نہ چل سکتا تھا۔ میرے ہمراہی بھی اس سے تنگ آ چکے تھے۔ بڑی بڑی مشکلوں سے یہ سفر طے ہوا جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا تو جو عورت رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی اور یہ سنتی کہ یہ یتیم ہیں تو کوئی عورت آپ کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ بچے کے یتیم ہونے کے سبب سے زیادہ انعام واکرام ملنے کی اُمید نہیں تھی۔ ادھر حضرت حلیمہ سعدیہ کی قسمت کا ستارہ ثریا سے زیادہ بلند اور چاند سے زیادہ روشن تھا ان کے دودھ کی کمی ان کے لئے رحمت کی زیادتی کا باعث بن گئی۔ کیونکہ دودھ کم دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچہ دینا گوارا نہ کیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر ''حارث بن عبدالعزیٰ'' سے کہا کہ یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں خالی ہاتھ واپس جاؤں، اس سے تو بہتر یہی ہے کہ میں اس یتیم ہی کو لے چلوں، شوہر نے اس کو منظور کر لیا اور حضرت حلیمہ اس دریتیم کو لے کر آئیں جس سے صرف حضرت حلیمہ اور حضرت آمنہ ہی کے گھر میں نہیں بلکہ کائناتِ عالم کے مشرق ومغرب میں اُجالا ہونے والا تھا۔ یہ خداوند قدوس کا فضل عظیم ہی تھا کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی سوئی ہوئی قسمت بیدار ہوگئی اور سرورِ کائنات ان کی آغوش میں آگئے، اپنے خیمہ میں لا کر جب دودھ پلانے بیٹھیں تو بارانِ رحمت کی طرح برکاتِ نبوت کا ظہور شروع ہو گیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ حضرت حلیمہ کے مبارک پستان میں اس قدر دودھ اترا کہ رحمت عالم نے بھی اور ان کے رضائی بھائی نے بھی خوب شکم سیر ہو کر دودھ پیا اور دونوں آرام سے سو گئے، ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے تھے۔ حضرت حلیمہ کے شوہر نے اس کا دودھ دوہا اور میاں بیوی دونوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور شکم سیر ہو کر رات بھر سکھ اور چین کی نیند سوئے۔

حضرت حلیمہ کا شوہر حضور رحمتِ عالم کی یہ برکتیں دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ حلیمہ! تم بڑا ہی مبارک بچہ لائی ہو۔ حضرت حلیمہ نے کہا کہ واقعی مجھے بھی یہی امید ہے کہ نہایت ہی بابرکت بچہ ہے اور خدا کی رحمت بن کر ہم کو ملا ہے اور مجھے یہی توقع ہے کہ اب

ہمارا گھر خیر و برکت سے بھر جائے گا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم رحمت عالم کو اپنی گود میں لے کر مکہ مکرمہ سے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے تو میرا وہی خچر اب اس قدر تیز چلنے لگا کہ کسی کی سواری اس کی گرد کو نہیں پہنچتی تھی۔ قافلہ کی عورتیں حیران ہو کر مجھ سے کہنے لگیں کہ اے حلیمہ! کیا یہ وہی خچر ہے؟ جس پر تم سوار ہو کر آئی تھیں یا کوئی دوسرا تیز رفتار خچر تم نے خرید لیا ہے؟ الغرض ہم اپنے گھر پہنچے وہاں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ تمام جانوروں کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ اب روزانہ میری بکریاں جب چراگاہ سے گھر واپس آتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے حالانکہ پوری بستی میں اور کسی کو اپنے جانوروں کا ایک قطرہ دودھ نہیں ملتا تھا۔ میرے قبیلہ والوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم لوگ بھی اپنے جانوروں کو اسی جگہ چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ اسی چراگاہ میں اپنے مویشی چرانے لگے جہاں میری بکریاں چرتی تھیں، مگر یہاں تو چراگاہ اور جنگل کا کوئی عمل و دخل ہی نہیں تھا یہ تو رحمت عالم کے برکات نبوت کا فیض تھا۔ جس کو میں اور میرے شوہر کے سوا میری قوم کا کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔

الغرض اسی طرح ہر دم ہر قدم پر ہم برابر آپ کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ دو سال پورے ہو گئے اور میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ آپ کی تندرستی اور نشوونما کا حال دوسرے بچوں سے اتنا اچھا تھا کہ دو سال میں آپ خوب اچھے بڑے معلوم ہونے لگے۔ اب ہم دستور کے مطابق رحمت عالم کو ان کی والدہ کے پاس لائے اور انہوں نے حسب توفیق ہم کو انعام و اکرام سے نوازا۔

گو قاعدہ کے مطابق اب ہمیں رحمت عالم اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ مگر آپ کی برکات نبوت کی وجہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی ہم کو آپ کی جدائی گوارا نہیں تھی۔ عجیب اتفاق کہ اس سال مکہ معظّمہ میں وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی، چنانچہ ہم نے اس وبائی بیماری کا بہانہ کر کے حضرت بی بی آمنہ کو رضامند کر لیا اور پھر ہم رحمت عالم کو واپس اپنے گھر لائے اور پھر ہمارا مکان رحمتوں اور برکتوں کی کان بن گیا اور آپ ہمارے پاس نہایت خوش و خرم ہو کر رہنے لگے، گھر سے باہر نکلتے اور دوسرے لڑکوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے، مگر خود ہمیشہ ہر قسم کے کھیل کود سے علیحدہ رہتے۔

ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ اماں جان! میرے دوسرے بھائی بہن دن بھر نظر نہیں آتے، یہ لوگ ہمیشہ صبح کو اٹھ کر روزانہ کہاں چلے جاتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ لوگ بکریاں چرانے چلے جاتے ہیں یہ سن کر آپ نے فرمایا، مادر مہربان! آپ مجھے بھی میرے بھائی بہنوں کے ساتھ بھیجا کیجئے۔ چنانچہ آپ کے اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو حضرت حلیمہ نے اپنے بچوں کے ساتھ چراگاہ جانے کی اجازت دے دی اور آپ روزانہ جہاں حضرت حلیمہ کی بکریاں چرتی تھیں تشریف لے جاتے رہے اور بکریاں چراگاہوں میں لے جا کر ان کی دیکھ بھال کرنا جو تمام انبیاء رسولوں کی سنت ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے بچپن ہی میں اپنے ایک خصلت نبوت کا اظہار فرما دیا۔

شق صدر:

ایک دن آپ چراگاہ میں تھے کہ ایک دم حضرت حلیمہ کے ایک فرزند "ضمرہ" دوڑتے اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے گھر پر آئے اور اپنی والدہ حضرت بی بی حلیمہ سے کہا کہ اماں جان! بڑا غضب ہو گیا۔ محمد ﷺ کو تین آدمیوں نے جو بہت ہی سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ چت لٹا کر ان کا شکم پھاڑ ڈالا ہے اور میں اسی حال میں ان کو چھوڑ کر بھاگتا ہوا آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بدحواس ہو کر گھبرائے ہوئے دوڑ کر جنگل میں پہنچے تو یہ دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں مگر خوف و ہراس سے چہرہ زرد اور اداس ہے حضرت حلیمہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں پیار سے چمکار کر پوچھا کہ بیٹا! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین شخص جن کے کپڑے بہت ہی سفید اور صاف ستھرے تھے۔ میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی اور پھر کوئی چیز میرے شکم میں ڈال کر شگاف کو سی دیا لیکن مجھے ذرا برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (مدارج النبوۃ 2، ص 21)

یہ واقعہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بے حد گھبرائے اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ان کے اوپر شاید کچھ آسیب کا اثر ہے۔ لہٰذا بہت جلد تم ان کو ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں۔ کیونکہ انہیں اس واقعہ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اب ہم کما حقہ، ان کی حفاظت نہ کر سکیں۔ حضرت حلیمہ نے جب مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد

کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ حلیمہ! تم تو بڑی خواہش اور چاہ کے ساتھ میرے بچے کو اپنے گھر لے کر گئی تھیں۔ پھر اس قدر جلد واپس لے آنے کی وجہ کیا ہے جب حضرت حلیمہ نے شکم چاک کرنے کا واقعہ بیان کیا اور آسیب کا شبہ ظاہر کیا تو حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم میرے نورِ نظر پر ہرگز کبھی بھی کسی جن یا شیطان کا عمل و دخل نہیں ہوسکتا میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔ پھر ایامِ حمل اور وقت ولادت کے حیرت انگیز واقعات سنا کر حضرت حلیمہ کو مطمئن کر دیا اور حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر کے اپنے گاؤں میں واپس چلی آئیں اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے لگے۔

شق صدر کتنی بار ہوا؟:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے سورۃ ''الم نشرح'' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ چار مرتبہ آپ کا مقدس سینہ چاک کیا گیا اور اس میں نور و حکمت کا خزینہ بھر دیا گیا۔ پہلی مرتبہ جب آپ حضرت حلیمہ کے گھر تھے جس کا ذکر ہو چکا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضور ﷺ ان وسوسوں اور خیالات سے رہیں جن میں مبتلا ہو کر کھیل کود اور شرارتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دوسری باری دس برس کی عمر میں ہوا۔ تاکہ جوانی کی پر اشوب شہادتوں کے خطرات سے آپ بے خوف ہو جائیں۔ تیسری بار غارِ حرا میں شق صدر ہوا اور آپ کے قلب میں نورِ سکینہ بھر دیا گیا تاکہ آپ وحی الٰہی کے عظیم اور گراں بار بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ چوتھی مرتبہ شب معراج میں آپ کا مبارک سینہ چاک کر کے نورِ حکمت کے خزانوں سے معمور کیا گیا۔ تاکہ آپ کے قلب مبارک میں اتنی وسعت اور صلاحیت پیدا ہو جائے کہ آپ دیدارِ الٰہی کی تجلیوں اور کلامِ ربانی کی ہیبتوں اور عظمتوں کے متحمل ہو سکیں۔

ام ایمن:

جب حضور اقدس ﷺ حضرت حلیمہ کے گھر سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے تو حضرت ''ام ایمن'' جو آپ کی والدہ ماجدہ کی باندی تھی آپ کی خاطر داری اور خدمت گزاری میں دن رات جی جان سے مصروف رہنے لگیں۔ ام ایمن کا نام ''برکت'' ہے۔ یہ آپ کو آپ کے والد سے میراث میں ملی

تھیں۔ یہی آپ کو کھانا کھلاتی تھی۔ کپڑے پہناتی تھیں آپ کے کپڑے دھویا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ جن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم)

بچپن کی ادائیں:

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ کا گہوارہ یعنی جھولا فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا اور آپ بچپن میں چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے تو چاند آپ کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ جب آپ کی زبان کھلی تو سب سے اول جو کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔ **اللہ اکبر! اللہ اکبر الحمد للہ رب العالمین و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا** ۵ بچوں کی عادت کے مطابق کبھی بھی آپ نے کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ ایک معین وقت پر رفع حاجت فرماتے۔ اگر کبھی آپ کی شرمگاہ کھل جاتی تو آپ رو رو کر فریاد کرتے اور جب تک شرمگاہ نہ چھپ جاتی آپ کو چین اور قرار نہیں آتا تھا اور اگر شرمگاہ چھپانے میں مجھ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ کی شرمگاہ چھپا دیتا۔ جب آپ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوئے تو باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے مگر خود کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ لڑکے آپ کو کھیلنے کے لئے بلاتے تو آپ فرماتے کہ میں کھیلنے کیلئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 21)

حضرت آمنہ کی وفات:

حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف جب چھ برس کی ہو گئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے نانیہال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئیں حضور ﷺ کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ وہاں سے واپسی پر ''ابواء'' نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہو گئی اور وہ وہیں مدفون ہوئیں۔ والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ دُرِ یتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے داوا عبدالمطلب کے سپرد کیا اور داوا نے آپ کو اپنے آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کیا اور حضرت ام ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہوگئی۔ تو آپ کے داوا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کے پاس:

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور حضور ﷺ کی نیک خصلتوں اور دل لبھا دینے والی بچپن کی پیاری پیاری اداؤں نے ابو طالب کو آپ کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ مکان کے اندر اور باہر ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھتے۔ اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے۔ اپنے پاس ہی آپ کا بستر بچھاتے اور ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔
ابو طالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ کسی وقت بھی کوئی جھوٹ بولے ہوں یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو یا بے ہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لئے گئے ہوں یا کبھی کوئی خلاف تہذیب بات کی ہو۔ ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار، نرم گفتار بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے پارسا اور پرہیزگار رہے۔

آپ کی دعا سے بارش:

ایک مرتبہ ملک عرب میں انتہائی خوفناک قحط پڑ گیا۔ اہل مکہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر ایک حسین و جمیل بوڑھے نے مکہ والوں سے کہا اے اہل مکہ! ہمارے اندر ابو طالب موجود ہیں۔ جو بانیء کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس چل کر دعا کی درخواست کرنی چاہئے۔ چنانچہ سرداران عرب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابو طالب! قحط کی آگ نے سارے عرب کو جھلسا کر رکھ دیا ہے۔ جانور گھاس پانی کے لئے ترس رہے ہیں اور انسان دانہ پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں۔ قافلوں کی آمدورفت بند ہو چکی ہے اور ہر طرف بربادی و

ویرانی کا دور دورہ ہے۔آپ بارش کے لئے دعا کیجئے۔اہل عرب کی فریاد سن کر ابو طالب کا دل بھر آیا اور حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں گئے اور حضور ﷺ کو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے۔درمیان دعا میں حضور ﷺ نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا۔ایک دم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں اور فوراً ہی اس زور کا باران رحمت برسا کہ عرب کی زمین سیراب ہو گئی۔جنگلوں اور میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔چٹیل میدان کی زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔قحط دفع ہو گیا اور کال کٹ گیا اور سارا عرب خوش حال اور نہال ہو گیا۔

چنانچہ ابو طالب نے اپنے اس طویل قصیدہ میں جس کو انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی مدح میں نظم کیا ہے اس واقعہ کو ایک شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ؎

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی اَلْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَ رامِلِ

یعنی وہ (حضور ﷺ) ایسے گورے رنگ والے ہیں کہ ان کے رخ انور کے ذریعے بدلی سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کے نگہبان ہیں۔

(زرقانی علی المواہب 1،ص 190)

امی لقب:

حضور اقدس ﷺ کا لقب ''امی'' ہے اس لفظ کے دو معنی ہیں یا تو یہ ''ام القریٰ'' کی طرف نسبت ہے ''ام القریٰ'' مکہ مکرمہ کا لقب ہے۔لہٰذا امی کے معنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے یا ''امی'' کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے دنیا میں کسی انسان سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ یہ حضور اقدس کا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی آپ کو نہیں پڑھایا لکھایا۔مگر خداوند قدوس نے آپ کو اس قدر علم عطاء فرمایا کہ آپ کا سینہ اولین و آخرین کے علوم و معارف کا خزینہ بن گیا اور آپ پر ایسی کتاب نازل ہوئی جس کی شان تبیانا لکل شیء (ہر چیز کا روشن بیان) ہے۔حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا

نگار من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت

بغمزہ سبق آموز صد مدرس شد

یعنی میرے محبوب ﷺ نہ کبھی مکتب میں گئے۔ نہ لکھنا سیکھا مگر اپنے چشم و ابرو کے اشارے سے سینکڑوں مدرسوں کو سبق پڑھا دیا۔

ظاہر ہے کہ جس کا استاد اور تعلیم دینے والا خلاق عالم جل جلالہٗ ہو بھلا اس کو کسی اور استاد سے تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہو گی؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ

ایسا امی کس لئے منت کش استاد ہو؟
کیا کفایت اس کو اقراء ربک الاکرام نہیں

آپ کے امی لقب ہونے کا حقیقی راز کیا ہے؟ اس کو تو خداوند علام الغیوب کے سوا اور کون بتا سکتا ہے؟ لیکن بظاہر اس میں چند حکمتیں اور فوائد معلوم ہوتے ہیں۔

اول: یہ کہ تمام دنیا کو علم و حکمت سکھانے والے حضور اقدس ﷺ ہوں اور آپ کا استاد صرف خداوند عالم ہی ہو۔ کوئی انسان آپ کا استاد نہ ہو تا کہ کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر تو میرا پڑھایا ہوا شاگرد ہے۔

دوم: یہ کہ کوئی شخص کبھی یہ خیال نہ کر سکے کہ فلاں آدمی حضور ﷺ کا استاد تھا تو شاید وہ حضور ﷺ سے زیادہ علم والا ہو گا۔

سوم: حضور ﷺ کے بارے میں کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ حضور ﷺ چونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لئے انہوں نے خود ہی قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بنا کر پیش کیا ہے اور قرآن انہی کا بنایا ہوا کلام ہے۔

چہارم: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں تو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پہلی اور پرانی کتابوں کو دیکھ کر اس قسم کی انمول اور انقلاب آفریں تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

پنجم: اگر حضور ﷺ کا کوئی استاد ہوتا تو آپ کو اس کی تعظیم کرنی پڑتی۔ حالانکہ حضور ﷺ کو خالق کائنات نے اس لئے پیدا فرمایا تھا کہ سارا عالم آپ کی تعظیم کرے ۔ اس لئے حضرت حق جل شانہٗ نے اس کو گوارہ نہیں فرمایا کہ میرا محبوب کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرے اور کوئی اس کا استاد ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سفر شام و بُحیریٰ:

جب حضور ﷺ کی عمر شریف بارہ برس کی ہوئی تو اس وقت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا۔ ابو طالب کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لئے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے اعلان نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے اور ایک بار یمن تشریف لے گئے۔ یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے۔ اس سفر کے دوران ''بصریٰ'' میں ''بحیریٰ'' راحب (عیسائی سادھو) کے پاس آپ کا قیام ہوا۔ اس نے تورات و انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزمان کی نشانیوں سے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بہت عقیدت اور احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی اور ابو طالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العلمین کے رسول ہیں جن کو خدا نے رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ابر ان پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لئے تمہارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جاؤ۔ کیونکہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ بحیریٰ راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا اور بہت جلد حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ بحیریٰ راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔ (ترمذی ج 2، باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی ﷺ)



باب نمبر:3

اعلان نبوت سے پہلے کے کارنامے

جنگ فجار:

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا۔ انہی لڑائیوں میں سے ایک مشہور لڑائی ''جنگ فجار'' کے نام سے مشہور ہے۔ عرب کے لوگ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے ان چار مہینوں کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک عام طور پر ان مہینوں میں لوگ تلواروں کو نیام میں رکھ دیتے اور تیروں کی برچھیاں اتار لیتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اگر کبھی کچھ ہنگامی حالات درپیش ہو گئے کہ مجبوراً ان مہینوں میں بھی لڑائیاں کرنی پڑیں۔ تو ان لڑائیوں کو اہل عرب ''حروب فجار'' (گناہ کی لڑائیاں) کہتے تھے۔ سب سے آخری جنگ فجار جو قریش اور ''قیس'' کے قبیلوں کے درمیان ہوئی اس وقت حضور ﷺ کی عمر شریف بیس برس کی تھی۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے۔ اس لئے ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ آپ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی۔ مگر کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا۔ صرف اتنا ہی کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ اس لڑائی میں پہلے ''قیس'' پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام ج 2، ص 186)

حلف الفضول:

روز روز کی لڑائیوں سے عرب کے سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے تھے۔ ہر طرف بدامنی اور آئے دن کی لوٹ مار سے ملک کا امن و امان غارت ہو چکا تھا۔ کوئی شخص اپنی

جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ نہ دن کو چین، نہ رات کو آرام، اس وحشت ناک صورت حال سے تنگ آ کر کچھ لوگوں نے جنگ فجار کے خاتمہ کے بعد ایک اصلاحی تحریک چلائی۔ چنانچہ بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو اسد وغیرہ قبائل قریش کے بڑے بڑے سرداران عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور حضور ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو سدھارنے کے لئے کوئی معاہدہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ خاندان قریش کے سرداروں نے ''بقائے باہم'' کے اصول پر ''جیو اور جینے دو'' کے قسم کا ایک معاہدہ کیا اور حلف اٹھا کر عہد کیا کہ ہم لوگ۔

1. ملک سے بے امنی دور کریں گے۔
2. مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
3. غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
4. مظلوم کی حمایت کریں گے۔
5. کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

اس معاہدہ میں حضور اقدس ﷺ بھی شریک ہوئے اور آپ کو یہ معاہدہ اس قدر عزیز تھا کہ اعلان نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے میں کوئی مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یا ''آل حلف الفضول'' کہہ کر مجھے مدد کے لئے پکارے تو میں اس کی مدد کیلئے تیار ہوں۔

اس تاریخی معاہدہ کو ''حلف الفضول'' اس لئے کہتے ہیں کہ قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ جرہم کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا اور چونکہ قبیلہء جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے۔ ان سب لوگوں کا نام ''فضل'' تھا۔ یعنی فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اس لئے اس معاہدہ کا نام ''حلف الفضول'' رکھ دیا گیا۔ یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام ''فضل'' تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج 1، ص 134)

ملک شام کا دوسرا سفر:

جب آپ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی امانت وصداقت کا

چرچا دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک بہت ہی مالدار خاتون تھیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی مل جائے تو اس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال وسامان ملک شام بھیجیں۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب نے اس کام کے لئے حضور ﷺ کو منتخب کیا اور کہلا بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ آپ کی امانت و دیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور تجارت کا مال وسامان لے کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک معتمد غلام ''میسرہ'' کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا تاکہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے۔ جب آپ ملک شام کے مشہور شہر ''بصریٰ'' کے بازار میں پہنچے تو وہاں ''نسطورائی'' راہب کی خانقاہ کے قریب میں ٹھہرے۔ ''نسطورائی'' میسرہ کو بہت پہلے سے جانتا پہچانتا تھا۔ حضور ﷺ کی صورت دیکھتے ہی ''نسطوراہ'' میسرہ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ اے میسرہ! یہ کون شخص ہیں جو اس درخت کے نیچے اتر پڑے ہیں۔ میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ ہیں ان کا نام نامی ''محمد'' اور لقب ''امین'' ہے۔ نسطوراء نے کہا کہ سوائے نبی کے آج تک اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں اترا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ ''نبی آخرالزماں'' یہی ہیں۔ کیونکہ آخری نبی کی تمام نشانیاں جو میں نے توراۃ و انجیل میں پڑھی ہیں وہ سب میں ان میں دیکھ رہا ہوں۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے تو میں ان کی بھرپور مدد کرتا اور پوری جاں نثاری کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر گزار دیتا۔ اے میسرہ! میں تم کو نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ خبردار! ایک لمحہ کے لئے بھی ان سے جدا نہ ہونا اور انتہائی خلوص و عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''خاتم النبیین'' ہونے کا شرف عطاء فرمایا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے بازار میں بہت جلد تجارت کا مال فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آگئے۔ واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بالاخانے پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ جب

ان کی نظر حضور ﷺ پر پڑی تو انہیں ایسا نظر آیا کہ دو فرشتے آپ کے سر پر دھوپ سے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا اور وہ فرط عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں۔ پھر اپنے غلام میسرہ سے انہوں نے کئی دن کے بعد اس کا ذکر کیا تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا ہوں اور اس کے علاوہ میں نے بہت سی عجیب وغریب باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میسرہ نے نسطورہ راہب کی گفتگو اور اس کی عقیدت ومحبت کا تذکرہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کہ آپ سے بے پناہ قلبی تعلق اور بے حد عقیدت ومحبت ہوگئی اور یہاں تک ان کا دل جھک گیا کہ انہیں آپ سے نکاح کی رغبت ہوگئی۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 27)

نکاح:

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا مال و دولت کے ساتھ انتہائی شریف اور عفت مآب خاتون تھیں۔ اہل مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی وجہ سے ان کو طاہرہ (پاکباز) کہا کرتے تھے۔ ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی۔ پہلے ان کا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا تھا اور ان سے دو لڑکے ''ہند بن ابو ہالہ'' اور ''ہالہ بن ابو ہالہ'' پیدا ہو چکے تھے۔ پھر ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا نکاح ''عتیق بن عائذ مخزومی'' سے کیا۔ ان سے بھی دو اولاد ہوئی۔ ایک لڑکا ''عبداللہ بن عتیق'' اور ایک لڑکی ''ہند بنت عتیق''۔ حضرت خدیجہ کے دوسرے شوہر عتیق کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے سرداران قریش ان کے ساتھ عقد نکاح کے خواہش مند تھے۔ لیکن انہوں نے سب پیغاموں کو ٹھکرا دیا۔ حضور اقدس ﷺ کے پیغمبرانہ اخلاق و عادات کو دیکھ کر اور آپ کے حیرت انگیز حالات کو سن کر یہاں تک ان کا دل آپ کی طرف مائل ہو گیا کہ خود بخود ان کے قلب میں آپ سے نکاح کی رغبت پیدا ہوگئی۔ کہاں تو بڑے بڑے مالداروں اور شہر مکہ کے سرداروں کے پیغاموں کو رد کر چکی تھیں اور یہ طے کر چکی تھیں کہ اب چالیس برس کی عمر میں تیسرا نکاح نہیں کروں گی اور کہاں خود ہی حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ کو بلایا۔ جو ان کے بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں۔ ان سے حضور ﷺ کے کچھ ذاتی حالات کے بارے میں مزید معلومات

حاصل کیں۔ پھر "نفیسہ" بنت امیہ کے ذریعے خود ہی حضور ﷺ کا نکاح کا پیغام بھیجا۔ مشہور امام سیرت محمد بن سیرت محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس رشتہ کو پسند کرنے کی جو وجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود حضور ﷺ سے بیان کی ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔ اِنِّی قَدْ رَغِبْتُ فِیْکَ لِحُسْنِ خُلُقِکَ وَصِدْقِ حَدِیْثِکَ۔ یعنی میں نے آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ کو پسند کیا۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 200)

حضور ﷺ نے اس رشتہ کو اپنے چچا ابو طالب اور خاندان کے دوسرے بڑے بوڑھوں کے سامنے پیش فرمایا۔ بھلا حضرت خدیجہ جیسی پاک دامن شریف، عقلمند اور مالدار عورت سے شادی کرنے کو کون نہ کہتا؟ سارے خاندان والوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کر لیا اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی اور حضور ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد اور شرفاء بنی ہاشم اور سرداران مضر کو اپنی بارات میں لے کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور نکاح ہوا۔ اس نکاح کے وقت ابو طالب نے نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ سے بہت اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کے خاندانی بڑے بوڑھوں کا آپ کے متعلق کیسا خیال تھا اور آپ کے اخلاق و عادات نے ان لوگوں پر کیسا اثر ڈالا تھا۔ ابو طالب کے اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

> تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنایا اور ہم کو مَعَد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا اور اپنے گھر (کعبہ کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا اور ہم کو علم و حکمت والا گھر اور امن والا حرم عطاء فرمایا اور ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا)۔

یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے جس شخص کا بھی اس کے ساتھ موازنہ کیا جائے یہ اس سے ہر شان میں بڑھتا ہوا ہی رہے گا۔ ہاں مال اس کے پاس کم ہے۔ لیکن مال تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور ادل بدل ہونے والی

چیز ہے۔ اَمَّا بعد میرا بھتیجا محمد ﷺ وہ شخص ہے جس کے ساتھ میری قرابت اور قربت و محبت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے اور اس کا مستقبل بہت ہی تابناک، عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 201)

جب ابو طالب اپنا یہ ولولہ انگیز خطبہ ختم کر چکے تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے بھی کھڑے ہو کر ایک شاندار خطبہ پڑھا۔ جس کا مضمون یہ ہے۔

خدا ہی کے لئے حمد ہے جس نے ہم کو ایسا ہی بنایا۔ جیسا کہ اے ابو طالب! آپ نے ذکر کیا اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں فرمائی ہیں جن کو آپ نے شمار کیا۔ بلاشبہ ہم لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ لوگ بھی تمام فضائل کے اہل ہیں کوئی قبیلہ آپ لوگوں کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتا اور کوئی شخص آپ لوگوں کے فخر و شرف کو رد نہیں کر سکتا اور بے شک ہم لوگوں نے نہایت ہی رغبت کے ساتھ آپ لوگوں کے ساتھ ملنے اور رشتہ میں شامل ہونے کو پسند کیا۔ لہٰذا اے قریش! تم گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو میں نے محمد بن عبداللہ ﷺ کی زوجیت میں دیا چار سو مثقال مہر کے بدلے غرض حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح ہو گیا اور حضور محبوب خدا ﷺ کا خانہ معیشت ازدواجی زندگی کے ساتھ آباد ہو گیا۔ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً 25 برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہیں اور ان کی زندگی میں حضور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور حضور کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کے سوا باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ جن کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت حضور کے قدموں پر قربان کر دی اور تمام عمر حضور ﷺ کی غمگساری اور خدمت میں نثار کر دی۔ جن کی تفصیل اگلے صفحات میں تحریر کی جائے گی۔

کعبہ کی تعمیر:

آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کی بدولت خداوند عالم نے آپ کو اس قدر مقبول خلائق بنا دیا اور عقل سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطاء فرما دیا کہ کم عمری

میں آپ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا لاجواب فیصلہ فرما دیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا اور سب نے بالاتفاق آپ کو اپنا حاکم اور سردار اعظم تسلیم کرلیا۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ کی عمر پینتیس 35 برس کی ہوئی تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم انقلاب آ گیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہو گئی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا بنایا ہوا کعبہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عمالقہ، قبیلہ جرہم اور قصی وغیرہ اپنے وقتوں میں اس کعبہ کی تعمیر و مرمت کرتے رہے تھے۔ مگر چونکہ عمارت نشیب میں تھی۔ اس لئے پہاڑوں سے برساتی پانی کے بہاؤ کا زوردار دھارا وادی مکہ میں ہو کر گزرتا تھا اور اکثر حرم کعبہ میں سیلاب آ جاتا تھا۔ کعبہ کی حفاظت کے بالائی حصہ میں قریش نے کئی بند بھی بنائے تھے مگر وہ بند بار بار ٹوٹ جاتے تھے۔ اس لئے قریش نے یہ طے کیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے۔ جس کا دروازہ بلند اور چھت بھی ہو چنانچہ قریش نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ اس تعمیر میں حضور ﷺ بھی شریک ہوئے اور سرداران قریش کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ مختلف قبیلوں نے تعمیر کے لئے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے۔ جب عمارت ''حجر اسود'' تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم ہی ''حجر اسود'' کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں تا کہ ہمارے قبیلہ کے لئے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے۔ اس کشمکش میں چار دن گزر گئے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگا دی اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لئے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لئے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اس کو پنچ مان لیا جائے وہ جو فیصلہ کر دے سب اس کو تسلیم کر لیں۔ چنانچہ سب نے یہ بات مان لی خدا کی شان کہ صبح کو جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم ﷺ ہی تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ ''امین'' ہیں۔ لہٰذا ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

آپ نے اس جھگڑے کا اس طرح تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا۔ پھر حضور ﷺ نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور ﷺ نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خونریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنا خون خرابہ ہوتا۔ (سیرت ابن ہشام ج 1، ص 196 تا 197)

خانہ کعبہ کی عمارت بن گئی۔ لیکن تعمیر کے لئے جو سامان جمع کیا گیا تھا وہ کم پڑ گیا۔ اس لئے ایک طرف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ کر نئی بنیاد قائم کر کے چھوٹا سا کعبہ بنا لیا گیا۔ کعبہ معظّمہ کا یہی حصہ جس کو قریش نے عمارت سے باہر چھوڑ دیا۔ ''حطیم'' کہلاتا ہے۔ جن میں کعبہ معظّمہ کی چھت کا پرنالہ گرتا ہے۔

کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ مکہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''خانہ کعبہ'' دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

1. سب سے پہلے فرشتوں نے ٹھیک ''بیت المعمور'' کے سامنے زمین پر خانہ کعبہ کو بنایا۔
2. پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔
3. اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے فرزندوں نے اس عمارت کو بنایا۔
4. اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔
5. قوم عمالقہ کی عمارت۔
6. اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی عمارت بنائی۔
7. قریش کے مورثِ اعلیٰ ''قصی بن کلاب'' کی تعمیر۔
8. قریش کی تعمیر جس میں خود حضور ﷺ نے بھی شرکت فرمائی اور قریش کے ساتھ خود بھی اپنے دوش مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔

9. حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور ﷺ کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق تعمیر کیا۔ یعنی حطیم کی زمین کو کعبہ میں داخل کر دیا اور دروازہ سطح زمین کے برابر نیچا رکھا اور ایک دروازہ مشرق کی جانب اور ایک دروازہ مغرب کی سمت بنا دیا۔
10. عبدالملک بن مردان اموی کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا دیا اور پھر زمانہ جاہلیت کے نقشہ کے مطابق کعبہ بنا دیا۔ جو آج تک موجود ہے۔

لیکن علامہ حلبی علیہ الرحمہ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر جدید صرف تین ہی مرتبہ ہوئی۔

1. حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر۔
2. زمانہ جاہلیت میں قریش کی عمارت اور ان دونوں تعمیروں میں دو ہزار سات سو پینتیس ((2735 برس کا فاصلہ ہے۔
3. حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر جو قریش کی تعمیر کے بیاسی سال بعد ہوئی۔

حضرت ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تعمیرات کے بارے میں علامہ حلبی نے فرمایا کہ یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہی نہیں ہے۔ باقی تعمیروں کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ عمارت میں معمولی ترمیم، یا ٹوٹ پھوٹ کف مرمت تھی۔ تعمیر جدید نہیں تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (حاشیہ بخاری ج 1، ص 215 باب فضل مکہ)

مخصوص احباب:

اعلان نبوت سے قبل جو لوگ حضور ﷺ کے مخصوص احباب و رفقاء تھے۔ وہ سب سے زیادہ مقرب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ جو برسوں آپ کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے اور تجارت نیز دوسرے کاروباری معاملات میں ہمیشہ آپ کے شریک کار و راز دار رہے۔ اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی حضرت حکیم بن خرام رضی اللہ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے اور جن کا ایک خصوصی شرف یہ ہے کہ ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی۔ یہ بھی حضور ﷺ کے مخصوص احباب میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا

پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد یہ اپنے گاؤں سے مکہ آئے تو کفار قریش کی زبانی یہ پراپیگنڈہ سنا کہ محمد ﷺ مجنون ہو گئے ہیں۔ پھر یہ دیکھا کہ حضور ﷺ راستہ میں تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے لڑکوں کا ایک غول ہے جو شور مچا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو کچھ شعبہ پیدا ہوا اور پرانی دوستی کی بنا پر ان کو انتہائی رنج و قلق ہوا۔ چنانچہ یہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ میں طبیب ہوں اور جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد چند جملے ارشاد فرمائے۔ جن کا حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ فوراً ہی مشرف با اسلام ہو گئے۔ (مشکوٰۃ باب علامات نبوۃ ص 225، و مسلم ج 1، ص 285 کتاب الجمعہ)

حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ تجارت کے کاروبار میں آپ کے شریک کار رہا کرتے تھے اور آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کا معاملہ اپنے تجارتی شرکاء کے ساتھ ہمیشہ نہایت ہی صاف ستھرا رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا پیش نہیں آتا تھا۔ (استیعاب ج 2، ص 537)

موجدین عرب سے تعلقات:

عرب میں اگرچہ ہر طرف شرک پھیل گیا تھا اور گھر گھر میں بت پرستی کا چرچا تھا۔ مگر اس ماحول میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو توحید کے پرستار اور شرک و بت پرستی سے بیزار تھے۔ انہی خوش نصیبوں میں زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔ یہ اعلی الاعلان شرک و بت پرستی سے انکار اور جاہلیت کی مشرکانہ رسموں سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ یہ حضرت عمر کے چچا زاد بھائی ہیں۔ شرک و بت پرستی کے خلاف اعلان مذمت کی بنا پر ان کا چچا ''خطاب بن نفیل'' ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو مکہ سے شہر بدر کر دیا تھا اور ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا۔ مگر یہ ہزاروں ایذاؤں کے باوجود عقیدہ توحید پر پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کے دو شعر بہت مشہور ہیں جن کو یہ مشرکین کے میلوں اور مجمعوں میں با آواز بلند سنایا کرتے تھے ؂

اَرَبًا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ   اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ
تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا   کَذَالِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

یعنی کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں یا ایک ہزار رب کی؟ جب کہ لوگوں کے دینی معاملات تقسیم ہو چکے ہیں۔ میں نے تولات وعزی کو چھوڑ دیا ہے اور ہر بصیرت والا ایسا ہی کرے گا۔ (سیرت ابن ہشام ج 226)

یہ مشرکین کے دین سے متنفر ہو کر دین برحق کی تلاش میں شام چلے گئے تھے۔ وہاں ایک یہودی عالم سے ملے۔ پھر ایک نصرانی پادری سے ملاقات کی اور جب آپ نے یہودی ونصرانی دین کو قبول کر لیا تو ان دونوں نے ''دین حنیف'' کی طرف آپ کی رہنمائی کی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین تھا اور ان دونوں نے یہ بھی بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی اور وہ ایک خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ سن کر زید بن عمرو بن نفیل ملک شام سے مکہ واپس آ گئے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر مکہ میں با آواز بلند یہ کہا کرتے تھے کہ اے لوگو! گواہ رہو کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔ (سیرت ابن ہشام ج 1، ص 225)

اعلان نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے ساتھ زید بن عمرو بن نفیل کا بڑا خاص تعلق تھا اور کبھی کبھی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک مرتبہ وحی نازل ہونے سے پہلے حضور ﷺ کی مقام ''بلدح'' کی ترائی میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے دستر خوان پر کھانا پیش کیا۔ جب حضور ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا تو زید بن عمرو بن نفیل کہنے لگے کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا۔ میں صرف وہی ذبیحہ کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر قریش کے ذبیحوں کی برائی بیان کرنے لگے اور قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے گھاس اُگائی۔ پھر اے قریش! تم بکری کو اللہ کے غیر (بتوں) کے نام پر ذبح کرتے ہو؟

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے کہتے تھے کہ اے جماعت قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہے۔
(بخاری جلد 1، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل ص 540)

کاروباری مشاغل:

حضور اقدس ﷺ کا اصل خاندانی پیشہ تجارت تھا اور چونکہ آپ بچپن ہی میں ابو طالب کے ساتھ کئی تجارتی سفر فرما چکے تھے۔ جس سے آپ کو تجارتی لین دین کا کافی تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اس لئے ذریعہ معاش کے لئے آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا اور تجارت کی غرض سے شام بصریٰ اور یمن کا سفر فرمایا اور ایسی راستبازی اور امانت و دیانت کے ساتھ آپ نے تجارتی کاروبار کیا کہ آپ کے شرکاء کار اور تمام اہلِ بازار آپ کو ''امین'' کے لقب سے پکارنے لگے۔

ایک کامیاب تاجر کے لئے امانت، سچائی، وعدہ کی پابندی، خوش اخلاقی تجارت کی جان ہیں۔ ان کی خصوصیات میں مکہ کے تاجر امین نے جو تاریخی شاہکار پیش کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں نادر روزگار ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے آپ سے کچھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ کچھ رقم میں نے ادا کی، کچھ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی ابھی آکر باقی رقم بھی ادا کروں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا۔ تیسرے دن جب میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ تو حضور ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ مگر میری اس وعدہ خلافی سے حضور ﷺ کے ماتھے پر اک ذرہ بل نہیں آیا۔ بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابو داؤد ج 2، ص 334 باب فی العدۃ، مجتبائی)

اسی طرح ایک صحابی حضرت سائب رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے ان سے حضور ﷺ کے ''خلق عظیم'' کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ کو تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہو۔ اعلان نبوت سے پہلے آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن حضور ﷺ نے ہمیشہ معاملہ اتنا صاف اور ستھرا رکھا کہ کبھی بھی کوئی تکرار یا تو تو میں میں کی نوبت نہیں آئی۔

(سنن ابو داؤد ج 2، ص 317 باب کراہیۃ المراد، مجتبائی)

غیر معمولی کردار:

حضور اقدس ﷺ کا زمانہ طفولیت ختم ہوا اور جوانی کا زمانہ آیا تو بچپن کی طرح

آپ کی جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی۔ آپ کا شباب مجسم حیاء اور چال چلن عصمت و وقار کا کامل نمونہ تھا۔ اعلان نبوت سے قبل حضور ﷺ کی تمام زندگی بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی۔ سچائی، دیانتداری، وفاداری، عہد کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں سے محبت، رحم و سخاوت، قوم کی خدمت، دوستوں سے ہمدردی، عزیزوں کی غمخواری، غریبوں اور مفلسوں کی خبر گیری، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ، مخلوق خدا کی خیر خواہی۔ غرض تمام نیک خصلتوں اور اچھی اچھی باتوں میں آپ اتنی بلند منزل پر پہنچے ہوئے تھے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے انسانوں کیلئے وہاں تک رسائی تو کیا؟ اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

کم بولنا، فضول باتوں سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ دوستوں اور دشمنوں سے ملنا۔ ہر معاملہ میں سادگی اور صفائی کے ساتھ بات کرنا۔ حضور ﷺ کا خاص شیوہ تھا۔ حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب خوری، بدکاری، ناچ گانا، لوٹ مار، چوری، فحش گوئی، عشق بازی، یہ تمام بُری عادتیں اور مذموم خصلتیں جو زمانہ جاہلیت میں گویا ہر بچے کے خمیر میں ہوتی تھیں حضور ﷺ کی ذات گرامی ان تمام عیوب و نقائص سے پاک صاف رہی۔ آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کا پورے عرب میں شہرہ تھا اور مکہ کے ہر چھوٹے بڑے کے دل میں آپ کے برگزیدہ اخلاق کا اعتبار اور سب کی نظروں میں آپ کا ایک خاص وقار تھا۔

بچپن سے تقریباً چالیس برس کی عمر شریف ہو گئی۔ لیکن زمانہ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسومات اور جاہلانہ اطوار سے ہمیشہ آپ کا دامن عصمت پاک ہی رہا۔ مکہ شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ آپ کے خاندان والے ہی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔

غرض نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ کی مقدس زندگی اخلاص حسنہ اور محاسنہ افعال کا مجسمہ اور تمام عیوب و نقائص سے پاک و صاف رہی۔ چنانچہ اعلان نبوت کے بعد آپ کے دشمنوں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی ادنیٰ سا عیب یا ذرا سی خلاف تہذیب کوئی بات آپ کی زندگی میں کسی دور میں بھی مل جائے تو اس کو اچھال کر

آپ کے وقار پر حملہ کر کے لوگوں کی نگاہوں میں آپ کو ذلیل و خوار کر دیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں دشمن سوچتے تھک گئے لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے وہ آپ پر انگشت نمائی کر سکیں۔ لہٰذا ہر انسان اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ کا کردار انسانیت کا ایک ایسا محیر العقول اور غیر معمولی کردار ہے۔ جو نبی کے سوا کسی دوسرے کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سعید روحیں آپ کا کلمہ پڑھ کر تن من دھن کے ساتھ اس طرح آپ پر قربان ہونے لگیں کہ ان کی جان نثاریوں کو دیکھ کر شمع کے پروانوں نے جاں نثاری کا سبق سیکھا اور حقیقت شناس لوگ فرط عقیدت سے آپ کے حسن صداقت پر اپنی عقلوں کو قربان کر کے آپ کے بتائے ہوئے اسلامی راستہ پر عاشقانہ اداؤں کے ساتھ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ ؎

چلو وادیٔ عشق میں پا برہنہ!
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے



باب نمبر:4

اعلانِ نبوت سے بیعتِ عُقبہ تک

جب حضور انور ﷺ کی مقدس زندگی کا چالیسواں سال شروع ہوا تو ناگہاں آپ کی ذات اقدس میں ایک نیا انقلاب رونما ہوگیا کہ ایک دم آپ خلوت پسند ہو گئے اور اکیلے تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہو گیا۔ آپ اکثر اوقات غور و فکر میں پائے جاتے تھے اور آپ کا بیشتر وقت مناظر قدرت کے مشاہدہ اور کائنات فطرت کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دن رات خالق کائنات کی ذات و صفات کے تصور میں مستغرق اور اپنی قوم کے بگڑے ہوئے حالات کے سدھارنے اور اس کی تدبیروں کے سوچ بچار میں مصروف رہنے لگے اور ان دنوں میں ایک نئی بات یہ بھی ہوگئی کہ حضور ﷺ کو اچھے اچھے خواب نظر آنے لگے اور آپ کا ہر خواب اتنا سچا ہوتا کہ خواب میں جو کچھ دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جایا کرتی تھی۔ (بخاری ج 1،ص 2)

غارِحرا:

مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر ''جبل حراء'' نامی پہاڑ کے اوپر ایک غار (کھوہ) ہے۔ جس کو غارِ حرا کہتے ہیں۔ آپ اکثر کئی کئی دنوں کا کھانا پانی ساتھ لے کر اس غار کے پرسکون ماحول کے اندر خدا کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ جب کھانا پانی ختم ہو جاتا تو کبھی خود گھر پر آکر لے جاتے اور کبھی حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کھانا پانی غار میں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ آج بھی یہ نورانی غار اپنی اصلی حالت میں موجود اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

پہلی وحی:

ایک دن آپ ''غارِ حرا'' کے اندر عبادت میں مشغول تھے کہ بالکل اچانک غار میں آپ کے پاس ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ (یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو ہمیشہ خدا کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچاتے رہے ہیں) فرشتے نے ایک دم کہا کہ ''پڑھیے'' آپ نے فرمایا کہ میں ''پڑھنے والا'' نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو پکڑا اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ آپ سے زوردار معانقہ کیا پھر چھوڑ کر کہا کہ ''پڑھیے'' آپ نے پھر فرمایا کہ ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں''۔ فرشتہ نے دوسری مرتبہ پھر آپ کو اپنے سینے سے چمٹایا اور چھوڑ کر کہا کہ ''پڑھیے'' آپ نے پھر وہی فرمایا کہ ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں'' تیسری مرتبہ پھر فرشتے نے آپ کو بہت زور کے ساتھ اپنے سینے سے لگا کر چھوڑا اور کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝ یہی سب سے پہلے وحی تھی جو آپ پر نازل ہوئی۔ ان آیتوں کو یاد کر کے حضور اقدس ﷺ اپنے گھر تشریف لائے۔ مگر اس واقعہ سے جو بالکل ناگہانی طور پر آپ کو پیش آیا اس سے آپ کے قلب مبارک پر لرزہ طاری تھا۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے کملی اڑھاؤ۔ مجھے کملی اڑھاؤ۔ جب آپ کا خوف دور ہوا اور کچھ سکون ہوا تو آپ نے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غار میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ ''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے'' یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو رشتہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہیں۔ دوسروں کا بار خود اٹھاتے ہیں۔ خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کو عطاء فرماتے ہیں۔ مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق و انصاف کی خاطر سب کی مصیبتوں اور مشکلات میں کام آتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ''ورقہ بن نوفل'' کے پاس لے گئیں۔ ورقہ ان لوگوں میں سے تھے جو ''موحد'' تھے اور اہل مکہ کے شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر ''نصرانی'' ہو گئے تھے اور انجیل کا عبرانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ بھائی جان آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا

کہ بتائیے۔ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ حضور ﷺ نے غار حرا کا پورا واقعہ بیان فرمایا۔ یہ سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ پھر ورقہ بن نوفل کہنے لگے کہ کاش! میں آپ کے اعلان نبوت کے زمانے میں تندرست جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے باہر نکالے گی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے (تعجب سے) فرمایا کہ کیا مکہ والے مجھے مکہ سے نکال دیں گے تو ورقہ نے کہا کہ جی ہاں۔ جو شخص بھی آپ کی طرح نبوت لے کر آیا۔ لوگ اس کے ساتھ دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی اترنے کا سلسلہ بند ہو گیا اور حضور ﷺ وحی کے انتظار میں مضطرب اور بے قرار رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضور ﷺ کہیں گھر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی نے ''محمد'' کہہ کر پکارا۔ آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ وہی فرشتہ (حضرت جبریل علیہ السلام) جو غار میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یہ منظر دیکھ کر آپ کے قلب مبارک میں ایک خوف کی کیفیت پیدا ہو گئی اور آپ مکان پر آ کر لیٹ گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ چنانچہ آپ کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ ناگہاں آپ پر سورہ ''مدثر'' کی ابتدائی آیات نازل ہوئی اور رب تعالیٰ کا فرمان اتر پڑا کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ یعنی اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دور ہو۔ (بخاری ج 1، ص 3)

ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ کو خداوند قدوس نے دعوت اسلام کے منصب پر مامور فرما دیا گیا اور آپ خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعوت حق اور تبلیغ اسلام کیلئے کمر بستہ ہو گئے۔

دعوت اسلام کے لئے تین دور

پہلا دور:

تین برس تک حضور اقدس ﷺ انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے اور اس درمیان میں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی جلد ہی دامن اسلام میں آ گئے۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت ابوسلمہ، عبداللہ بن عبدالاسد، حضرت ارقم بن ارقم، حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابوذر غفاری و حضرت صہیب رومی، حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن رضی اللہ عنہم نے بھی اسلام قبول کر لیا اور حضور کی چچی حضرت ام فضل حضرت بن عبدالمطلب کی بیوی اور حضرت اسماء بنت ابوبکر بھی مسلمان ہو گئیں۔

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کر لیا۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 246)

واضح رہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے جو "سابقین اولین" کے لقب سے سرفراز ہیں۔ ان خوش نصیبوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلے دامن اسلام میں آنے والے وہی لوگ ہیں جو فطرتاً نیک طبع اور پہلے ہی سے دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ چنانچہ نبی برحق کے دامن میں دین حق کی تجلی دیکھتے ہی یہ نیک بخت لوگ پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

دوسرا دور:

تین برس کی اس خفیہ دعوت اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر سورۂ "شعرای" کی آیت وَاَنْذِرْ

عَشِیْرَتَکَ الاَقْرَبِیْنَo نازل فرمائی اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب! آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرایئے تو حضور ﷺ نے ایک دن کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر "یامعشر قریش" کہہ کر قبیلہ قریش کو پکارا۔ جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کر لو گے؟ تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں۔ ہاں۔ ہم یقیناً آپ کی بات کا یقین کر لیں گے۔ کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا' سخت ناراض ہو کر سب کے سب چلے گئے اور حضور کی شان میں اول فول بکنے لگے۔

(بخاری ج 2، ص 702 و عامہ تفاسیر)

تیسرا دور:

اب وہ وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورہ حجر کی آیت "فَاصْدَعْ بِمَاتُؤْمَرْ"۔ نازل فرمائی اور حضرت حق جل شانہ، نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان فرمایئے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے اور تمام قریش، بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور حضور ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمت عالم پر ظلم و ستم:

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور ﷺ کو قتل تو نہیں کر سکے۔ لیکن طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے آپ پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور ﷺ کے کاہن ساحر، شاعر، مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زور دار پراپیگنڈہ کرنے لگے۔ آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا۔ جو راستوں میں آپ پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے اور یہ دیوانہ ہے دیوانہ ہے کا شور مچا مچا کر آپ کے اوپر پتھر پھینکتے۔ کبھی کفار مکہ آپ کے راستوں

میں کانٹے بچھاتے، کبھی آپ کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگدل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دفع کیا اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ ''میرا رب اللہ ہے'' اس دھکم دھکا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی کھائی۔

(زرقانی ج 1، ص 252، بخاری ج 1، ص 544)

کفار آپ کے معجزات اور روحانی تاثیرات و تصرفات کو دیکھ کر آپ کو سب سے بڑا جادوگر کہتے۔ جب حضور ﷺ قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو یہ کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے (جبریل) اور قرآن کو نازل فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) کو اور آپ کو گالیاں دیتے اور گلی کوچوں میں پہرا بٹھا دیتے کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شوروغل مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضور ﷺ جب کہیں کسی عام مجمع میں یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سناتے۔ یا دعوت ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہتا جاتا تھا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے۔ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ تم لوگ اس کی کوئی بات نہ سنو۔ (معاذ اللہ)

ایک مرتبہ حضور ﷺ ''ذوالمجاز'' کے بازار میں دعوت اسلام کا وعظ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمۂ حق کی دعوت دی تو ابوجہل آپ پر دھول اڑاتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔ (مسند امام احمد ج 4 وغیرہ)

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ حضور ﷺ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عین حالت نماز ابوجہل نے کہا کہ کوئی ہے؟ جو آل فلاں کے ذبح کئے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں ان کے کندھوں پر رکھ دے۔ یہ سن کر عقبہ بن معیط کافر اٹھا اور

اس اوجھڑی کو لا کر حضور ﷺ کے دوش مبارک پر رکھ دیا۔ حضور ﷺ سجدہ میں تھے۔ دیر تک اوجڑھی کندھے اور گردن پر پڑی رہی اور کفار ٹھٹھا مار مار کر ہنستے رہے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گر گر پڑتے رہے۔ آخر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہ جو ان دنوں ابھی کمسن لڑکی تھی آئیں اور ان کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اس اوجھڑی کو آپ کے دوش مبارک سے ہٹا دیا۔ حضور ﷺ کے قلب مبارک پر کفار قریش کی اس شرارت سے انتہائی صدمہ گزرا اور نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ ''اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ'' یعنی اے اللہ! تو قریش کو اپنی گرفت میں پکڑ لے پھر ابو جہل عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن ولید کا نام لے کر دعا مانگی کہ الٰہی! تو ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے ان سب کافروں کو جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان سب کفار کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان گڑھے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ (بخاری ج 1، ص 74 باب المراۃ تطرح الخ)

چند شریر کفار:

جو کفار مکہ حضور ﷺ کی دشمنی اور ایذا رسانی میں بہت زیادہ سرگرم تھے۔ ان میں سے چند شریروں کے نام یہ ہیں۔

(1) ابولہب ((2 ابو جہل ((3 اسود بن عبد یغوث ((4 حارث بن قیس بن عدی ((5 ولید بن مغیرہ ((6 امیہ بن خلف ((7 ابی بن خلف ((8 ابوقیس بن فاکہہ ((9 عاص بن وائل ((10 نضر بن حارث ((11 منبہ بن الحجاج ((12 زہیر بن ابی امیہ ((13 سائب بن صیفی ((14 عدی بن حمرا ((15 اسود بن عبدالاسد ((16 عاص بن سعید بن العاص ((17 عاص بن ہاشم ((18 عقبہ بن ابی معیط ((19 حکم بن ابی العاص۔ یہ سب کے سب حضور رحمت ﷺ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے اکثر بہت ہی مالدار اور صاحبِ اقتدار تھے اور دن رات سرورِ کائنات ﷺ کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسلمانوں پر مظالم:

حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی۔ یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو دم زدن میں قتل کر ڈالتے۔ مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا۔ کیونکہ کفار اس بات پر اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستاؤ کہ وہ اسلام چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں۔ اس لئے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے۔ مگر خدا کی قسم! شراب توحید کے ان مستوں نے اپنے استقلال و استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حیرت کے ساتھ ان بلا کشان اسلام کے جذبہ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں۔ سنگدل، بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب و بے کس مسلمانوں پر جبر و کراہ اور ظلم وستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مگر ایک مسلمان کے پائے استقامت میں بھی ذرہ برابر تزلزل نہیں پیدا ہوا اور ایک مسلمان کا بچہ بھی اسلام سے منہ پھیر کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

کفار مکہ نے ان غرباء مسلمین پر جورو جفا کاری کے لئے پناہ اندوہناک مظالم ڈھائے اور ایسے ایسے روح فرسا اور جان سوز عذابوں میں مبتلا کیا کہ اگر ان مسلمانوں کی جگہ پہاڑ بھی ہوتا تو شاید ڈگمگانے لگتا۔ صحرائے عرب کی تیز دھوپ میں جب کہ وہاں کی ریت کے ذرات تنور کی طرح گرم ہو جاتے۔ ان مسلمانوں کی پشت کو کوڑوں کی مار سے زخمی کر کے اس جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹاتے اور سینوں پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ وہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ لوہے کو آگ میں گرم کر کے اس سے ان مسلمانوں کے جسموں کو داغتے۔ پانی میں اس قدر ڈبکیاں دیتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا۔ چٹائیوں میں ان مسلمانوں کو لپیٹ کر ان کی ناکوں میں دھواں دیتے جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔ حضرت خباب بن الارث رضی اللہ عنہ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب حضور ﷺ حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ قریش نے ان کو بے حد ستایا۔ یہاں تک کہ کوئلے کے انگاروں پر ان کو چت لٹایا اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی اور رطوبت سے

کوئلے بجھ گئے۔ برسوں کے بعد حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضرت امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا تو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ پوری پیٹھ پر سفید سفید داغ دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔ (طبقات ابن سعد ج 3، تذکرہ خباب)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو امیہ بن خلف کافر کے غلام تھے۔ ان کی گردن میں رسی باندھ کر کوچہ و بازار میں ان کو گھسیٹا جاتا تھا۔ ان کی پیٹھ پر لاٹھیاں برسائی جاتی تھیں اور ٹھیک دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا تھا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ امیہ کافر کہتا تھا کہ اسلام سے باز آجاؤ۔ ورنہ اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے۔ مگر اس حال میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا۔ بلکہ زور زور سے ''احد، احد'' کا نعرہ لگاتے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔

(سیرت ابن ہشام ج 1، ص 317 تا ص 318)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو گرم گرم بالو پر چت لٹا کر کفار قریش اس قدر مارتے تھے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ان کی والدہ حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ عنہا کو اسلام لانے کی بنا پر ابوجہل نے ان کی ناف کے نیچے ایسا نیزہ مارا کہ یہ شہید ہو گئیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی کفار کی مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ اس قدر طرح طرح کی اذیت دیتے ایسی ایسی مار دھاڑ کرتے کہ یہ گھنٹوں بے ہوش رہتے۔ جب یہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے کہا کہ تم اپنا سارا مال و سامان یہاں چھوڑ کر مدینہ جاسکتے ہو۔ آپ خوشی خوشی دنیا کی دولت پر لات مار کر اپنی متاع ایمان کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کافر کے غلام تھے اور بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا پتا چلا تو اس نے ان کے گلے میں رسی کا پھندہ ڈال کر ان کو گھسیٹا اور گرم جلتی ہوئی زمین پر ان کو چت لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا۔ جب ان کو کفار گھسیٹ کر لے جارہے تھے راستے میں

اتفاق سے ایک گبریلا نظر آیا۔ امیہ کافر نے طعنہ مارتے ہوئے کہا کہ ''دیکھو تیرا خدا یہی تو نہیں ہے''۔ حضرت ابوفقیہہ نے فرمایا کہ ''اے کافر کے بچے! خاموش میرا اور تیرا خدا اللہ ہے''۔ یہ سن کر امیہ کافر غضب ناک ہو گیا اور اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ ان کا دم نکل گیا۔

اسی طرح حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس قدر مارا جاتا تھا کہ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی درد مند ہو جاتی تھی۔

حضرت بی بی لبینہ رضی اللہ عنہ جو لونڈی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کفر کی حالت میں تھے۔ اس غریب لونڈی کو اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ مگر حضرت لبینہ رضی اللہ عنہا اف نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ کہتی تھیں کہ اے عمر! اگر تم خدا کے سچے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے تو خدا تم سے ضرور انتقام لے گا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی باندی تھی۔ یہ مسلمان ہو گئیں۔ تو اس کو اس قدر کافروں نے مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں مگر خداوند تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطاء فرما دی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ محمد ﷺ کے جادو کا اثر ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 270)

اسی طرح حضرت بی بی ''نہدیہ'' اور حضرت بی بی ام عبیس رضی اللہ عنہا بھی باندیاں تھیں۔ اسلام لانے کے بعد کفار مکہ نے ان دونوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بے پناہ اذیتیں دیں۔ مگر یہ اللہ والیاں صبر و شکر کے ساتھ ان بڑی بڑی مصیبتوں کو جھیلتی رہیں۔ مگر اسلام سے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

حضرت یار غار مصطفیٰ ابوبکر صدیق باصفا رضی اللہ عنہ نے کس کس طرح اسلام پر اپنی دولت نثار کی؟ اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ نے ان غریب و بے بس مسلمانوں میں اکثر کی جان بچائی۔ آپ نے حضرت بلال و عامر بن فہیرہ و ابوفقیہہ و لبینیہ و زنیرہ و نہدیہ و ام عبیس رضی اللہ عنہم ان تمام غلاموں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدا اور سب کو آزاد کر دیا اور ان مظلوموں کو کافروں کی ایذاؤں سے بچا لیا۔ (زرقانی علی المواہب و سیرت ابن ہشام ج 1، ص 391)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب دامن اسلام میں آئے تو مکہ میں ایک مسافر کی حیثیت سے کئی دن تک حرم کعبہ میں رہے۔ یہ روزانہ زور زور سے چلا چلا کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور روزانہ کفار قریش ان کو اس قدر مارتے تھے کہ یہ لہو لہان ہو جاتے تھے اور ان دنوں میں آب زم زم کے سوا ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا۔ (بخاری ج 1، ص 544 باب اسلام ابی ذر)

واضح رہے کہ کفار مکہ کا یہ سلوک صرف غریبوں اور غلاموں ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ اسلام لانے کے جرم میں بڑے بڑے مالداروں اور رئیسوں کو بھی ان ظالموں نے نہیں بخشا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو شہر مکہ کے ایک متمول اور ممتاز معززین میں سے تھے۔ مگر ان کو بھی حرم کعبہ میں کفار قریش نے اس قدر مارا کہ ان کا سر خون سے لت پت ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو نہایت مالدار اور صاحب اقتدار تھے۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو غیروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے ان کو رسیوں سے جکڑ کر خوب خوب مارا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے۔ مگر انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے کتنے جاہ و اعزاز والے رئیس تھے مگر جب ان کے اسلام کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو ان کو رسی میں باندھ کر مارا اور ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن حضرت بی بی فاطمہ بنت الخطاب کو بھی اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کے آویزے گر پڑے اور چہرے پر خون بہہ نکلا۔

کفار کا وفد بارگاہ رسالت میں:

ایک مرتبہ سرداران قریش حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے یہ سوچنے لگے کہ آخر اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کرنے کے باوجود محمد ﷺ اپنی تبلیغ کیوں نہیں بند کرتے؟ آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے یہ عزت و جاہ، یا سرداری کے خواہاں ہوں۔ چنانچہ سبھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ تم کسی طرح ان کا دلی مقصد معلوم کرو۔ چنانچہ عتبہ تنہائی میں آپ سے ملا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ آخر اس دعوت اسلام سے آپ کا

مقصد کیا ہے کیا آپ مکہ کی سرداری چاہتے ہیں؟ یا عزت و دولت کے خواہاں ہیں؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کے خواہش مند ہیں؟ آپ کے دل میں جو تمنا ہو کھلے دل کے ساتھ کہہ دیجئے میں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ اگر آپ دعوت اسلام سے باز آجائیں۔ تو پورا مکہ آپ کے زیر فرمان ہوگا اور آپ کی ہر خواہش اور تمنا پوری کر دی جائے گی۔ عتبہ کی یہ ساحرانہ تقریر سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے جواب میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ جن کو سن کر عتبہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال خوف ذوالجلال سے لرزنے اور کانپنے لگا اور حضور ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں آپ کو رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ بس کیجئے۔ میرا دل اس کلام کی عظمت سے پھٹا رہا ہے۔ عتبہ ایک بڑا ہی ساحرالبیان خطیب اور انتہائی فصیح و بلیغ آدمی تھا۔ اس نے واپس لوٹ کر سرداران قریش سے کہہ دیا کہ محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ جادو ہے نہ کہانت نہ شاعری بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے لہٰذا میری رائے ہے کہ تم لوگ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر سارے عرب پر غالب ہو گئے تو اس میں ہم قریشیوں ہی کی عزت بڑھے گی۔ ورنہ سارا عرب ان کو خود ہی فنا کر دے گا۔ مگر قریش کے سرکش کافروں نے عتبہ کا یہ مخلصانہ اور مدبرانہ مشورہ نہیں مانا۔ بلکہ اپنی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 258 و سیرت ابن ہشام ج 1، ص 294)

قریش کا وفد ابو طالب کے پاس:

کفار قریش میں کچھ لوگ صلح پسند بھی تھے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعے صلح و صفائی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ چنانچہ قریش کے چند معزز رؤسا ابو طالب کے پاس آئے اور حضور ﷺ کی دعوت اسلام اور بت پرستی کے خلاف تقریروں کی شکایت کی۔ ابو طالب نے نہایت نرمی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن حضور ﷺ خدا کے فرمان "فاصدع بما توء مر" کی تعمیل کرتے ہوئے علی الاعلان شرک و بت پرستی کی مذمت اور دعوت توحید کا وعظ فرماتے ہی رہے۔ اس لئے قریش کا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔ چنانچہ تمام سرداران قریش یعنی عتبہ و شیبہ، و ابوسفیان و عاص بن ہشام و ابو جہل و ولید بن مغیرہ و عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ سب ایک ساتھ مل کر ابو

طالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لئے یا تو آپ درمیان میں سے ہٹ جائیں اور اپنے بھتیجا کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر آپ بھی کھل کر ان کے ساتھ میدان میں نکل پڑیں۔ تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابو طالب نے قریش کا تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب قریش برداشت نہیں کر سکتے اور میں اکیلا تمام قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے اپنے بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو اور بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ اب تک قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا مگر آج قریش کے سرداروں کا لب ولہجہ اور ان کا تیور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اب مجھ کو اور تم پر تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے دعوت اسلام موقوف کر دو۔ اب تک حضور ﷺ کے ظاہری معین و مددگار جو کچھ بھی تھے وہ صرف اکیلے ابو طالب ہی تھے۔ حضور ﷺ نے دیکھا کہ اب ان کے قدم بھی اکھڑ رہے ہیں چچا کی گفتگو سن کر حضور اکرم ﷺ نے بھرائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم۔ اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دیں۔ تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آؤں گا یا تو خدا اس کام کو پورا فرمائے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ کی یہ جذباتی تقریر سن کر ابو طالب کا دل پسیج گیا اور وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی ہاشمی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ بھتیجے کی محبت میں گرم ہو کر کھولنے لگا اور انتہائی جوش میں آ کر کہہ دیا کہ جان عم! جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

(سیرت ابن ہشام ج 1، ص 266 وغیرہ)

ھجرت حبشہ 5ھ نبوی

کفار مکہ نے جب اپنے ظلم وستم سے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو حضور رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو "حبشہ" جا کر پناہ لینے کا حکم دیا۔

نجاشی:

''حبشہ کا بادشاہ جس کا نام ''اصحمہ'' اور لقب نجاشی تھا۔ عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحم دل تھا اور تورات و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا''۔

اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان مہاجرین کرام کے مقدس نام حسب ذیل ہیں۔

1. حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو حضور ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔
2. حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔
3. حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔
4. حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔
5. حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
6. حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔
7. حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔
8. حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔
9. حضرت ابوسبرہ بن ابی رحم یا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہما۔
10. حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ۔
11. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 270)

کفار مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتہ چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے اس کے لئے کفار ناکام واپس لوٹے۔ یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین پر اتر کر امن و امان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد ناگہاں یہ خبر پھیل گئی کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے۔ یہ خبر سن کر چند لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے۔ مگر یہاں آکر پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں

روپوش ہو کر رہنے لگے۔ لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور ﷺ نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل تراسی ((83 مرد اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 287)

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں:

تمام مہاجرین نہایت امن و سکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ فرزندان توحید کہیں امن و چین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ ''عمرو بن العاص'' اور ''عمارہ بن ولید'' کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفوں کا نذرانہ پیش کیا اور بادشاہ کو سجدہ کر کے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ! ہمارے ان مجرموں کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کیلئے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ درباریوں نے ٹوکا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول ﷺ نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 288)

اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ

> ''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ شرک و بت پرستی کرتے تھے۔ لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ جس کے حسب ونسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ اس رسول نے ہمیں شرک و بت پرستی سے روک دیا اور

صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم و ستم اور تمام برائیوں اور بدکاریوں سے ہمیں منع کیا۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک بت پرستی چھوڑ کر تمام بُرے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پُرامن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں واپس لوٹ جائیں''۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر پھینک دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو آپ کے عقیدہ کے بالکل ہی خلاف ہے۔ یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی۔ کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول ﷺ نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جو کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ کے خداوند کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔ نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کو سنا اور یہ کہا کہ بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے دو نور ہیں اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد ﷺ خدا کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستور سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا تو میں خود مکہ جا کر رسول اکرم ﷺ کی جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کے قدم دھوتا۔ بادشاہ کی تقریر سن کر اس کے درباری جو کٹر قسم کے عیسائی تھے۔ ناراض و برہم ہو گئے۔ مگر نجاشی بادشاہ نے جوش ایمانی میں سب کو ڈانٹ پھٹکار کر خاموش کر دیا اور کفار مکہ کے تحفوں کو واپس لوٹا کر عمرو

بن العاص اور عمارہ بن ولید کو دربار سے نکلوا دیا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری سلطنت میں جہاں چاہو امن وسکون کے ساتھ آرام وچین کی زندگی بسر کرو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (زرقانی ج 1، ص 288)

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال پر حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حالانکہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا اور وہ حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے۔ مگر حضور ﷺ نے غائبانہ ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مگر جب آپ مقام ''برک الغماد'' میں پہنچے۔ تو قبیلہ قارہ کا سردار ''مالک بن دغنہ'' راستے میں ملا اور دریافت کیا کہ کیوں؟ اے ابوبکر! کہاں چلے؟ آپ نے اہل مکہ کے مظالم کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب میں اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین پر پھرتا رہوں گا اور خدا کی عبادت کرتا رہوں گا۔ ابن دغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! آپ جیسا آدمی نہ شہر سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے۔ آپ دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں۔ مہمانان حرم کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کی مالی امداد کرتے ہیں۔ حق کے کاموں میں سب کی امداد اعانت کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ مکہ واپس چلئے میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ ابن دغنہ آپ کو زبردستی مکہ واپس لایا اور تمام کفار مکہ سے کہہ دیا کہ میں نے ابوبکر کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ لہٰذا خبردار! کوئی ان کو نہ ستائے۔ کفار مکہ نے کہا کہ ہمیں اس شرط پر منظور ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں تاکہ ہماری عورتوں اور بچوں کے کان میں قرآن کی آواز نہ پہنچے۔ ابن دغنہ نے کفار کی شرط کو منظور کر لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چند دنوں تک اپنے گھر کے اندر قرآن پڑھتے رہے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جذبۂ اسلامی اور جوش ایمانی نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ معبودانِ باطل لات وعزیٰ کی عبادت تو علی الاعلان ہو اور معبود برحق اللہ تعالیٰ کی عبادت گھر کے اندر چھپ کر کی جائے۔ چنانچہ آپ نے گھر کے باہر اپنے صحن میں ایک مسجد بنالی اور اس مسجد میں علی الاعلان نمازوں

میں بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے اور کفار مکہ کی عورتیں اور بچے بھیڑ لگا کر قرآن سننے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار مکہ نے ابن دغنہ کو مکہ بلایا اور شکایت کی کہ ابوبکر گھر کے باہر قرآن پڑھتے ہیں۔ جس کو سننے کے لئے ان کے گرد ہماری عورتوں اور بچوں کا میلہ لگ جاتا ہے۔ اس سے ہم کو بڑی تکلیف ہوتی ہے لہٰذا تم ان سے کہہ دو کہ یا تو وہ گھر میں قرآن پڑھیں ورنہ تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ۔ چنانچہ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوبکر! آپ گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں۔ ورنہ میں اپنی پناہ سے کنارہ کش ہو جاؤں گا اس کے بعد کفار مکہ آپ کو ستائیں گے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن دغنہ! تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے الگ ہو جاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے اور میں اس کی مرضی پر راضی برضا ہوں۔

(بخاری ج 1، ص 307 باب جوار ابی بکر الصدیق)

حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے:

اعلان نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دو ایسی ہستیاں اسلام میں آ گئیں۔ جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ و جلال اور ان کے عزت و اقبال کا پرچم بہت ہی سربلند ہو گیا۔ حضور ﷺ کے چچاؤں میں حضرت حمزہ کو آپ سے بڑی والہانہ محبت تھی اور وہ صرف دو تین سال حضور ﷺ سے عمر میں زیادہ تھے اور چونکہ انہوں نے بھی حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے اور شکار کے بہت ہی شوقین تھے۔ روزانہ صبح سویرے تیر کمان لے کر گھر سے نکل جاتے اور شام کو شکار سے واپس لوٹ کر حرم میں جاتے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے امور قریش کے سرداروں کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول شکار سے واپس لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی اور خود ان کی بہن حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ آج ابوجہل نے کس کس طرح تمہارے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کی ہے۔ یہ ماجرا سن کر مارے غصہ کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا خون کھولنے لگا۔ ایک دم تیر کمان لئے ہوئے مسجد حرام میں پہنچ گئے اور اپنی کمان سے ابو

جہل کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟ تجھے خبر نہیں کہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔ یہ دیکھ کر قبیلہ ء بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابوجہل نے یہ سوچ کر کہ کہیں بنو ہاشم سے جنگ نہ چھڑ جائے۔ یہ کہا کہ اے بنی مخزوم ! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجئے۔ واقعی آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی خراب خراب قسم کی گالیاں دی تھیں۔

(مدارج النبوۃ ج 2،ص 44 و زرقانی ج 1 ص 456)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو جانے کے بعد زور زور سے ان اشعار کو پڑھنا شروع کر دیا ؎

حَمِدَتُّ اللّٰہَ حِیْنَ ھَدٰی فُؤَادِیْ
اِلیَ الْاِسْلَامِ وَالدِّیْنِ الْحَنِیْفِ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس وقت کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین حنیف کی طرف ہدایت دی۔

اِذَا تُلِیَتْ رَسَائِلُہٗ عَلَیْنَا
تَحَدَّ رَدَ مْعُ ذِی اللُّبِ الْحَصِیْفِ

جب احکام اسلام کی ہمارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو باکمال عقل والوں کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

وَاَحْمَدُ مُصْطَفیً فِیْنَا مُطَاعٌ
فَلَا تَغْشَوْہُ بِالْقَوْلِ الْعَنِیْفِ

اور خدا کے برگزیدہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقتدی ہیں تو (اے کافرو) اپنی باطل بکواس سے ان پر غلبہ مت حاصل کرو۔

فَلَا وَاللّٰہِ نُسْلِمُہٗ لِقَوْمٍ!
وَلَمَّا نَقْضِ فِیْھِمْ بَا لسُّیُوْفِ

تو خدا کی قسم ہم انہیں قوم کفار کے سپرد نہیں کریں گے۔ حالانکہ ابھی تک ہم نے ان کافروں کے ساتھ تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ (زرقانی ج 1،ص 256)

حضرت عمر کا اسلام:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد تیسرے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے واقعات میں بہت سی روایات ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ ایک دن غصہ میں بھرے ہوئے ننگی تلوار لے کر اس ارادہ سے چلے کہ آج میں اس تلوار سے پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر دوں گا۔ اتفاق سے راستہ میں حضرت نعیم بن عبداللہ قریشی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام کی خبر نہیں تھی۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اے عمر! اس دوپہر کی گرمی میں ننگی تلوار لے کر کہاں چلے؟ کہنے لگے کہ آج بانیء اسلام کا فیصلہ کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن ''فاطمہ بنت الخطاب'' اور تمہارے بہنوئی ''سعید بن زید'' بھی تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ بہن کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر چند مسلمان چھپ کر قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر سب لوگ ڈر گئے اور قرآن کے اوراق چھوڑ کر اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت عمر چلا کر بولے کہ اے اپنی جان کی دشمن کیا تو بھی مسلمان ہو گئی ہے؟ پھر اپنے بہنوئی حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ پر جھپٹے اور ان کی داڑھی پکڑ کر ان کو زمین پر پٹخ دیا اور سینے پر سوار ہو کر مارنے لگے۔ ان کی بہن فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے دوڑ پڑیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسا طمانچہ مارا کہ ان کے کانوں کے جھومر ٹوٹ کر گر پڑے اور ان کا چہرہ خون سے لہولہان ہو گیا۔ بہن نے صاف صاف کہہ دیا کہ عمر! سن لو۔ تم سے جو ہو سکے کر لو۔ مگر اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کا خون آلودہ چہرہ دیکھا اور ان کا عزم استقامت سے بھرا ہوا یہ جملہ سنا تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور ایک دم دل نرم پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ پھر کہا کہ اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی دکھاؤ۔ بہن نے قرآن کے اوراق سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو اس آیت پر نظر پڑی کہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اس آیت کا

ایک ایک لفظ صداقت کی تاثیر کا تیر بن کر دل کی گہرائی میں پیوست ہوتا چلا گیا اور جسم کا ایک ایک حصہ لرزہ براندام ہونے لگا۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (حدید) تو بالکل ہی بے قابو ہو گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' یہ وہ وقت تھا کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں مقیم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہن کے گھر سے نکلے اور سیدھے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ کنڈی بجائی۔ اندر کے لوگوں نے دروازہ کی جھری سے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لئے کھڑے تھے۔ لوگ گھبرا گئے اور کسی میں دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اندر آنے دو۔ اگر نیک نیتی کے ساتھ آیا ہے تو اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ورنہ اس کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو حضور ﷺ نے خود آگے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑا اور فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے تو مسلمان ہو جا آخر تو کب تک مجھ سے لڑتا رہے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے با آواز بلند کلمہ پڑھا۔ حضور نے مارے خوشی کے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور تمام حاضرین نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ! یہ چھپ چھپ کر خدا کی عبادت کرنے کے کیا معنی! اٹھئے ہم کعبہ میں چل کر علی الاعلان خدا کی عبادت کریں گے۔ خدا کی قسم میں کفر کی حالت میں جن جن مجلسوں میں بیٹھ کر اسلام کی مخالفت کرتا رہا ہوں میں اب ان تمام مجالس میں اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ پھر حضور ﷺ صحابہ کی جماعت کو لے کر دو قطاروں میں روانہ ہوئے۔ ایک صف کے آگے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چل رہے تھے اور دوسری صف کے آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس شان سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ میں مشرکین کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ سنتے ہی ہر طرف سے کفار دوڑ پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں سے لڑنے لگے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں ابوجہل آ گیا۔ اس نے پوچھا کہ

یہ ہنگامہ کیسا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں اس لئے لوگ برہم ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر اپنی آستین سے اشارہ کر کے اعلان کر دیا اور میں نے اپنے بھانجے عمر کو پناہ دی۔ ابو جہل کا یہ اعلان سن کر سب لوگ ہٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسلام لانے کے بعد میں ہمیشہ کفار کو مارتا اور ان کی مار کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 272)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں قریش کے بتوں کے پاس حاضر تھا۔ اتنے میں ایک شخص گائے کا ایک بچھڑا لے کر آیا اور اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا۔ پھر بڑے زور سے چیخ مار کر کسی نے یہ کہا۔ "یَا جَلِیْحُ اَمْرٌ نَجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ" یہ آواز سن کر سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اس آواز دینے والے کی تحقیق کئے بغیر ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ اس کے بعد پھر یہی آواز آئی کہ یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا الہ الا اللہ۔ یعنی اے کھلی ہوئی دشمنی کرنے والے! ایک کامیابی کی چیز ہے کہ ایک فصاحت والا آدمی "لا الہ الا اللہ" کہہ رہا ہے حالانکہ بتوں کے آس پاس میرے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے فوراً ہی بعد حضور ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر تھے۔ اس لئے ان کے اسلام لانے کے اسباب میں اس واقعہ کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے۔ (بخاری ج 1، ص 546 و زرقانی ج 1، ص 276 باب اسلام عمر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کفار مکہ نے بہت زیادہ ستایا تو عاص بن وائل سہمی نے بھی آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جو زمانہء جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار کی مار دھاڑ سے بچ گئے۔ (بخاری باب اسلام عمر ج 1، ص 545)

شعب ابی طالب 7 نبوی:

اعلان نبوت کے ساتویں سال 7 نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے

بہادران قریش بھی دامن اسلام میں آ گئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سرداران قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ سکیم بنائی کہ حضور ﷺ اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔ چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے حضور ﷺ کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

1. کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔
2. کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔
3. کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات، بات نہ کرے۔
4. کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔ منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سرداران قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس ﷺ اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام "شعب ابی طالب" تھا پناہ گزین ہوئے۔ ابولہب کے سوا خاندان ابو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بنا پر اس معاملہ میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ سنگدل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 278)

مسلسل تین سال تک حضور ﷺ اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک اٹھائی۔ چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے۔ کفار قریش

کو مخاطب کر کے اپنی پر جوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی۔ میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تقریر سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ یہ تقریر سن کر انہوں نے ابو جہل کو للکارا اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابو جہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی خم ٹھونک کر ابو جہل کو جھڑک دیا اور ابو البختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابو جہل اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب اس کے پابند ہیں۔

اس مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد ﷺ کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا ان کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ کے اندر گیا اور دستاویز کو اتار لایا اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ تعالیٰ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے۔ ہتھیار لے کر گھاٹی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو وہاں سے نکال کر لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا۔ یہ واقعہ 10 نبوی کا ہے۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 42 وغیرہ)

غم کا سال 10 نبوی:

حضور اقدس ﷺ ''شعب ابی طالب'' سے نکل کر اپنے گھر میں تشریف لائے

اور چند ہی روز کفار قریش کے ظلم و ستم سے کچھ امان ملی تھی کہ ابو طالب بیمار ہو گئے اور گھاٹی سے باہر آنے کے آٹھ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات حضور ﷺ کے لئے ایک بہت ہی جان گداز اور روح فرسا حادثہ تھا۔ کیونکہ بچپن سے جس طرح پیار و محبت کے ساتھ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جاں نثاری کے ساتھ آپ نے ضرورت و دستگیری کی اور آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر جس طرح آلام و مصائب کا مقابلہ کیا۔ اس کو بھلا حضور ﷺ کس طرح بھول سکتے تھے۔

ابو طالب کا خاتمہ:

جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا! آپ کلمہ پڑھ لیجئے۔ یہ کلمہ ہے کہ اس کے سبب سے میں خدا کے دربار میں آپ کی مغفرت کیلئے اصرار کروں گا۔ اس وقت ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابو طالب کے پاس موجود تھے۔ ان دونوں نے ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگردانی کریں گے؟ اور یہ دونوں برابر ابو طالب سے گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو طالب نے کلمہ نہیں پڑھا بلکہ ان کی زندگی کا آخری قول یہ رہا کہ ”میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں“۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضور رحمت عالم ﷺ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا اور آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے اس وقت تک دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔

ترجمہ: یعنی نبی اور مومنین کیلئے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب انہیں معلوم ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں۔ (بخاری ج 1، ص 548 باب قصہ ابی طالب)

حضرت بی بی خدیجہ کی وفات:

حضور اقدس ﷺ کے قلب مبارک پر ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا

کہ ابو طالب کی وفات کے تین دن یا پانچ دن کے بعد سب سے زیادہ جس ہستی نے رحمت عالم ﷺ کی نصرت وحمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا۔ وہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی تھی۔ جس وقت دنیا میں کوئی آپ کا مخلص مشیر اور غمخوار نہیں تھا۔ حضرت بی بی خدیجہ ہی تھیں کہ ہر پریشانی کے موقع پر پوری جاں نثاری کے ساتھ آپ کی غمخواری اور دلداری کرتی رہتی تھیں اس لئے ابو طالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کی وفات سے آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے۔ جس سے آپ کے قلب نازک پر اتنا عظیم صدمہ گزرا کہ آپ نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' (غم کا سال) رکھ دیا۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رمضان 10 نبوی میں وفات پائی۔ بوقت وفات پینسٹھ برس کی عمر تھی۔ مقام حجون (قبرستان معلیٰ المعلی) میں مدفون ہوئیں۔ حضور رحمت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی لاش مبارک کو زمین کے سپرد فرمایا۔ (زرقانی ج 1، ص 296)

طائف وغیرہ کا سفر

مکہ والوں کی عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے جب حضور رحمت عالم ﷺ کو ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوسی نظر آئی تو آپ نے تبلیغ اسلام کیلئے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا رخ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے ''طائف'' کا بھی سفر فرمایا۔ اس سفر میں حضور ﷺ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور مالدار لوگ رہتے تھے ان رئیسوں میں ''عمیر'' کا خاندان تمام قبائل کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ تین بھائی تھے۔ عبدیا لیل، مسعود، حبیب، حضور ﷺ ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بے ہودہ اور گستاخانہ جواب دیا۔ ان بدنصیبوں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ طائف کے شریر غنڈوں کو ابھار دیا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ برا سلوک کریں۔ چنانچہ لچوں لفنگوں کا یہ شریر گروہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا اور یہ شرارتوں کے مجسمے آپ پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے مقدس پاؤں زخموں سے لہولہان ہو گئے اور آپ کے موزے اور نعلین مبارک

خون سے بھر گئے۔ جب آپ زخموں سے بے تاب ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر آپ پر پتھروں کی بارش کرتے اور ساتھ ساتھ طعنہ زنی کرتے گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے، ہنسی اڑاتے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دوڑ دوڑ کر حضور ﷺ پر آنے والے پتھروں کو اپنے بدن پر لیتے تھے اور حضور ﷺ کو بچاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بھی خون میں نہا گئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر بے قابو ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر آپ نے انگور کے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ مکہ کے ایک مشہور کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ حضور ﷺ کا یہ حال دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کو آپ پر رحم آ گیا اور کافر ہونے کے باوجود خاندانی حمیت نے جوش مارا۔ چنانچہ ان دونوں کافروں نے حضور ﷺ کو اپنے باغ میں ٹھہرایا اور اپنے نصرانی غلام ''عداس'' کے ہاتھ سے آپ کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ بھیجا۔ حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر خوشہ کو ہاتھ لگایا تو عداس تعجب سے کہنے لگا کہ اس اطراف کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولا کرتے۔ حضور ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا وطن کہاں ہے۔ عداس نے کہا کہ میں ''شہر نینویٰ'' کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت یونس بن متی کا شہر ہے۔ وہ بھی میری طرح خدا کے پیغمبر تھے۔ یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور فوراً ہی آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 300)

اسی سفر میں جب آپ مقام ''نخلہ'' میں تشریف فرما ہوئے اور رات کو نماز تہجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو ''نصیبین'' کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قرآن سن کر یہ سب جن مسلمان ہو گئے۔ پھر ان جنوں نے لوٹ کر اپنی قوم کو بتایا تو مکہ مکرمہ میں جنوں کی جماعت نے فوج درفوج آ کر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ جن کی ابتدائی آیتوں میں خداوند عالم نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (زرقانی ج 1، ص 303)

مقام نخلہ میں حضور ﷺ نے چند دنوں تک قیام فرمایا۔ پھر آپ مقام ''حرا'' میں تشریف لائے اور قریش کے ایک ممتاز سردار مطعم بن عدی کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ کیا

تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو؟ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص ان سے حمایت اور پناہ طلب کرتا تو وہ اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو۔ وہ پناہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ مطعم بن عدی نے حضور ﷺ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ اور مطعم بن عدی خود گھوڑے پر سوار ہو کر گیا اور حضور ﷺ کو اپنے ساتھ مکہ لایا اور حرم کعبہ میں اپنے ساتھ لے کر گیا اور مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ کا طواف کر کے حرم میں نماز ادا کی اور مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے تلواروں کے سائے میں آپ کو آپ کے دولت خانہ تک پہنچا دیا۔

(زرقانی ج 1، ص 306)

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جنگ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اے عائشہ! وہ دن میرے لئے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا۔ جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار "عبد یا لیل" کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا۔ میں اس رنج و غم میں سر جھکائے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ مقام "قرن الثعالب" میں پہنچ کر میرے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اس بادل میں سے حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا اور اب آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے۔ تاکہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔ حضور ﷺ کا بیان ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا۔ کہ اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجا لاؤں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں "اخشبین" (ابو قبیس اور قعیقعان) دونوں

پہاڑوں کو ان کفار پر الٹ دوں تو میں الٹ دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

(بخاری باب ذکر الملکۃ ج 1، ص 458 و زرقانی ج 1، ص 297)

قبائل میں تبلیغ اسلام:

حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جب کہ دور دور کے عربی قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے تو حضور ﷺ تمام قبائل میں دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اسی طرح عرب میں جابجا بہت سے میلے لگتے تھے جن میں دور دراز کے قبائل عرب جمع ہوتے تھے۔ ان میلوں میں بھی آپ تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز کے بڑے بڑے میلوں میں آپ نے قبائل عرب کے سامنے دعوت اسلام پیش فرمائی۔ عرب کے قبائل بنو عامر محارب، فزارہ، غسان، مرہ، سلیم، عبس، نضر، کندہ، کلب، غذرہ، حضارمہ وغیرہ ان سب سے مشہور قبائل کے سامنے آپ نے اسلام پیش فرمایا، مگر آپ کا چچا ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی قبیلہ کے سامنے وعظ فرماتے تو ابولہب چلا چلا کر یہ کہتا کہ ''یہ دین سے پھر گیا ہے'' یہ جھوٹ کہتا ہے۔ (زرقانی ج 1، ص 309)

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس قبیلہ کا سردار ''مفروق'' آپ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا کہ اے قریشی برادر! آپ لوگوں کے سامنے کونسا دین پیش کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے سورۂ انعام کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ یہ سب لوگ آپ کی تقریر اور قرآنی آیتوں کی تاثیر سے انتہائی متاثر ہوئے لیکن یہ کہا کہ ہم اپنے اس خاندانی دین کو بھلا کر ایک دم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ جس پر ہم برسہا برس سے کاربند ہیں۔ اس کے علاوہ ہم ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے سوا کسی اور کے زیر اثر اور رعیت ہیں اور ہم یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ ہم بادشاہ کسریٰ کے سوا کسی اور کے زیر اثر نہیں رہیں گے۔ حضور ﷺ نے

ان لوگوں کی صاف گوئی کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ خیر! خدا اپنے دین کا حامی و ناصر اور معین و مددگار ہے۔

(روض الانف بحوالہ سیرۃ النبی)



باب نمبر:5

مدینہ میں آفتابِ رسالت کی تجلیاں

مدینہ کا پرانا نام "یثرب" ہے۔ جب حضور ﷺ نے اس شہر میں سکونت فرمائی تو اس کا نام "مدینۃ النبی" (نبی کا شہر) پڑ گیا۔ پھر یہ نام مختصر ہو کر "مدینہ" مشہور ہو گیا۔ تاریخی حیثیت سے یہ بہت پرانا شہر ہے۔ حضور ﷺ نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو اس شہر میں عرب کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" اور کچھ "یہودی" آباد تھے۔ اوس و خزرج کفار مکہ کی طرح "بت پرست" اور یہودی "اہل کتاب" تھے۔ اوس و خزرج پہلے تو بڑے اتفاق اتحاد کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، مگر پھر عربوں کی فطرت کے مطابق ان دونوں قبیلوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں یہاں تک کہ آخری لڑائی جو تاریخ عرب میں "جنگ بعاث" کے نام سے مشہور ہے اس قدر ہولناک اور خون ریز ہوئی کہ اس لڑائی میں اوس و خزرج کے تقریباً تمام نامور بہادر لڑ بھڑ کر کٹ مرے اور یہ دونوں قبیلے بے حد

کمزور ہو گئے۔ یہودی اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے مگر چونکہ وہ تعلیم یافتہ تھے اس لئے اوس خزرج ہمیشہ یہودیوں کی علمی برتری سے مرعوب اور ان کے زیر اثر رہتے تھے۔

اسلام قبول کر لینے کے بعد رسول رحمت ﷺ کی مقدس تعلیم و تربیت کی بدولت اوس و خزرج کے تمام پرانے اختلافات ختم ہو گئے اور یہ دونوں قبیلے شیر و شکر کی طرح مل جل کر رہنے لگے اور چونکہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے تن من دھن سے بے پناہ امداد اور نصرت کی۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان خوش بختوں کو ''انصار'' کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا اور قرآن کریم نے بھی ان جانثاران اسلام کی نصرت رسول و امداد مسلمین پر ان خوش نصیبوں کی مدح و ثنا کا جابجا خطبہ پڑھا اور ازروئے شریعت انصار کی محبت اور ان کی جناب میں حسن عقیدت تمام امت مسلمہ کے لئے لازم الایمان اور واجب العمل قرار پائی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مدینہ میں اسلام کیونکر پھیلا؟

انصار گو بت پرست تھے مگر یہودیوں کے میل جول سے اتنا جانتے تھے کہ نبی آخرالزمان کا ظہور ہونے والا ہے اور مدینہ آخرالزمان کے ظہور کے وقت ہم ان کے لشکر میں شامل ہو کر تم بت پرستوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیں گے اس لئے نبی آخرالزماں کی تشریف آوری کا یہود اور انصار دونوں کو انتظار تھا۔

11 نبوی میں حضور ﷺ معمول کے مطابق حج میں آنے والے قبائل کو دعوت دینے کے لئے منیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ منیٰ میں عقبیٰ کے (گھاٹی) کے پاس جہاں آج ''مسجد العقبہ'' ہے تشریف فرما تھے کہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی آپ کے پاس آ گئے آپ نے ان لوگوں سے ان کا نام نسب پوچھا۔ پھر قرآن کی چند آیتیں سنا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر واپسی میں یہ کہنے لگے کہ یہودی جس نبی آخرالزمان کی خوشخبری دیتے رہے ہیں ایک یقینا وہ نبی یہی ہیں۔ لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کر لیں۔ یہ کہہ کر سب ایک ساتھ مسلمان ہو گئے اور مدینہ جا کر اپنے اہل خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلام کی دعوت دی ان چھ خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔

((1 حضرت ابوالہیثم بن تیہان۔ ((2 حضرت اللبامہ اسد بن زرارہ۔ ((3 حضرت عوف بن حارث ۔((4 حضرت رافع بن ملک۔((5 حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔ ((6 حضرت جابر بن عبداللہ بن رباب (رضی اللہ عنہم اجمعین) (مدارج النبوۃ ج 2،ص 51 وزرقانی ج 1،ص 310)

بیعت عقبہ اولیٰ:

دوسرے سال 12 نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ اشخاص منیٰ کی اسی گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور ﷺ سے بیعت ہوئے۔ تاریخ اسلام میں اس بیعت کا نام ''بیعت عقبہ اولیٰ'' ہے۔

ساتھ ہی ان لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ درخواست بھی کہ احکام اسلام کی تعلیم کے لئے کوئی معلم بھی ان لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہ مدینہ میں حضرت اسد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے اور انصار کے ایک ایک گھر میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی آغوش اسلام میں آنے لگے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قباد تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بہت ہی بہادر اور بااثر شخص تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے پہلے تو اسلام سے نفرت و بیزاری ظاہر کی مگر جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا تو ایک دم ان کا دل پسیج گیا اور اس قدر متاثر ہوئے کہ سعادت اسلام سے سرفراز ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ ''اوس'' بھی دامن اسلام میں آ گیا۔

اسی سال بقول مشہور ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو حضور ﷺ کو بحالت بیداری ''معراج جسمانی'' ہوئی اور اسی سفر معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن کا تفصیلی بیان انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے باب میں آئے گا۔

بیعت عقبہ ثانیہ:

اس کے ایک سال بعد 13 نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً بہتر اشخاص

نے منیٰ کی اس گھاٹی میں اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کیلئے اپنی جان قربان کر دیں گے۔ اس موقع پر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ دیکھو محمد ﷺ اپنے خاندان بنی ہاشم میں ہر طرح محترم اور باعزت ہیں۔ ہم لوگوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے۔ اب تم لوگ ان کو اپنے وطن میں لے جانے کے خواہش مند ہو۔ تو سن لو۔ اگر مرتے دم تک تم لوگ ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہ سن کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ طیش میں آ کر کہنے لگے کہ ''ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں''۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اتنا ہی کہنا پائے تھے کہ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے بات کاٹتے ہوئے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگوں کے یہودیوں سے پرانے تعلقات ٹوٹ جائیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطاء فرمائے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے وطن مکہ چلے جائیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تم لوگ اطمینان رکھو کہ ''تمہارا خون مرا خون ہے'' اور یقین کرو ''میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور تمہارا دوست میرا دوست ہے''۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 317 و سیرت ابن ہشام ج ص 441 تا 442)

جب انصار یہ بیعت کر رہے تھے تو حضرت سعد زرارہ رضی اللہ عنہ نے، یا حضرت عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے بھائیو! تمہیں یہ خبر ہے؟ کہ تم لوگ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ خوب سمجھ لو کہ یہ عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ انصار نے طیش میں آ کر نہایت پر جوش لہجے میں کہا کہ ہاں۔ ہاں۔ ہم لوگ اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ بیعت ہو جانے کے بعد آپ نے اس جماعت میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا۔ ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلہ اوس کے تھے جن کے مبارک نام یہ ہیں۔

(1) ابو امامہ اسعد بن زرارہ ((2 سعد بن ربیع ((3 عبداللہ بن رواحہ ((4 رافع

بن مالک ((5 براء بن معرور ((6 عبداللہ بن عمرو ((7 سعد بن عبادہ ((8 منذر بن عمر ((9 عبادہ بن ثابت۔ یہ نو آدمی قبیلہ خزرج کے ہیں۔ ((10 اسید بن حضیر ((11 سعد بن خثیمہ ((12 ابو الہیثم بن تیہان۔ یہ تین شخص قبیلہء اوس کے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (زرقانی علی المواہب ج 1،ص 317)

اس کے بعد یہ تمام حضرات اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔صبح کے وقت جب قریش کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ آگ بگولہ ہو گئے اور ان لوگوں نے ڈانٹ کر مدینہ والوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر محمد ﷺ سے بیعت کی ہے؟ انصار کے کچھ ساتھیوں نے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ یہ سن کر قریش واپس چلے گئے مگر جب تفتیش و تحقیقات کے بعد کچھ انصار کی بیعت کا حال معلوم ہوا تو قریش غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور بیعت کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے تعاقب کیا۔ مگر قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکڑ سکے۔ قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ لائے اور ان کو قید کر دیا۔ مگر جب جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ کو پتہ چلا تو ان دونوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لئے سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) کو فوراً چھوڑ دو۔ ورنہ تمہاری ملک شام کی تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعد بن عبادہ کو قید سے رہا کر دیا اور بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔

(سیرت ابن ہشام ج 4،ص 449 تا 450)

ہجرت مدینہ

مدینہ منورہ میں جب اسلام اور مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ مل گئی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو عام اجازت دے دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے لوگ بھی مدینہ روانہ ہونے لگے۔ جب کفار قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی۔ مگر چھپ چھپ کر لوگوں نے ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ منورہ چلے گئے۔ صرف وہی لوگ مکہ میں رہ گئے جو یا تو کافروں کی قید میں تھے یا اپنی مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے۔

حضور اقدس ﷺ کو چونکہ ابھی تک خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا تھا۔ اس لئے آپ مکہ ہی میں مقیم رہے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو بھی آپ نے روک لیا تھا۔ لہٰذا وہ دونوں شمع نبوت کے پروانے بھی آپ ہی کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

کفار کا نفرنس:

جب مکہ کے کافروں نے یہ دیکھ لیا کہ حضور ﷺ اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہو گئے اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو کفار مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد ﷺ بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ چنانچہ اس خطرہ کا دروازہ بند کرنے کے لئے کفار مکہ نے اپنے دارالندوہ (پنچایت گھر) میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی اور یہ کفار مکہ کا ایسا زبردست نمائندہ اجتماع تھا کہ مکہ کا کوئی بھی ایسا دانشور اور بااثر شخص نہ تھا جو اس کانفرنس میں شریک نہ ہوا ہو۔ خصوصیت کے ساتھ ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالبختری زمعہ بن اسود۔ حکیم بن حزام، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ۔ تمام سرداران قریش اس مجلس میں شریک تھے۔ شیطان لعین بھی کمبل اوڑھے ایک بزرگ شیخ کی صورت میں آ گیا۔ قریش کے سرداروں نے نام و نسب پوچھا تو بولا کہ میں "شیخ نجد" ہوں۔ اس لئے اس کانفرنس میں آ گیا ہوں کہ میں تمہارے معاملہ میں اپنی رائے بھی پیش کر دوں۔ یہ سن کر قریش کے سرداروں نے ابلیس کو بھی اپنی کانفرنس میں شریک کر لیا اور کانفرنس کی کارروائی شروع ہو گئی۔ جب حضور ﷺ کا معاملہ پیش ہوا تو ابوالبختری نے یہ رائے دی کہ ان کو کسی کوٹھری میں بند کر کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور ایک سوراخ سے کھانا پانی ان کو دے دیا کرو۔ شیخ نجد (شیطان) نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ان کو کسی مکان میں قید کر دیا۔ تو یقیناً ان کے جانثار اصحاب کو اس کی خبر لگ جائے گی اور وہ اپنی جان پر کھیل کر ان کو قید سے چھڑا لیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو۔ تا کہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں۔ اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ

اسلام سے نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمہاری اس رائے پر لعنت۔ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد ﷺ کے کلام میں کتنی مٹھاس اور تاخیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو یہ پورے ملک عرب میں لوگوں کو قرآن سنا سنا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنالیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کر دیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز و لاچار ہو جاؤ گے اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اس لئے ان کو جلاوطن کرنے کی تو بات ہی مت کرو۔

ابو جہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہ سوجھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہئے وہ کیا ہے؟ تو ابو جہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد ﷺ کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کرنے کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا۔ ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لئے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا یقیناً وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔ ابو جہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے خوشی کے اچھل پڑا اور کہا کہ بے شک یہ تدبیر بالکل درست ہے۔ اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا اور مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی اور ہر شخص یہ خوفناک عزم لے کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔ خداوند قدوس نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ O

ترجمہ: (اے محبوب یاد کیجئے) جس وقت کفار کے بارے میں خفیہ تدبیر کر رہے تھے آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں۔ یہ لوگ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ کی پوشیدہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کیا تھی؟ اگلے صفحہ پر اس کا جلوہ دیکھئے کہ کس طرح اس نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت فرمائی اور کفار کی ساری اسکیم کو کس طرح اس قادر قیوم نے تہس نہس فرما دیا۔ (ابن ہشام)

ھجرت رسول کا واقعہ:

جب کفار حضور ﷺ کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام رب العلمین کا حکم لے کر نازل ہوئے کہ اے محبوب! آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ) کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (اس وقت حضرت عائشہ کی حضور سے شادی ہو چکی تھی) حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرما دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطاء فرمایئے۔ آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرما لیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بادل ناخواستہ فرمان رسالت سے مجبور ہو کر اس کو قبول کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے ٹپکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کئے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔ یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بنا پر ان کو ''ذات النطاقین'' (دو ٹپکنے والی) کے منفرد لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک کافر کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا جو راستوں

کا ماہر تھا۔ راہ نمائی کے لئے اجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر ''غار ثور'' کے پاس آجائے۔ یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور ﷺ اپنے مکان پر تشریف لائے۔
(بخاری جلد 1، ص 553 تا 554 باب ہجرت النبی ﷺ)

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ:

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانہ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور ﷺ سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت گھر میں حضور ﷺ کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم ﷺ کے بدترین دشمن تھے۔ مگر اس کے باوجود حضور ﷺ کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور ﷺ کے پاس امانت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانہ نبوت میں تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار مکہ حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ مگر حضور اقدس ﷺ کے فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا اور آپ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔ اپنے اسی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شیر خدا نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ۔

وَقَيْتُ بِنَفْسِىْ خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الثَّرىٰ
وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحِجْرٖ

ترجمہ: میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس ذات گرامی کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کے طواف کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔

رَسُوْلُ اِلٰهٖ خَافَ اَنْ يَّمْكُرُوْا بِهٖ
فَنَجَّاهُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰهُ مِنَ الْمَكْرِ

ترجمہ: رسول خدا ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ تدبیر سے بچا لیا۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 322)

حضور اقدس ﷺ نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے۔ نہ کسی کو نظر آئے۔ نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود نہ تھا۔ اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد ﷺ تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ ان کو رنجتوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑھی ہوئی تھی۔

(مدارج النبوۃ 2، ص 57)

رحمت عالم ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام ''حزورہ'' کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ ''کعبہ'' کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور ﷺ کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات ''غارِ ثور'' پہنچے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 58)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک

سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یار غار کے پاؤں میں کاٹا۔ مگر حضرت صدیق جان نثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم کے خواب راحت میں خلل نہ پڑھ جائے مگر درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ جس سے رحمت عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ پوچھا ابوبکر! کیا ہوا؟ عرض کیا رسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور ﷺ سے عرض کر دیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آجاتے اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار اور ان کے یارِ غار پی لیتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب ج 1،ص 339)

حضور ﷺ تو غار ثور میں تشریف فرما ہو گئے۔ ادھر کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار جب صبح کو مکان میں داخل ہوئے تو بستر نبوت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ظالموں نے تھوڑی دیر آپ سے پوچھ گچھ کر کے آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور ﷺ کی تلاش و جستجو میں مکہ اور اطراف و جوانب کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے۔ مگر غار کے منہ پر اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار قریش آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

ترجمہ: مت گھبراؤ، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب پر سکون و اطمینان کا ایسا سکینہ اتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہی وہ جان نثاریاں ہیں جن کو دربار نبوت میں مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

وَثَانِی اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُ وِبِهٖ اِذَا مَاعَدَ الْجَبَلاَ

ترجمہ: اور دو میں کے دوسرے (ابوبکر) جب کہ پہاڑ پر چڑھ کر بلند مرتبہ غار میں اس حال میں تھے کہ دشمن ان کے اردگرد چکر لگا رہا تھا۔

وَکَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِہٖ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْخَلَائِقِ لَمْ یَعْدِلْ بِہٖ بَدَلًا

ترجمہ: اور وہ (ابوبکر) رسول ﷺ کے محبوب تھے۔ تمام مخلوق اس بات کو جانتی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی کو بھی ان کے برابر نہیں ٹھہرایا ہے۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 337)

بہرحال چوتھے دن حضور ﷺ یکم ربیع الاول دوشنبہ کے دن غار ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن اریقط جس کو رہنمائی کے لئے کرایہ پر حضور ﷺ نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرارداد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پر حاضر تھا حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے اور عبداللہ بن اُریقط آگے آگے پیدل چلنے لگا اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

سو اونٹ کا انعام:

ادھر اہل مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد ﷺ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور ﷺ کی تلاش شروع کر دی اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

ام معبد کی بکری:

دوسرے روز مقام قدید میں ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ کا

گزرہوا'' ام معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا۔ مگر اس کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور ﷺ نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے۔ دریافت فرمایا کہ یہ دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دھولوں۔ ام معبد نے اجازت دے دی اور آپ نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور ام معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے''۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 61)

روایت ہے کہ ام معبد کی یہ بکری 18ھ تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ''عام الرماد'' کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا۔ اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 346)

سراقہ کا گھوڑا:

جب ام معبد کے گھر سے حضور ﷺ آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا۔ قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر سو اونٹ کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ انعام کے لالچ نے اسے دوبارہ ابھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور ﷺ کی دعا سے پتھریلی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا اور امان امان پکارنے لگا۔ رسول اکرم ﷺ کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا۔ سرقہ کی لاچاری اور گریہ زاری پر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔ دعا فرما دی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجئے۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے سراقہ کے لئے امن کی تحریر لکھ دی۔ سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپس

لوٹ گیا۔ راستہ میں جو شخص بھی حضور ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آنحضرت ﷺ اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور ﷺ کی خدمت میں بطور نذرانہ کے پیش کیا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔(بخاری باب ہجرۃ النبی ج 1، ص 554 و زرقانی ج 1، ص 346 و مدارج النبوۃ 2، ص 62)

سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے مگر حضور ﷺ کی عظمت نبوت اور اسلام کی صداقت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ جب حضور ﷺ نے فتح مکہ اور جنگ طائف و حنین سے فارغ ہو کر ''جعرانہ'' میں پڑاؤ کیا تو سراقہ اسی پروانہء امن کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے اور قبیلہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

(دلائل النبوۃ ج 2، ص 15 و مدارج النبوۃ ج 62)

واضح رہے کہ یہ وہی سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جس کے بارے میں حضور ﷺ نے اپنے علم غیب سے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اے سراقہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تجھ کو ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دونوں کنگن پہنائے جائیں گے؟ اس ارشاد کے برسوں بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن دربار خلافت میں لائے گئے تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تاجدار دو عالم ﷺ کے فرمان کی تصدیق و تحقیق کے لئے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو پہنا دیئے اور فرمایا کہ اے سراقہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس نے ان کنگنوں کو بادشاہ فارس کسریٰ سے چھین کر سراقہ بدوی کو پہنا دیا۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے 24ھ میں وفات پائی جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر رونق افروز تھے۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 246 و ص 248)

بریدہ اسلمی کا جھنڈا:

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ''بریدہ اسلمی'' قبیلہء بنی سہم کے ستر سواروں کو ساتھ لے کر اس لالچ میں آپ کی گرفتار کے لئے آئے کہ قریش سے ایک سو اونٹ انعام مل جائے گا۔ مگر جب حضور ﷺ کے سامنے آئے اور پوچھا کہ

آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور خود کا رسول ہوں۔ جمال و جلال نبوت کا ان کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر دامن اسلام میں آگئے اور کمال عقیدت سے یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! میری تمنا ہے کہ مدینہ میں حضور کا داخلہ ایک جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ کہا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اپنے نیزہ پر باندھ لیا اور حضور اقدس ﷺ کے علمبردار بن کر مدینہ تک آگے آگے چلتے رہے۔ پھر دریافت کیا کہ یارسول اللہ آپ مدینہ میں کہاں اتریں گے تاجدار دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے یہ جہاں بیٹھ جائے گی وہ میری قیام گاہ ہے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 62)

حضرت زبیر کے بیش قیمت کپڑے:

اس سفر میں حسن اتفاق سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ جو حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ یہ ملک شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے۔ انہوں نے حضور انور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند نفیس کپڑے بطور نذرانہ کے پیش کئے۔ جن کو تاجدار دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالئے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص

(63

شہنشاہ رسالت مدینہ میں:

حضور اکرم ﷺ کی آمد آمد کی خبر چونکہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی اور عورتوں بچوں تک کی زبانوں پر آپ کی تشریف آوری کا چرچا تھا۔ اس لئے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لئے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے۔ روزانہ صبح سے نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لئے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم ﷺ کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے باآواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروان رحمت

آ گیا۔ یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار کا استقبال کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرہ تکبیر کی آوازوں سے تمام شہر گونج اٹھا۔ (مدارج النبوۃ ج 2،ص 63 وغیرہ)

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج ''مسجد قبا'' بنی ہوئی ہے۔ 12 ربیع الاول کو حضور ﷺ رونق افروز ہوئے اور قبیلہء عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل خاندان نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ مارا۔ چاروں طرف سے انصار جوش مسرت میں آئے اور بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے۔ اکثر صحابہ کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی ﷺ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے۔ وہ بھی مدینہ آ گئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والے ان تمام مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔

(مدارج النبوۃ ج 2،ص 63 و بخاری جلد 1،ص 560)

اللہ اکبر! عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت سید الانبیاء و سید الاولیاء اور صالحین صحابہ کے نورانی اجتماع سے ایسا سماں بندھ گیا ہوگا کہ غالباً چاند، سورج اور ستارے حیرت کے ساتھ اس مجمع کو دیکھ کر زبان حال سے کہتے ہوں گے کہ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ آج انجمن آسمان زیادہ روشن ہے یا حضرت کلثوم بن ہدم کا مکان؟ اور شاید خاندان عمرو بن عوف کا بچہ بچہ جوش مسرت سے مسکرا کر زبان حال سے یہ نغمہ گاتا ہوگا ؎

ان کے قدم پہ میں نثار، جن کے قدوم ناز نے
اجڑے ہوئے دیار کو رشک چمن بنا دیا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

الحمد للہ! حضور رحمت عالم ﷺ کی ''مکی زندگی'' آپ پڑھ چکے۔ اب ہم آپ کی

’’مدنی زندگی‘‘ پر سنہ وار واقعات تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس کے مطالعہ سے آنکھوں می نور اور دل میں سرور کی دولت حاصل کریں۔

عبدالمصطفی الاعظمی عفی عنہ
28 شعبان 1395ھ
گھوسی (بحالت علالت)



حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم

کی

مدنی زندگی

تعالی اللہ ذات مصطفی کا حُسن لاثانی
کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصاف امکانی
دعائے یونسی، خلق خلیلی، صبر ایوبی
جلال موسوی، زہد مسیحی، حسن کنعانی
(ﷺ)

باب نمبر:6

ہجرت کا پہلا سال 1ھ

مسجد قبا:

''قبا'' میں سب سے پہلے ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ اس مقصد کیلئے حضور ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کی ایک زمین کو پسند فرمایا جہاں خاندان عمرو بن عوف کی کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ اسی جگہ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج بھی ''مسجد قبا'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی شان میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا طوَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ O

ترجمہ: یقین وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیز گاری پر رکھی ہوئی ہے۔ وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں جن کو پاکی بہت پسند ہے اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (توبہ)

اس مبارک مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ خود حضور ﷺ بھی بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے اتنے بڑے بڑے پتھر اٹھاتے تھے کہ ان کے بوجھ سے جسم نازک خم ہو جاتا تھا اور اگر آپ کے جان نثار اصحاب میں سے کوئی عرض کرتا کہ یارسول اللہ! آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہو جائیں۔ آپ چھوڑ دیجئے۔ ہم اٹھائیں گے تو حضور ﷺ اس کی دلجوئی کے لئے چھوڑ دیتے مگر پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے اور خود ہی اس کو لا کر عمارت میں لگاتے اور تعمیری کام میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے صحابہ کرام کے ساتھ آواز ملا کر حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے کہ

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسْجِدَا وَيَقْرَئُ الْقُراٰنَ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا وَلاَ
يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا۔

ترجمہ: وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور سوتے ہوئے رات نہیں گزارتا۔ (وفاء الوفاء ج 1، ص 180)

مسجد الجمعہ:

چودہ یا چوبیس روز کے قیام میں مسجد قبا کی تعمیر فرما کر جمعہ کے دن آپ ''قبا'' سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں قبیلہ بنی سالم کی مسجد میں پہلا جمعہ آپ نے پڑھا۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج تک ''مسجد الجمعہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اہل شہر کو خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جذبات شوق میں مشتاقانہ استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننہالی رشتہ دار ''بنو النجار'' ہتھیار لگائے ''قبا'' سے شہر تک دورویہ صفیں باندھے مستانہ وار چل رہے تھے۔ آپ راستہ میں تمام قبائل کی محبت کا شکریہ ادا کرتے اور سب کو خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ شہر قریب آ گیا تو اہل مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین مکانوں کی

چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ استقبالیہ اشعار پڑھنے لگیں کہ ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ مَدَعیٰ لِلّٰہِ دَاعیٰ

ترجمہ: ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے ، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ سے دعا مانگنے والے دعا مانگتے ہیں۔

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا اَنْتَ شَرَفْتَ الْمَدِيْنَه
جِئْتَ بِا الْاَمْرِ الْمَطَاعِ مَرْحَبًا يَا خَيْرَ دَاعٍ

ترجمہ: اے وہ ذات گرامی! جو ہمارے اندر مبعوث کئے گئے۔ آپ وہ دین لائے جو اطاعت کے قابل ہے۔ آپ نے مدینہ کو مشرف فرمایا تو آپ کے لئے ''خوش آمدید'' ہے۔ اے بہترین ودعوت دینے والے۔

فَلَبِسْنَا ثَوْبَ يَمَنٍ فَعَلَيْکَ اللّٰہُ صَلّٰی
بَعْدَ تَلْفِيْقِ الرِّقَاعِ مَا سَعیٰ لِلّٰہِ سَاعٍ

ترجمہ: تو ہم لوگوں نے یمنی کپڑے پہنے، حالانکہ اس سے پہلے پیوند جوڑ جوڑ کر کپڑے پہنا کرتے تھے۔ تو آپ پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب تک اللہ کیلئے کوشش کرنے والے کوشش کرتے رہیں۔

مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں جوش مسرت میں جھوم جھوم کر اور دف بجا بجا کر یہ گیت گاتی تھیں کہ ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

ہم خاندان ''بنو النجار'' کی بچیاں ہیں، واہ کیا ہی خوب ہوا کہ حضرت محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہو گئے حضور اقدس ﷺ نے ان بچیوں کے جوش مسرت اور ان کی والہانہ محبت سے متاثر ہو کر پوچھا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ تو بچیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ''جی ہاں'' ''جی ہاں'' یہ سن کر حضور ﷺ نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں''۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 359، ص 360)

چھوٹے چھوٹے لڑکے اور غلام جھنڈ جھنڈ مارے خوشی کے مدینہ کی گلیوں میں حضور ﷺ کی آمد آمد کا نعرہ لگاتے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے۔ صحابی رسول براء بن عاذب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو فرحت و سرور اور انوار و تجلیات حضور سرور عالم ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئے نہ اس سے پہلے کبھی ظاہر ہوئے تھے نہ اس کے بعد۔ (مدارج النبوۃ 2، ص 65)

ابوایوب انصاری کا مکان:

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوش مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے کہ یارسول اللہ! آپ ہمارے گھروں کو شرف نزول بخشیں۔ مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اسی جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے۔ اس کے پاس حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ اسی جگہ حضور ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے اور حضور ﷺ نے انہیں کے مکان پر قیام فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اوپر کی منزل پیش کی۔ مگر آپ نے ملاقاتیوں کی آسانی کا لحاظ فرماتے ہوئے نیچے کی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ دونوں وقت آپ کے لئے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے۔ کھانے میں جہاں حضور ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا۔ حصول برکت کے لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اٹھاتے اور اپنے ہر قول و فعل سے بے پناہ ادب و احترام اور عقیدت و جان نثاری کا مظاہرہ کرتے۔ ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہہ کر نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے اور حضور رحمت عالم ﷺ کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے سارا پانی اپنے لحاف میں خشک کر لیا۔ گھر میں یہی ایک لحاف تھا۔ جو گیلا ہو گیا۔ رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی مگر حضور ﷺ کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے یہ گوارا نہیں کیا۔ سات مہینے تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی شان کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جب مسجد

نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور ﷺ ان حجروں میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔

(زرقانی علی المواہب ج 1، ص 357 وغیرہ)

ہجرت کا پہلا سال قسم قسم کے بہت سے واقعات کو اپنے دامن میں لئے ہے مگر ان میں سے چند بڑے بڑے واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ ہم تحریر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے، خود ان کا اپنا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ جوق در جوق ان کی زیارت کے لئے ہر طرف سے آنے لگے تو میں بھی اسی وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جونہی میری نظر جمال نبوت پر پڑی تو پہلی نظر میں میرے دل نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

پھر حضور ﷺ نے اپنے وعظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ:

اَیُّھَا النَّاسُ اَنْشُو السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ
وَ صَلُّوا بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ۔

ترجمہ: اے لوگو! اسلام کا چرچا کرو اور کھانا کھلاؤ اور (رشتہ داروں کے ساتھ) صلہ رحمی کرو اور راتوں کو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایک نظر دیکھا اور آپ کے یہ چار بول میرے کان میں پڑے تو میں اس قدر متاثر ہو گیا کہ میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی اور میں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا دامن اسلام میں آجانا۔ یہ اتنا اہم واقعہ تھا کہ مدینہ کے یہودیوں میں کھلبلی مچ گئی۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 26 و بخاری وغیرہ)

حضور کے اہل و عیال مدینہ میں:

حضور اقدس ﷺ جب کہ ابھی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان ہی میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ بھیجا تا کہ یہ دونوں صاحبان اپنے

ساتھ حضور ﷺ کے اہل و عیال کو مدینہ لائیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات جا کر حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما اور آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہما کو مدینہ لے آئے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہما نہ آسکیں۔ کیونکہ ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ میں روک لیا اور حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''حبشہ'' میں تھیں۔ انہی لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے سب گھر والوں کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ آگئے ان میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ سب لوگ مدینہ آکر پہلے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے۔

(مدارج النبوۃ ج2، ص72)

مسجد نبوی کی تعمیر:

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھ سکیں۔ اس لئے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی حضور ﷺ کی قیام گاہ کے قریب ہی ''بنو النجار'' کا ایک باغ تھا۔ آپ نے مسجد تعمیر کرنے کے لئے باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا۔ ان لوگوں نے یہ کہہ کر یا رسول اللہ ﷺ! ہم اللہ ہی سے اس کی قیمت (اجر و ثواب) لیں گے مفت میں زمین مسجد کے لئے پیش کر دی۔ لیکن چونکہ یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کے لئے نذر کرنی چاہی۔ مگر حضور سرور عالم ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرما دی۔

(مدارج النبوۃ ج2، ص68)

اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں۔ آپ نے درختوں کے کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ پھر زمین کو ہموار کر کے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ اس

مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ خود حضور ﷺ بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لئے ان کے ساتھ آواز ملا کر حضور ﷺ رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ ؎

اَللّٰھُمَّ لاَ خَیْرَ اِلاَّخَیْرُ اَلْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃ

(بخاری ج 1،ص 61)

اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے۔ لہٰذا اے اللہ! تو انصار و مہاجرین کو بخش دے اسی مسجد کا نام ''مسجد نبوی'' ہے۔ یہ مسجد ہر قسم کے دنیاوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی، اس مسجد کی عمارت اول طول وعرض میں ساٹھ گز لمبی اور چون گز چوڑی تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا۔ مگر جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا۔ اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید وتوسیع ہوتی رہی۔ مسجد کے ایک کنارے پر چبوترہ تھا جس پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنا دی گئی تھی۔ اسی چبوترہ کا نام ''صفہ'' ہے جو صحابہ گھر بار نہیں رکھتے تھے وہ اسی چبوترہ پر سوتے بیٹھتے تھے اور یہی لوگ ''اصحاب صفہ'' کہلاتے تھے۔

(مدارج النبوۃ ج 2،ص 69 وبخاری)

ازواج مطہرات کے مکانات:

مسجد نبوی کے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لئے حجرے بھی بنوائے اس وقت تک حضرت بی بی سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نکاح میں تھیں۔ اس لئے دو ہی مکان بنوائے۔ جب دوسری ازواج مطہرات آتی گئیں تو دوسرے مکانات بنتے گئے یہ مکانات بھی بہت ہی سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ دس دس ہاتھ لمبے چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی پتیوں کی چھت وہ بھی اتنی نیچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا، دروازوں میں کواڑ بھی نہ تھے۔ کمبل یا ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے۔ (طبقات ابن سعد وغیرہ)

اللہ اکبر! یہ ہے شہنشاہ دو عالم ﷺ کا وہ کاشانہ نبوت، جس کی آستانہ بوسی اور

دربانی جبریل علیہ السلام کے لئے سرمایہ سعادت اور باعثِ افتخار تھی۔

اللہ اللہ! وہ شہنشاہ کونین جس کو خالق کائنات نے اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر مسند نشین بنایا اور جس کے سر پر اپنی محبوبیت کا تاج پہنا کر زمین کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھوں میں عطاء فرما دیں اور جس کو کائنات عالم میں قسم قسم کے تصرفات کا مختار بنا دیا۔ جس کے زبان کا ہر فرمان کن کی کنجی۔ جس کی نگاہِ کرم کے ایک اشارہ نے ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہار رہتی تھی۔ انہیں اقوام عالم کی قسمت کی لگام عطاء فرما دی۔ اللہ اکبر! وہ تاجدار رسالت جو سلطان دارین اور شہنشاہ کونین ہے اس کی حرم سرا کا یہ عالم؟ اے سورج! بول اے چاند! بتا۔ تم دونوں نے اس مین کے بے شمار چکر لگائے ہیں مگر کیا تمہاری آنکھوں نے ایسی سادگی کا کوئی منظر کبھی بھی اور کہیں بھی دیکھا ہے۔

مہاجرین کے گھر:

مہاجرین جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے۔ ان لوگوں کو سکونت کے لئے بھی حضور ﷺ نے مسجد نبوی کے قرب و جوار ہی میں انتظام فرمایا۔ انصار نے بہت بڑی قربانی دی کہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے اپنے مکانات اور زمینیں دیں اور مکانوں کی تعمیرات میں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔ جس سے مہاجرین کی آبادکاری میں بڑی سہولت ہو گئی۔

سب سے پہلے جس انصاری نے اپنا مکان حضور ﷺ کو بطورِ ہبہ کے نذر کیا۔ اس خوش نصیب کا نام حارثہ بن نعمان ہے، چنانچہ ازواج مطہرات کے مکانات حضرت حارثہ بن نعمان ہی کی زمین پر بنائے گئے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عائشہ کی رخصتی:

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے نکاح تو ہجرت سے قبل ہی مکہ میں ہو چکا تھا۔ مگر ان کی رخصتی ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں ہوئی۔ حضور ﷺ نے ایک پیالہ دودھ سے لوگوں کی دعوت ولیمہ فرمائی۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 70)

اذان کی ابتدائی:

مسجد نبوی کی تعمیر تو مکمل ہو گئی۔ مگر لوگوں کو نمازوں کے وقت جمع کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جس سے نماز باجماعت کا انتظام ہوتا، اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ بعض نے نمازوں کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا۔ بعض نے ناقوس بجانے کی رائے دی مگر حضور اقدس ﷺ نے غیر مسلموں کے ان طریقوں کو پسند نہیں فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر نماز کے وقت کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو پوری مسلم آبادی میں نماز کا اعلان کر دے۔ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نمازوں کے وقت لوگوں کو پکار دیا کریں۔ چنانچہ وہ ''الصلوٰۃ جامعۃ'' کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے۔ اسی درمیان میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اذان شرعی کے الفاظ کوئی سنا رہا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔ حضور ﷺ نے اس ک منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ چنانچہ اسی دن شروعی اذان کا طریقہ جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا شروع ہو گیا۔ (زرقانی ج 1، ص 376 و بخاری)

انصار و مہاجر بھائی بھائی:

حضرات مہاجرین چونکہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اس لئے پردیس میں مفلسی کے ساتھ وحشت و بیگانگی اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انصار نے ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن مہاجرین دیر تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ سے اپنے دست بازو کی کمائی کھانے کے خوگر تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانی کو دور کرنے اور ان کے لئے مستقل ذریعہ معاش مہیا کرنے کے لئے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت (بھائی چارہ) قائم کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تاکہ

مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعہ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا۔ اس وقت مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ ''اور تم بھائی بھائی ہو'' حضور ﷺ کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتہ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا رشتہ بن گیا۔ چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لا کر رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ اس لئے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے، حد ہو گئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو عبدالرحمان بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری ایک بیوہ جسے آپ پسند کریں، میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔

اللہ اکبر! اس میں شک نہیں کہ انصار کا یہ ایثار ایک ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔ مگر مہاجرین نے کیا طرز عمل اختیار کیا یہ بھی ایک قابل تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ پیش کش کو سن کر حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل و عیال آپ کو مبارک فرمائے مجھے تو آپ بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور بازار ''قینقاع'' کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور کچھ گھی، کچھ پنیر خرید کر شام تک بیچتے رہے۔ اسی طرح روزانہ وہ بازار جاتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کافی مالدار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ انہوں نے اپنی شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا۔ ارشاد فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکتیں عطاء فرمائے۔ تم دعوت ولیمہ کرو۔ اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔
(بخاری باب الولیمہ ولو بشاة ج 2، ص 777)

اور رفتہ رفتہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ ''میں مٹی کو چھو دیتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے'' منقول ہے ان کا سامان تجارت سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی سامان پہنچتا تھا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھیں۔
(اسد الغابہ ج 3، ص 314)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ''قینقاع'' کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی۔ غرض باوجودیکہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مستقل مہمان خانہ تھا۔ مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور بے پناہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

مشہور مورخ اسلام علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ یہ عقد مواخاۃ (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا۔ اس کے علاوہ ایک خاص ''عقد مواخاۃ'' مہاجرین کے درمیان بھی ہوا۔ جس میں حضور ﷺ نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ لیکن مجھے آپ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انت اخی فی الدنیا و الآخرة یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔
(مدارج النبوۃ ج 2، ص 71)

یہودیوں سے معاہدہ:

مدینہ میں انصار کے علاوہ بہت سے یہودی بھی آباد تھے۔ ان یہودیوں کے تین

قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر، قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور نہایت مضبوط محلات اور مستحکم قلعے بنا کر رہتے تھے۔ ہجرت سے پہلے یہودیوں اور انصار میں ہمیشہ اختلافات رہتا تھا اور وہ اختلافات اب بھی موجود تھا اور انصار کے دونوں قبیلے اوس و خزرج بہت کمزور ہو چکے تھے۔ کیونکہ مشہور لڑائی ''جنگ بعاث'' میں ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اور نامور بہادر آپس میں لڑ لڑ کر قتل ہو چکے تھے اور یہودی ہمیشہ اس قسم کی تدبیروں اور شرارتوں میں لگے رہتے تھے کہ انصار کے یہ دونوں قبائل ہمیشہ ٹکراتے رہیں اور کبھی بھی متحد نہ ہونے پائیں۔ ان وجوہات کی بنا پر حضور اقدس ﷺ نے یہودیوں اور مسلمانوں کے آئندہ تعلقات کے بارے میں ایک معاہدہ کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ دونوں فریق امن وسکون کے ساتھ رہیں اور آپس میں کوئی تصادم اور ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر معاہدہ کی ایک دستاویز لکھوائی جس پر دونوں فریقوں کے دستخط ہو گئے۔

اس معاہدہ کی دفعات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

1. خون بہا (جان کے بدلے جو مال دیا جاتا ہے) اور فدیہ (قیدی کو چھڑانے کے بدلے جو رقم دی جاتی ہے) کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا۔ اب وہ بھی قائم رہے گا۔
2. یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔ ان کے مذہبی رسوم میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔
3. یہودی اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
4. یہودی یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
5. اگر مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔
6. کوئی فریق قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دے گا۔
7. کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا فریق بھی اس مصالحت میں شامل ہوگا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی۔

(سیرت ابن ہشام ج4، ص 501 تا 502)

مدینہ کے لئے دعا:

چونکہ مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ یہاں طرح طرح کی وبائیں اور بیماریاں پھیلتی رہتی تھیں۔ اس لئے کثرت سے مہاجرین بیمار ہونے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ شدید لرزہ بخار میں مبتلا ہو کر بیمار ہو گئے اور بخار کی شدت میں یہ حضرات اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے کفار مکہ پر لعنت بھیجتے تھے اور مکہ کی پہاڑیوں اور گھاسوں کے فراق میں اشعار پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی ایسی ہی محبت ڈال دے جیسی مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اور مدینہ کے صاع اور مد (ناپ تول کے برتنوں) میں خیر و برکت عطاء فرما اور مدینہ کے بخار کو ''حجفہ'' کی طرف منتقل فرما دے۔ (مدارج جلد 2، ص 70 و بخاری)

حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے:

1ھ کے واقعات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ فارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد بلکہ ان کے ملک کی پوری آبادی مجوسی (آتش پرست) تھی۔ یہ اپنے آبائی دین سے بیزار ہو کر دین حق کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے۔ مگر ڈاکوؤں نے ان کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنا لیا۔ پھر ان کو بیچ ڈالا۔ چنانچہ یہ کئی بار بکتے رہے اور مختلف لوگوں کی غلامی میں رہے۔ اسی طرح یہ مدینہ پہنچے۔ کچھ دنوں تک عیسائی بن کر رہے اور یہودیوں سے بھی میل جول رکھتے رہتے۔ اس طرح ان کو توریت و انجیل کی کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ حضور ﷺ کی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو پہلے دن تازہ کھجوروں کا ایک طباق خدمت اقدس میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ ''صدقہ'' ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ہمارے سامنے اٹھا کر فقراء و مساکین کو دے دو۔ کیونکہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر دوسرے دن کھجور کا خوان لے کر پہنچے اور یہ کہہ کر ''کہ یہ ہدیہ ہے'' سامنے رکھ دیا تو حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو ہاتھ بڑھانے کا اشارہ فرمایا خود بھی کھا لیا۔ اس درمیان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان جو نظر ڈالی تو ''مہر نبوت'' کو دیکھ لیا۔ چونکہ یہ تورات و انجیل میں نبی آخر الزمان کی نشانیاں پڑھ چکے تھے اس لئے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔

(مدارج جلد 2، ص 71 وغیرہ)

نمازوں کی رکعت میں اضافہ:

اب تک فرض نمازوں میں صرف دو ہی رکعتیں تھیں۔ مگر ہجرت کے سال اول ہی میں جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ظہر وعصر وعشاء میں چار چار رکعتیں فرض ہو گئیں۔ لیکن سفر کی حالت میں اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔ اسی کو سفر کی حالت میں نمازوں میں ''قصر'' کہتے ہیں۔ (مدارج جلد 2، ص 71)

تین جاں نثاروں کی وفات:

اس سال حضرات صحابہ کرام میں سے تین نہایت ہی شاندار اور جان نثار حضرات نے وفات پائی۔ جو درحقیقت اسلام کے سچے جاں نثار اور بہت ہی بڑے معین اور مددگار تھے۔

اول: حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ یہ وہ خوش نصیب مدینہ کے رہنے والے انصاری ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب ہجرت فرما کر ''قبا'' میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انہی کے مکان کو شرف نزول بخشا اور بڑے بڑے مہاجرین صحابہ بھی انہی کے مکان میں ٹھہرے تھے اور انہوں نے دونوں عالم کے میزبان کو اپنے گھر میں مہمان بنا کر ایسی میزبانی اور مہمان نوازی کی کہ قیامت تک تاریخ رسالت کے صفحات پر ان کا نام نامی ستاروں کی طرح چمکتا رہے گا۔

دوم: حضرت برا بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ یہ وہ شخص ہیں کہ ''بیعت عقبہ ثانیہ'' میں سب سے پہلے حضور ﷺ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اپنے قبیلہ ''خزرج'' کے نقیبوں میں تھے۔

سوم: حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ یہ بیعت عقبہء اولی اور بیعت عقبہء ثانیہ کی دونوں بیعتوں میں شامل رہے اور یہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں اسلام کا ڈنکا بجایا اور ہر گھر میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔

جب مذکورہ بالا تینوں معزز صحابہ نے وفات پائی تو منافقین اور یہودیوں نے اس کی خوشی اور حضور ﷺ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو یہ صدمات کیوں پہنچاتا؟ اللہ کی شان کہ ٹھیک اسی زمانے میں کفار کے دو بہت ہی بڑے بڑے سردار بھی مر کر مردار ہو گئے۔ ایک ''عاص بن وائل سہمی'' جو حضرت عمرو

بن العاص صحابی رضی اللہ عنہ فاتح مصر کا باپ تھا۔ دوسرا ''ولید بن مغیرہ'' جو حضرت خالد سیف اللہ صحابی رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔

روایت ہے کہ ''ولید بن مغیرہ'' جان کنی کے وقت بہت زیادہ بے چین ہو کر تڑپا اور بے قرار ہو کر رونے لگا۔ تو ابو جہل نے پوچھا کہ چچا جان! آخر آپ کی بے قراری اور اس گریہ زاری کی کیا وجہ ہے؟ تو ''ولید بن مغیرہ'' بولا کہ میرے بھتیجے! میں اس لئے اتنی بے قراری سے رو رہا ہوں کہ مجھے اب یہ ڈر ہے کہ میرے بعد مکہ میں محمد ﷺ کا دین پھیل جائے گا۔ یہ سن کر ابو سفیان نے تسلی دی اور کہا کہ چچا! آپ ہرگز ہرگز اس کا غم نہ کریں میں ضامن ہوتا ہوں کہ میں دین اسلام کو مکہ میں نہیں پھیلنے دوں گا۔ چنانچہ ابو سفیان اپنے اس عہد پر اس طرح قائم رہے کہ مکہ فتح ہونے تک وہ برابر اسلام کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ مگر فتح مکہ کے دن ابو سفیان نے اسلام قبول کر لیا اور پھر ایسے صادق الاسلام بن گئے کہ اسلام کی نصرت وحمایت کے لئے زندگی بھر جہاد کرتے رہے اور انہی جہادوں میں کفار کے تیروں سے ان کی آنکھیں زخمی ہو گئیں اور وہ روشنی جاتی رہی۔ یہی وہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ہیں جن کے سپوت بیٹے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 73 وغیرہ)

اسی سال 1ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلا بچہ جو پیدا ہوا وہ یہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی والدہ حضرت بی بی اسماء جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ حضور سید عالم ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈال دی۔ اس طرح سب سے پہلی غذا جو ان کے شکم میں پہنچی وہ حضور اقدس ﷺ کا لعاب دہن تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی پیدائش سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس لئے کہ مدینہ کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے مہاجرین پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔

(زرقانی ج 1، ص 460 و اکمال)



باب نمبر:7

ہجرت کا دوسرا سال 2ھ

1ھ کی طرح 2ھ میں بھی بہت سے اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے جن میں سے چند بڑے بڑے واقعات یہ ہیں:

قبلہ کی تبدیلی:

جب تک حضور ﷺ مکہ میں رہے۔ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ شریف لائے تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی نمازوں میں ''بیت المقدس'' کو اپنا قبلہ بنائیں۔ چنانچہ آپ سولہ یا ستارہ مہینے تک بیت

المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر آپ کے دل کی تمنا یہی تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ اکثر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا اٹھا کر اس کے لئے وحی الٰہی کا انتظار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی قلبی آرزو پوری فرمانے کے لئے قرآن کی یہ آیت نازل فرمادی کہ

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (بقرہ)

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ہم ضرور آپ کو پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں آپ کی خوشی ہے تو ابھی آپ پھیر دیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

چنانچہ حضور اقدس ﷺ قبیلہء بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ حالت نماز ہی میں یہ وحی نازل ہوئی اور نماز ہی میں آپ نے بیت المقدس سے مڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کر لیا اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ اس مسجد کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا "مسجد القبلتین" کہتے ہیں اور آج بھی یہ تاریخی مسجد زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ جو شہر مدینہ سے تقریباً دو کلومیٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے۔

اس قبلہ بدلنے کو "تحویل قبلہ" کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ سے یہودیوں کو بڑی سخت تکلیف پہنچی جب تک حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہودی بہت خوش تھے اور فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ چونکہ ہر بات میں ہم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔ اسی طرح منافقین کا گروہ بھی طرح طرح کی نکتہ چینی اور قسم قسم کے اعتراضات کرنے لگا تو ان دونوں گروہوں کی زبان بندی اور دہن دوزی کے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ:

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا ط قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ط وَاِنْ

كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ (بقرہ)

ترجمہ: اب کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے آپ کہہ دیجئے کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے اور (اے محبوب) آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے؟ اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بلاشبہ یہ بڑی بھاری بات تھی مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی ہے (ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں)

پہلی آیت میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ اللہ کی عبادت میں قبلہ کی کوئی خاص جہت ضروری نہیں ہے۔ اس کی عبادت کے لئے پورب، پچھم، اتر، دکھن، سب جہتیں برابر ہیں اللہ تعالیٰ جس جہت کو چاہے اپنے بندوں کے لئے قبلہ مقرر فرما دے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہ ہے۔ دوسری آیت میں منافقین کی زبان بندی کی گئی ہے جو تحویل قبلہ کے بعد ہر طرف یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے تھے کہ پیغمبر اسلام تو اپنے دین کے بارے میں خود ہی متردد ہیں۔ کبھی بیت المقدس کو قبلہ مانتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ کعبہ قبلہ ہے۔ آیت میں تحویل قبلہ کی حکمت بتا دی گئی کہ منافقین جو محض نمائشی مسلمان بن کر نمازیں پڑھا کرتے تھے وہ قبلہ کے بدلتے ہی بدل گئے اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ کون صادق الایمان ہے؟ اور کون منافق؟ اور کون رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والا ہے؟ اور کون دین سے پھر جانے والا؟ (عام کتب تفسیر وسیرت)

لڑائیوں کا سلسلہ

اب تک حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ دلائل اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر کا حکم تھا۔ اسی لئے کافروں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر مسلمانوں نے انتقام کے لئے کبھی ہتھیار نہیں اٹھایا۔ بلکہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب اور یہودی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور ان مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار

دینے کا عزم کرلیا۔ تو اللہ تعالیٰ قدوس نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتداء کریں ان سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔

چنانچہ 12 صفر 2ھ تواریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں اللہ کریم پروردگار نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ (مسلمان) مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد پر یقینا قادر ہے۔

حضرت امام محمد بن شہاب زہری علیہ الرحمتہ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتری وہ یہ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ (بقرہ)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں۔

بہرحال 2ھ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی۔ مگر ابتداء میں یہ اجازت مشروط تھی۔ یعنی صرف ان کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کو ابھی تک اس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں لیکن حق واضح ہو جانے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد چونکہ تبلیغ حق اور احکام الٰہی کی نشر و اشاعت حضور ﷺ پر فرض تھی اس لئے تمام ان کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے جہاد کا حکم نازل ہوگیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں۔ کیونکہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کو قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا یہ عین حکمت اور بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے بعد جتنی لڑائیاں بھی ہوئیں اگر پورے ماحول کو

گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں بھی ہوئیں اگر پورے ماحول کو گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے سر پر مسلط کی گئیں اور غریب مسلمان بدرجہ مجبوری تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ مثلاً مندرجہ ذیل چند واقعات پر ذرا تنقیدی نگاہ سے نظر ڈالے۔

1. حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بے کسی کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اب اطمینان سے بیٹھ رہتے کہ ان کے دشمن یعنی رحمت عالم ﷺ اور مسلمان ان کے شہر سے نکل گئے۔ مگر ہوا یہ کہ ان کافروں کے غیظ وغضب کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اب یہ لوگ اہل مدینہ کے بھی دشمن جان بن گئے۔ چنانچہ ہجرت کے چند روز کفار مکہ نے رئیس انصار ''عبداللہ بن ابی'' کے پاس دھمکیوں سے بھرا ہوا ایک خط بھیجا۔ ''عبداللہ بن ابی'' وہ شخص ہے کہ واقعہ ہجرت سے پہلے تمام مدینہ والوں نے اس کو اپنا بادشاہ مان کر اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی تھی۔ مگر حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہو گئی چنانچہ اسی غم وغصہ میں عبداللہ بن ابی عمر بھر منافقوں کا سردار بن کر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔ (بخاری باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط ج 2، ص 924)

بہر کیف مکہ نے اس دشمن اسلام کے نام پر خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے کہ:

''تم نے ہمارے آدمی محمد ﷺ کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے''۔

(ابو داؤد ج 2، ص 67 باب فی خیر النصیر)

جب حضور ﷺ کو کفار مکہ کے اس تہدید آمیز اور خوفناک خط کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن ابی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے'' چونکہ اکثر انصار دامن اسلام میں آچکے تھے اس

لئے عبداللہ بن ابی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور کفار مکہ کے حکم پر عمل نہیں کر سکا۔

2. ٹھیک اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ گئے اور پرانے تعلقات کی بنا پر ''امیہ بن خلف'' کے مکان پر قیام کیا۔ جب امیہ ٹھیک دوپہر کے وقت ان کو ساتھ لے کر طواف کعبہ کے لئے گیا تو اتفاق سے ابوجہل سامنے آ گیا اور ڈانٹ کر کہا کہ اے امیہ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے ''سعد بن معاذ'' ہیں۔ یہ سن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں (محمد ﷺ اور صحابہ) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ اللہ کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ میں نہ ہوتا تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔ (بخاری کتاب المغازی ج 2، ص 563)

3. کفار مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور ﷺ اور مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ حضور ﷺ راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابہ کرام آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے سارے عرب اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے تمام قبائل میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہات کی موجودگی میں ہر عاقل کو کہنا ہی پڑے گا کہ ان حالات میں حضور ﷺ کو حفاظت خود اختیاری کے لئے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری ہی تھی تا کہ انصار و مہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقاء اور سلامتی کا سامان ہو جائے۔

چنانچہ کفار مکہ کے خطرناک ارادوں کا علم ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے اپنی اور صحابہ کی حفاظت خود اختیاری کے لئے دو تدبیروں پر عمل درآمد کا فیصلہ فرمایا۔

اول: یہ کہ کفار مکہ کی شامی تجارت جس پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے اس میں رکاوٹ ڈال دی جائے تا کہ وہ مدینہ پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں اور صلح پر مجبور ہو جائیں۔

دوم: یہ کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے تا کہ کفار مکہ مدینہ پر حملہ کی نیت نہ کر سکیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہی تدبیروں کے پیش نظر صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا اور بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کے یہ چھوٹے لشکر کبھی کفار مکہ کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لئے جاتے تھے اور کہیں بعض قبائل سے معاہدۂ امن و امان کرنے کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ کہیں اس مقصد سے بھی جاتے تھے کہ کفار مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند کیا جائے اسی سلسلہ میں کفار مکہ اور ان کے حلیفوں سے مسلمان کا ٹکراؤ شروع ہوا اور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انہی لڑائیوں کو تاریخ اسلام میں ''غزوات و سرایا'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

غزوہ سریہ کا فرق:

یہاں مصنفین سیرت کی یہ اصطلاح یاد رکھنی ضروری ہے کہ وہ جنگی لشکر جس کے ساتھ حضور ﷺ بھی تشریف لے گئے۔ اس کو ''غزوہ'' اور وہ لشکروں کی ٹولیاں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شامل نہیں ہوئے ان کو ''سریہ'' کہتے ہیں۔

(مدارج النبوۃ 2، ص 76 وغیرہ)

''غزوات'' یعنی جن جن لشکروں میں حضور ﷺ شریک ہوئے ان کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے ''مواہب لدنیہ'' میں ہے کہ ''غزوات'' کی تعداد ''ستائیس'' ہے اور روضۃ الاحباب میں یہ لکھا ہے کہ ''غزوات'' کی تعداد ایک قول کی بنا پر ''اکیس'' اور بعض کے نزدیک ''چوبیس'' ہے اور بعض نے کہا کہ ''پچیس'' اور بعض نے لکھا ''چھبیس'' ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج 1، ص 388)

مگر حضرت امام بخاری نے حضرت زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے جو روایت تحریر کی ہے۔ اس میں غزوات کی کل تعداد ''انیس'' بتائی گئی ہے اور ان میں سے جن نو غزوات میں جنگ بھی ہوئی وہ یہ ہیں۔

جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب، جنگ بنو قریظہ، جنگ بنو المصطلق، جنگ خیبر، فتح مکہ، جنگ حنین، جنگ طائف۔

''سرایا'' یعنی جن لشکروں کے ساتھ حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے ان کی تعداد

بعض مورخین کے نزدیک ''سینتالیس'' اور بعض کے نزدیک ''چھپن'' ہے۔ امام بخاری نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ''ابوا'' اور سب سے آخری غزوہ ''تبوک'' ہے اور سب سے پہلا ''سریہ'' جو مدینہ سے جنگ کے لئے روانہ ہوا۔ وہ ''سریہ حمزہ'' ہے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

غزوات وسرایا

ہجرت کے بعد کا تقریباً کل زمانہ ''غزوات وسرایا'' کے اہتمام وانتظام میں گزرا اس لئے کہ اگر ''غزوات'' کی کم سے کم تعداد جو روایات میں آئی ہے یعنی ''انیس'' اور ''سرایا'' کی کم تعداد جو روایتوں میں ہے یعنی ''سینتالیس'' شمار کر لی جائے تو نو سال میں حضور ﷺ کی سیرت مقدسہ کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ان تمام غزوات وسرایا اور ان کے وجوہ اسباب کا پورا پورا حال اسلامی تاریخوں میں مذکورہ محفوظ ہے۔ مگر یہ اتنا لمبا چوڑا مضمون ہے کہ ہماری اس کتاب کا تنگ دامن ان تمام مضامین کو سمیٹنے سے بالکل ہی قاصر ہے۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم بالکل ہی ان مضامین کو چھوڑ دیں تو یقیناً ''سیرت رسول'' کا مضمون بالکل ہی ناقص اور نامکمل رہ جائے گا۔ اس لئے مختصر طور پر چند مشہور غزوات وسرایا کا یہاں ذکر کر دینا نہایت ضروری ہے تاکہ سیرت مقدسہ کا یہ اہم باب بھی ناظرین کے لئے نظر افروز ہو جائے۔

سریۂ حمزہ:

حضور اقدس ﷺ نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہو گئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر کفار کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔ اس کا نام ''سریۂ حمزہ'' ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا اعطاء فرمایا اور اس جھنڈے کے نیچے صرف 30 مہاجرین کو ایک لشکرِ کفار کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابو جہل ان کا سپہ سالار تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ''سیف البحر'' تک پہنچے اور دونوں طرف سے جنگ کے لئے صف بندی بھی ہو گئی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو بن جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرا دی۔ (مدارج جلد 2، ص 78 و زرقانی ج 1، ص 390)

سریۂ عبیدبن الحارث:

اسی سال ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت عبیدہ بن الحارث کوسفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر ''رابغ'' کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ لشکر ''ثنیۃ المرۃ'' کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان اور ابوجہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دوسو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے۔ اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(مدارج جلد 2، ص 78 و زرقانی ج 1، ص 392)

سریۂ سعد بن ابی وقاص:

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور ﷺ نے اس مقصد سے بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں۔ اس سریہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔ یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام ''خرار'' پر پہنچا۔ تو پتہ چلا کہ مکہ کفار ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں۔ اس لئے کسی تصادم کی نوبت ہی نہیں آئی۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 392)

غزوۂ ابواء:

اس غزوہ کو ''غزوہ دوان'' بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے پہلا غزہ ہے یعنی پہلی مرتبہ حضور ﷺ جہاد کے ارادہ سے ماہ صفر 2ھ میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا اور مقام ''ابوا'' تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے۔ مگر کفار مکہ فرار ہو چکے تھے۔ اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ ''ابوا'' مدینہ سے اسی میل دور ایک گاؤں ہے۔ جہاں حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلۂ بنوضمرہ کے سردار ''مخشی

بن عمروضمری'' سے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ میں پندرہ دن آپ مدینہ سے باہر رہے۔

(زرقانی علی المواہب ج 1،ص 393)

غزوۂ بواط:

ہجرت کے تیرہویں مہینے 2ھ میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حاکم بنا کر دوسو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور ﷺ جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ کا مقصد کفارِ مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا۔ اس قافلہ کا سالار ''امیہ بن خلف جمحی'' تھا اور قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ حضور ﷺ اس قافلہ کی تلاش میں مقام ''بواط'' تک تشریف لے گئے۔ مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا۔ اس لئے حضور ﷺ بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1،ص 393)

غزوۂ سفوان:

اسی سال ''کرز بن جابر فہری'' نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا اور کچھ اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا مگر وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا اور حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ وادی سفوان ''بدر'' کے قریب ہے۔ اسی لئے بعض مورخین نے اس غزہ کا نام ''غزوہ بدر اولیٰ'' رکھا ہے۔ اس لئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ غزوہ سفوان اور غزوۂ بدر اولیٰ دونوں ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔

(مدارج جلد 2،ص 79)

غزوۂ ذی العشیرہ:

اسی 2ھ میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جار ہا تھا۔ حضور ﷺ ڈیڑھ سو یا دوسو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لئے مقام ''ذی العشیرہ'' تک تشریف لے گئے۔ جو ''ینبوع'' کی بندرگاہ کے قریب ہے۔

مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس لئے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ مگر یہی قافلہ جب شام واپس لوٹا اور حضور ﷺ اس مزاحمت کے لئے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

(زرقانی ج 1، ص 395)

سریۂ عبداللہ بن جحش:

اسی سال ماہ رجب 2 ھ میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک جتھ روانہ فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو لفافہ میں ایک مہر بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لفافہ کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایت لکھی ہوئی ہیں۔ ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان ''نخلہ'' میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا۔ کیونکہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا یہ سب جانثار بے دھڑک مقام ''نخلہ'' پہنچ گئے۔ عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اور اسی دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان و نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے اور اونٹوں پر کھجور اور دوسرا مال تجارت لدا ہوا تھا۔ امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کرا دیں گے اور اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر لازم ہوگا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ اسی تیر سے قتل ہو گیا اور عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبداللہ جحش رضی اللہ عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال و اسباب کو مال غنیمت بنا کر مدینہ

لوٹ آئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔ (زرقانی علی المواہب ج1،ص398)

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے۔ یعنی عثمان اور حکم۔ ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا۔ جو قریش کا ایک بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا اور حکم بن کیسان عمرو مخزومی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام کفار قریش کو غیظ و غضب میں آگ بگولہ بنا دیا اور ''خون کا بدلہ خون'' لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا رد عمل ہے۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفار قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل ہے۔ جس کو حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری ص1284)

جنگِ بدر

''بدر'' مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں زمانہء جاہلیت میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ یہاں ایک کنواں بھی تھا۔ جس کے مالک کا نام ''بدر'' تھا۔ اسی کے نام پر اس جگہ کا نام ''بدر'' رکھ دیا گیا۔ اسی مقام پر جنگ بدر کا وہ عظیم معرکہ ہوا جس میں کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی اور مسلمانوں کو وہ عظیم الشان فتح مبین نصیب ہوئی جس کے بعد اسلام کی عزت و اقبال کا پرچم اتنا بلند ہو گیا کہ کفار قریش کی عظمت و شوکت بالکل ہی خاک میں مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن کا نام ''یوم الفرقان'' رکھا اور قرآن کی سورہ انفال میں تفصیل کے ساتھ اور دوسری سورتوں میں اجمالا بار بار اس معرکہ کا ذکر فرمایا اور اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح مبین کے بارے میں احسان جتاتے ہوئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّة فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۵

ترجمہ:اور یقینا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی مدد فرمائی بدر میں جبکہ تم لوگ کمزور اور بے سروسامان تھے تو تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم لوگ شکر گزار ہو جاؤ۔

جنگ بدر کا سبب:

جنگ بدر کا اصلی سبب تو جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں ''عمرو بن الحضری'' کے قتل سے کفار قریش میں پھیلا ہوا زبردست اشتعال تھا۔جس سے ہر کافر کی زبان پر یہی ایک نعرہ تھا کہ ''خون کا بدلہ خون لے کر رہیں گے''۔

مگر بالکل ناگہاں یہ صورت پیش آگئی کہ قریش کا وہ قافلہ جس کی تلاش میں حضور ﷺ مقام ''ذی العشیرہ'' تک تشریف لے گئے تھے۔مگر وہ قافلہ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ بالکل اچانک مدینہ میں خبر ملی کہ اب وہی قافلہ ملک شام سے لوٹ کر مکہ جانے والا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب مخرمہ بن نوفل وعمرو بن العاص وغیرہ کل تیس یا چالیس آدمی ہیں اور کفار قریش کا مال تجارت جو اس قافلہ میں ہے وہ بہت زیادہ ہے۔حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کفار قریش کی ٹولیاں لوٹ مار کی نیت سے مدینہ کے اطراف میں برابر گشت لگاتی رہتی ہیں اور ''کرز بن جابر فہر'' مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری اور ڈاکہ زنی کر گیا ہے۔لہٰذا کیوں نہ ہم بھی کفار قریش کے اس قافلہ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیں تاکہ کفار قریش کی شامی تجارت بند ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر ہم سے صلح کر لیں حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرام سن کر انصار و مہاجرین اس کے لئے تیار ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی:

چنانچہ 12 رمضان 2ھ کو بڑی عجلت کے ساتھ لوگ چل پڑے۔جو جس حال میں تھا اسی حال میں روانہ ہو گیا۔اس لشکر میں حضور ﷺ کے ساتھ نہ زیادہ ہتھیار تھے نہ فوجی راشن کی کوئی بڑی مقدار تھی۔کیونکہ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اس سفر میں بڑی جنگ ہوگی۔

مگر جب مکہ میں یہ خبر پھیلی کہ مسلمان مسلح ہو کر قریش کا قافلہ لوٹنے کیلئے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو مکہ میں ایک جوش پھیل گیا اور ایک دم کفار قریش کی فوج کا دل

بادل مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ہو گیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر صورت حال سے آگاہ کیا اور صاف صاف فرما دیا کہ ممکن ہے اس سفر میں کفار قریش کے قافلہ سے ملاقات ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کے لشکر سے جنگ کی نوبت آجائے۔ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اور دوسرے مہاجرین نے بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ مگر حضور ﷺ انصار کا منہ دیکھ رہے تھے کیونکہ انصار نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب کفار مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور یہاں مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا معاملہ تھا۔

انصار میں سے قبیلہء خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر بول اٹھے کہ یارسول اللہ! کیا آپ کا ارشاد ہماری طرف ہے؟ اللہ کی قسم! ہم وہ جان نثار ہیں کہ اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں اسی طرح انصار کے ایک اور معزز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے جوش میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑیں۔ بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے لڑیں گے، انصار کے ان دونوں سرداروں کی تقریر سن کر حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ (بخاری غزوۂ بدر، ج 2، ص 264)

مدینہ سے ایک میل دور چل کر حضور ﷺ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ جنگ کے پرخطر موقع پر بھلا بچوں کا کیا کام؟

ننھا سپاہی:

مگر انہی بچوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ جب ان سے واپس ہونے کو کہا گیا تو وہ مچل گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کسی طرح واپس ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر رحمت عالم ﷺ کا قلب نازک متاثر ہو گیا اور آپ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس ننھے سپاہی کے گلے میں بھی ایک تلوار حمائل کر دی مدینہ سے روانہ ہونے کے

وقت نمازوں کے لئے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آپ نے مسجد نبوی کا امام مقرر فرما دیا تھا۔ لیکن جب آپ مقام ''روحا'' میں پہنچے تو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے کچھ خطرہ محسوس فرمایا۔ اس لئے آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر ان کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے چڑھائی والے گاؤں پر نگرانی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

ان انتظامات کے بعد حضور اکرم ﷺ ''بدر'' کی جانب چل پڑے جدھر سے کفار مکہ کے آنے کی خبر تھی۔ اب کل فوج کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے جب آپ مقام ''صفرا'' میں پہنچے تو دو آدمیوں کو جاسوسی کے لئے روانہ کیا۔ تاکہ وہ قافلہ کا پتہ چلائیں کہ وہ کدھر ہے؟ اور کہاں تک پہنچا ہے؟ (زرقانی ج 1، ص 411)

ابوسفیان کی چالاکی:

ادھر کفار قریش کے جاسوس بھی اپنا کام بہت مستعدی سے کر رہے تھے۔ جب حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی۔ اس نے فوراً ہی ''ضمضم بن عمرو غفاری'' کو مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو اس کی خبر کر دے تاکہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کا انتظام کریں اور خود راستہ بدل کر سمندر کی جانب لے کر روانہ ہو گیا۔ ابو سفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو غفاری جب مکہ پہنچا تو اس وقت کے دستور کے مطابق کہ جب کوئی خوفناک خبر سنائی ہوتی تو خبر سنانے والا اپنے کپڑے پھاڑ کر اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر چلا چلا کر خبر سنایا کرتا تھا۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے اپنا کرتہ پھاڑ ڈالا اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر زور زور سے چلانے لگا اے اہل مکہ! تمہارا سارا مال تجارت ابوسفیان کے قافلہ میں ہے اور مسلمانوں نے اس قافلہ کا راستہ روک کر قافلہ کو لوٹ لینے کا عزم کر لیا ہے۔ لہٰذا جلدی کرو اور بہت جلد اپنے اس قافلہ کو بچانے کے لئے ہتھیار لے دوڑ پڑو۔ (زرقانی ج 1، ص 411)

کفار قریش کا جوش:

جب مکہ میں یہ خوفناک خبر پہنچی تو اس قدر ہل چل مچ گئی کہ مکہ کا سارا امن و سکون غارت ہو گیا۔ تمام قبائل قریش اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ سرداران مکہ میں سے

صرف ابولہب اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں نکلا۔ اس کے سوا تمام روساء قریش پوری طرح مسلح ہو کر نکل پڑے اور چونکہ مقام نخلہ کا واقعہ بالکل ہی تازہ تھا۔ جس میں عمرو بن الحضرمی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس کے قافلہ کو مسلمانوں نے لوٹ لیا تھا اس لئے کفار قریش جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ایک ہزار کا لشکر جرار جس کا ہر سپاہی پوری طرح مسلح، دوہرے ہتھیار، فوج کی خوراک یہ انتظام تھا کہ قریش کے مالدار لوگ یعنی عباس بن عبدالمطلب، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، امیہ وغیرہ باری باری سے روزانہ دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور پورے لشکر کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے بڑا رئیس اعظم تھا اس پورے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

ابوسفیان بچ کر نکل گیا:

ابوسفیان جب عام راستہ سے مڑ کر ساحل سمندر کے راستہ پر چل پڑا اور خطرہ کے مقامات سے بہت دور پہنچ گیا اور اس کو اپنی حفاظت کا پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے قریش کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ خط بھیج دیا کہ تم لوگ اپنے مال اور آدمیوں کو بچانے کے لئے اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے تھے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم لوگ مسلمانوں کی یلغار اور لوٹ مار سے بچ گئے ہیں اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہم مکہ پہنچ رہے ہیں۔

کفار میں اختلاف:

ابوسفیان کا یہ خط کفار مکہ کو اس وقت ملا۔ جب وہ مقام ''جحفہ'' میں تھے۔ خط پڑھ کر قبیلہ بنو زہرہ اور قبیلہ بنو عدی کے سرداروں نے کہا کہ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو واپس لوٹ جانا چاہئے۔ یہ سن کر ابوجہل بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ہم اللہ کی قسم اسی شان کے ساتھ بدر تک جائیں گے۔ وہاں اونٹ ذبح کریں گے خوب کھائیں گے کھلائیں گے۔ شراب پئیں گے۔ ناچ رنگ کی محفلیں جمائیں گے تا کہ تمام قبائل عرب پر ہماری عظمت اور شوکت کا سکہ بیٹھ جائے اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں۔ کفار قریش نے ابوجہل کی رائے پر عمل کیا۔ لیکن بنو زہرہ اور بنو عدی کے دونوں قبائل واپس لوٹ گئے۔ ان دونوں قبیلیوں کے سوا باقی کفار

قریش کے تمام قبائل جنگ بدر میں شامل ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام ج2، 618 تا 619)

کفار قریش بدر میں:

کفار قریش چونکہ مسلمانوں سے پہلے بدر میں پہنچ گئے تھے۔ اس لئے مناسب جگہوں پر ان لوگوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ حضور ﷺ جب بدر کے قریب پہنچے تو شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف بھیجا۔ تاکہ یہ لوگ کفار قریش کے بارے میں خبر لائیں۔ ان حضرات نے قریش کے دو غلاموں کو پکڑ لیا جو لشکر کفار کے لئے پانی بھرنے پر مقرر تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں غلاموں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس قریشی فوج میں قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہے تو دونوں غلاموں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عمر بن عبدود، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ سب اس لشکر میں موجود ہیں۔ یہ فہرست سن کر حضور ﷺ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانو! سن لو۔ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔ (مسلم ج2، ص102 غزوہ بدر وزرقانی وغیرہ)

تاجدار دو عالم بدر کے میدان میں:

حضور ﷺ نے جب بدر میں نزول فرمایا۔ تو اسی جگہ پڑاؤ ڈالا کہ جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ کوئی چشمہ اور وہاں کی زمین اتنی ریتلی تھی کہ گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنستے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے پڑاؤ کے لئے جس جگہ کو منتخب فرمایا ہے یہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری ہے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میری رائے میں جنگی تدابیر کی رو سے بہتر یہ ہے کہ ہم کچھ آگے بڑھ کر پانی کے چشموں پر قبضہ کرلیں۔ تاکہ کفار جن کنوؤں پر قابض ہیں وہ بیکار ہو جائیں۔ کیونکہ انہی چشموں سے ان کے کنوؤں میں پانی جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا گیا۔ اللہ کی شان کہ بارش بھی ہوگئی۔

جس سے میدان کی گرد اور ریت جم گئی جس پر مسلمانوں کے لئے چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور کفار کی زمین کیچڑ ہو گئی جس سے ان کو چلنے پھرنے میں دشواری ہو گئی اور مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جابجا حوض بنا لئے تاکہ یہ پانی غسل اور وضو کے کام آئے۔ اسی احسان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ۔ (انفال)

ترجمہ: اور اللہ نے آسمان سے پانی برسا دیا کہ وہ تم لوگوں کو پاک کرے۔

سرورِ کائنات کی شب بیداری:

17 رمضان 2ھ جمعہ کی رات تھی تمام فوج تو آرام و چین کی نیند سو رہی تھی۔ مگر ایک سرورِ کائنات کی ذات تھی، جو ساری رات اللہ تعالیٰ سے لو لگائے دعا میں مصروف تھی۔ صبح نمودار ہوئی تو آپ نے لوگوں کو نماز کے لئے بیدار فرمایا پھر نماز کے بعد قرآن کی آیات جہاد سنا کر ایسا لرزہ خیز اور ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدین اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور لوگ میدان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔

کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟:

رات ہی میں چند جان نثاروں کے ساتھ آپ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا۔ اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اسی چھڑی سے زمین پر لکیر بناتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور کل یہاں فلاں کافر کی لاش پڑی ہوئی ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے جس جگہ جس کافر کی قتل گاہ بتائی تھی اس کافر کی لاش ٹھیک اسی جگہ پائی گئی۔ ان میں سے کسی ایک نے لکیر سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کیا۔

(ابوداؤد ج 2، ص 364 مطبع نامی و مسلم ج 2، ص 102 غزوۂ بدر)

اس حدیث سے صاف اور صریح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟ ان دونوں غیب کی باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطاء فرمایا تھا۔

لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی:

کفار قریش لڑنے کے لئے بے تاب تھے۔ مگر ان لوگوں میں سلجھے دل و دماغ کے لوگ بھی تھے جو خون ریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم بن حزام جو بعد میں مسلمان ہو گئے بہت ہی سنجیدہ اور نرم خو تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ آخر اس خون ریزی سے کیا فائدہ؟ میں آپ کو ایک نہایت ہی مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ عمرو بن الحضرمی کا خون ہے اور وہ آپ کا حلیف ہے۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے۔ اس طرح یہ لڑائی ٹل جائے گی اور آج کا دن آپ کی تاریخ زندگی آپ کی نیک نامی کی یادگار بن جائے گا کہ آپ کے تدبر سے ایک بہت ہی خوفناک اور خون ریز لڑائی ٹل گئی۔ عتبہ بذات خود بہت ہی مدبر اور نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے بخوشی اس مخلصانہ مشورہ کو قبول کر لیا۔ مگر اس معاملہ میں ابوجہل کی منظوری بھی ضروری تھی۔ چنانچہ حکیم بن حزام جب عتبہ بن ربیعہ کا یہ پیغام لے کر ابوجہل کے پاس گئے تو ابوجہل کی رگ جہالت بھڑک اٹھی اور اس نے ایک خون کو کھولا دینے والا طعنہ مارا اور کہا کہ ہاں، ہاں! میں خوب سمجھتا ہوں کہ عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا ہے۔ چونکہ اس کا بیٹا حذیفہ مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ اس لئے وہ جنگ سے جی چراتا ہے تاکہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔ پھر ابوجہل نے اس پر بس نہیں کیا۔ بلکہ عمرو بن الحضرمی مقتول کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر کہا کہ دیکھو تمہارے بھائی مقتول عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کی ساری سکیم تہس نہس ہوئی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بزدلی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی عامر بن الحضرمی نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر دھول ڈالتے ہوئے ''واعمرہ۔ واعمرہ'' کا نعرہ مارنا شروع کر دیا اس کارروائی نے کفار قریش کی تمام فوج میں آگ لگا دی اور سارا لشکر خون کم بدلہ خون کے نعروں سے گونجنے لگا اور سپاہی جوش میں آپے سے باہر ہو کر جنگ کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گیا۔ عتبہ نے جب ابوجہل کا طعنہ سنا تو وہ بھی غصہ میں بھر گیا اور کہا کہ ابوجہل سے کہہ دو کہ میدان جنگ بتائے گا کہ بزدل کون ہے؟ یہ کہہ کر لوہے کی ٹوپی طلب کی۔ مگر اس کا سر اتنا بڑا تھا کہ کوئی ٹوپی اس کے سر پر ٹھیک نہیں بیٹھی تو مجبوراً

اس نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹا اور ہتھیار پہن کر جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

مجاھدین کی صف آرائی:

17 رمضان 2ھ جمعہ کے دن حضور ﷺ نے مجاہدین اسلام کو صف بندی کا حکم دیا۔ دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس کے اشارے سے آپ صفیں درست فرما رہے تھے کہ کوئی شخص آگے پیچھے نہ رہنے پائے اور یہ بھی حکم فرما دیا کہ بجز ذکر الٰہی کے کوئی شخص کسی قسم کا کوئی شور وغل نہ مچائے۔ عین ایسے وقت میں کہ جنگ کا نقارہ بجنے والا ہی ہے۔ دو ایسے واقعات درپیش ہو گئے جو نہایت ہی عبرت خیز اور بہت زیادہ نصیحت آموز ہیں۔

شکم مبارک کا بوسہ:

حضور ﷺ اپنی چھڑی کے اشارہ سے صفیں سیدھی فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت سواد انصاری رضی اللہ عنہ کا پیٹ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اپنی چھڑی سے ان کے پیٹ پر ایک کونچا دے کر فرمایا کہ استوِ یا سواد (اے سواد سیدھے کھڑے ہو جاؤ) حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! آپ نے میرے شکم پر چھڑی ماری ہے۔ مجھے آپ سے اس کا قصاص (بدلہ) لینا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنا پیراہن شریف اٹھا کر فرمایا کہ اے سواد! لو میرا شکم حاضر ہے تم اس پر چھڑی مار کر مجھ سے اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر آپ کے شکم مبارک کو چوم لیا اور پھر نہایت ہی والہانہ انداز میں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے سواد تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا یارسول اللہ! میں اس وقت جنگ کی صف میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر کھڑا ہوں۔ شاید موت کا وقت آ گیا ہو۔ اس وقت میرے دل میں اس تمنا نے جوش مارا کہ کاش مرتے وقت میرا بدن آپ کے جسم اطہر سے چھو جائے یہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے اس جذبۂ محبت کی قدر فرماتے ہوئے ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں معذرت کرتے ہوئے اپنا قصاص معاف کر دیا اور تمام صحابۂ کرام حضرت سواد رضی اللہ عنہ کی اس عاشقانہ ادا کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ان کا منہ تکتے رہ گئے۔

(سیرت ابن ہشام غزوہ بدر ج 2، ص 626)

عہد کی پابندی:

اتفاق سے حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت ابو حسیل رضی اللہ عنہما یہ دونوں صحابی کہیں سے آرہے تھے۔ راستہ میں کفار نے ان دونوں کو روکا کہ تم دونوں بدر کے میدان میں محمد ﷺ کی مدد کرنے کے لئے جارہے ہو، ان دونوں نے انکار کیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا عہد کیا۔ چنانچہ کفار نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔ جب یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے ان دونوں کو لڑائی کی صفوں سے الگ کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم ہر حال میں عہد کی پابندی کریں گے ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔ (مسلم باب الوفا بالعہد ج 2، ص 106)

ناظرین کرام! غور کیجئے۔ دنیا جانتی ہے کہ جنگ کے موقع پر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دشمنوں کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ہو۔ ایک ایک سپاہی کتنا قیمتی ہوتا ہے؟ مگر تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنی کمزور فوج کو دو بہادر اور جانباز مجاہدوں سے محروم رکھنا پسند فرمایا۔ مگر کوئی مسلمان کسی کافر سے بھی بدعہدی اور وعدہ خلافی کرے اس کو گوارا نہیں فرمایا۔

اللہ اکبر! اے اقوام عالم کے بادشاہ ہو! اللہ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری تاریخ زندگی کے بڑے بڑے دفتروں میں کوئی ایسا چمکتا ہوا ورق بھی ہے؟ اے چاند و سورج کی دوربین نگا ہو! تم اللہ کے لئے بتاؤ؟ کیا تمہاری آنکھوں نے بھی کبھی صفحہ ہستی پر پابندی عہد کی کوئی ایسی مثال دیکھی ہے؟ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم اس کے جواب میں ''نہیں'' کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے:

اب وہ وقت ہے کہ میدان بدر میں حق و باطل کی دونوں صفیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ۔ (آل عمران)

ترجمہ: جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کا نشان ہے۔ ایک

اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا اللہ کا منکر تھا۔

حضور ﷺ مجاہدین اسلام کی صف بندی سے فارغ ہو کر مجاہدین کی قرارداد کے مطابق اپنے اس چھپر میں تشریف لے گئے۔ جس کو صحابہ کرام نے آپ کی نشست کے لئے بنا رکھا تھا۔ اب اس چھپر کی حفاظت کا سوال بے حد اہم تھا کیوں کہ کفار قریش کے حملوں کا اصل نشانہ حضور تاجدار دو عالم ﷺ ہی کی ذات تھی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس چھپر کا پہرہ دے لیکن اس موقع پر بھی آپ کے یار غار حضرت صدیق باوقار ہی کی قسمت میں یہ سعادت لکھی تھی کہ وہ ننگی تلوار لے کر اس جھونپڑی کے پاس ڈٹے رہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی چند انصاریوں کے ساتھ اس چھپر کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ (زرقانی ج 1، ص 418)

دعاء نبوی:

حضور سرور دو عالم ﷺ اس نازک گھڑی میں جناب باری سے لو لگائے گریہ وزاری کے ساتھ کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ

''اے اللہ! تو مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے۔ آج اسے پورا فرمادے''۔

آپ پر اس قدر رقت اور محویت طاری تھی کہ جوش گریہ میں چادر مبارک دوش انور سے گر گر پڑتی تھی۔ مگر آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی۔ کبھی آپ سجدہ میں سر رکھ کر اس طرح دعا مانگتے کہ

''الٰہی! اگر یہ چند نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے''۔

(سیرت ابن ہشام ج 2، ص 227)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے یار غار تھے۔ آپ کو اس طرح بے قرار دیکھ کر ان کے دل کا سکون جاتا رہا اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آپ کے مقدس کندھے پر ڈال دی اور آپ کا دست مبارک تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور! اب بس کیجئے۔ اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

اپنے یار غار صدیق جان نثار کی بات مان کر آپ نے دعا ختم کر دی اور آپ کی زبان مبارک پر اس آیت کا ورد جاری ہو گیا کہ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ٥

ترجمہ: عنقریب (کفار کی) فوج کو شکست دے دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔ جس میں فتح مبین کی بشارت کی طرف اشارہ تھا۔

لڑائی کس طرح شروع ہوئی:

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے عامر بن الحضرمی جو اپنے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بے قرار تھا۔ جنگ کے لئے آگے بڑھا اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے اور لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ ناگہاں ان کو کفار کا ایک تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج 2، ص 627)

حضرت عمیر کا شوق شہادت:

حضور اقدس ﷺ نے جب جوش جہاد کا وعظ فرماتے ہوئے یہ اشارہ فرمایا کہ مسلمانو! اس جنت کی طرف بڑھے چلو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! کیا جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ''ہاں'' یہ سن کر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا ''واہ واہ'' آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں اے عمیر! تم نے ''واہ واہ'' کس لئے کہا؟ عرض کیا یا رسول اللہ! فقط اس امید پر کہ میں بھی جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عمیر! تو بے شک جنتی ہے۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ یہ بشارت سنی تو مارے خوشی کے کھجوریں پھینک کر کھڑے ہو گئے اور ایک دم کفار کے لشکر پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور جاں بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(مسلم کتاب الجھاد باب سقوط فرض الجھاد عن المعذ ورین ج 2، ص 139)

کفار کا سپہ سالار مارا گیا:

کفار کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ اپنے سینہ پر شتر مرغ کا پر لگائے ہوئے اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر غصہ میں بھرا ہوا اپنی صف سے نکل کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ اسلامی صفوں میں سے حضرت عوف اور حضرت معاذ و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے ان لوگوں کے نام ونسب پوچھا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ انصاری ہیں تو عتبہ نے کہا کہ ہم کو تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں۔ پھر عتبہ نے چلا کر کہا کہ اے محمد ﷺ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں۔ اشراف قریش کو ہم سے لڑنے کے لئے میدان میں بھیجئے۔ حضور ﷺ نے حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آپ لوگ ان تینوں کے مقابلہ کے لئے نکلیں۔ چنانچہ یہ تینوں بہادران اسلام میدان میں نکلے۔ چونکہ یہ تینوں حضرات سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ جس سے ان کے چہرے چھپ گئے تھے۔ اس لئے عتبہ نے ان حضرات کو نہیں پہچانا اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جب ان تینوں نے اپنے اپنے نام ونسب بتائے تو عتبہ نے کہا کہ ''ہاں اب ہمارا جوڑ ہے'' جب ان لوگوں میں جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ایمانی شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بدر کی زمین دہل گئی اور کفار کے دل تھرا گئے اور ان کی جنگ کا انجام یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا۔ دونوں انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ مگر آخر کار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے وار سے مار مار کر عتبہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر قاتلانہ حملہ کیا اور خوب لڑے لیکن اسد اللہ الغالب کی ذوالفقار نے ولید کو مار گرایا اور وہ ذلت کے ساتھ قتل ہو گیا۔ مگر عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح زخمی کر دیا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ جھپٹے اور آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے۔ ان کی پنڈلی ٹوٹ کر چور چور ہو گئی تھی اور نلی کا گودا بہہ رہا تھا۔ اس حالت میں عرض کیا یا رسول

اللہ کیا میں شہادت سے محروم رہا۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ تم شہادت سے سرفراز ہو گئے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر آج میرے اور آپ کے چچا ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ مان لیتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہو کہ ؎

وَ نُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ
وَنَذْ هَلُ عَنْ اَبْنَائِ نَاوَ الْحَلَائِلِ

یعنی ہم محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ہم ان کے گرد لڑ لڑ کر پچھاڑ دیئے جائیں گے اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔
(ابو داؤد ج 2، ص 361 مطبع نامی و زرقانی علی المواہب ج 1، ص 418)

حضرت زبیر کی تاریخی برچھی:

اس کے بعد سعید بن العاص کا بیٹا ''عبیدہ'' سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس اور ہتھیاروں سے چھپا ہوا۔ صف سے باہر نکلا اور یہ کہہ کر اسلامی لشکر کو للکارنے لگا کہ ''میں ابو کرش ہوں'' اس کی یہ مغرورانہ للکار سن کر حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اپنی برچھی لے کر مقابلہ کے لئے نکلے مگر یہ دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے جو لوہے سے چھپا ہوا نہ ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس کی آنکھ میں اس زور سے برچھی ماری کہ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس کی آنکھ کو چھیدتی ہوئی کھوپڑی کی ہڈی میں چبھ گئی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر پوری طاقت سے کھینچا تو بڑی مشکل سے برچھی نکلی۔ لیکن اس کا سر مڑ کر خم ہو گیا۔ یہ برچھی ایک تاریخی یادگار بن کر برسوں تبرک بنی رہی۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ برچھی طلب فرمائی اور اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا پھر حضور ﷺ کے بعد چاروں خلفاء راشدین کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آئی یہاں تک کہ 73ھ میں جب بنو امیہ کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو شہید کر دیا۔ تو یہ برچھی بنو امیہ کے قبضہ میں چلی گئی۔ پھر اس کے بعد لاپتہ ہو گئی۔

(بخاری غزوۂ بدر ج 2، ص 570)

ابو جہل ذلت کے ساتھ مارا گیا:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں صف میں کھڑا تھا اور میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔ ایک نے چپکے سے پوچھا کہ چچا جان! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ کیوں بھتیجے؟ تم کو ابو جہل سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ چچا جان! میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ میں ابو جہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا تو اس کو قتل کر دوں گا یا خود لڑتا ہوا مارا جاؤں گا کیونکہ وہ اللہ کے رسول کا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔ حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں حیرت سے اس نوجوان کا منہ تاک رہا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے یہی کہا اتنے میں ابو جہل تلوار گھماتا ہوا سامنے آ گیا اور میں نے اشارہ سے بتا دیا کہ ابو جہل یہی ہے بس پھر کیا تھا۔ یہ دونوں لڑکے تلواریں لے کر اس پر اس طرح جھپٹے جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ دونوں نے اپنی تلواروں سے مار مار کر ابو جہل کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما تھے جو ''عفراء'' کے بیٹے تھے۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کے قاتل حضرت معاذ پر حملہ کر دیا اور پیچھے سے ان کی بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑہ باقی رہ گیا اور ہاتھ لٹکنے لگا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عکرمہ کا پیچھا کیا اور دور تک دوڑایا مگر عکرمہ بھاگ کر بچ گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس حال میں بھی لڑتے رہے لیکن کٹے ہوئے ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہو رہی تھی تو انہوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر اس زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہو گیا اور پھر وہ آزاد ہو کر ایک ہاتھ سے لڑتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کے پاس سے گزرے اس وقت ابو جہل میں کچھ کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند کر فرمایا کہ ''تو ہی ابو جہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے کیسا رسوا کیا''۔ ابو جہل نے اس حالت میں بھی گھمنڈ کے ساتھ یہ کہا کہ تمہارے لئے یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ میرا قتل ہو جانا اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ ہاں مجھے اس کا افسوس ہے کہ کاش مجھے کسانوں

کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل کرتا۔ حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما چونکہ یہ دونوں انصاری تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور قبیلہء قریش کے لوگ کسانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ اس لئے ابوجہل نے کسانوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کو اپنے لئے قابل افسوس بتایا۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد حضور اکرم ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود کو ساتھ لے کر جب ابوجہل کی لاش کے پاس سے گزرے تو لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابوجہل اس زمانے کا ''فرعون'' ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹ کر تاجدار دو عالم ﷺ کے قدموں پر ڈال دیا۔

(بخاری غزوہ بدر و دلائل النبوۃ ج 2، ص 173)

ابوالبختری کا قتل:

حضور ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ کچھ لوگ کفار کے لشکر میں ایسے بھی ہیں۔ جن کو کفار مکہ دباؤ ڈال کر لائے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے نام بھی حضور ﷺ نے بتا دیئے تھے۔ انہیں لوگوں میں ابو البختری بھی تھا جو اپنی خوشی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ بلکہ کفار قریش اس پر دباؤ ڈال کر زبردستی کر کے لائے تھے۔ عین جنگ کی حالت میں حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ کی نظر ابوالبختری پر پڑی جو اپنے ایک گہرے دوست جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو البختری! چونکہ حضور ﷺ نے ہم لوگوں کو تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے میں تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں ابوالبختری نے کہا کہ میرے ساتھی جنادہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کو ہم زندہ نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ سن کر ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری نے رجز کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

لَنْ يُسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ زَمِيلَهُ

حَتّٰى يَمُوْتَ اَوْ يَرٰى سَبِيلَهُ

ترجمہ: ایک شریف زادہ اپنے ساتھی کو کبھی ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک کہ

مر نہ جائے یا اپنا راستہ دیکھ لے۔

اُمیّہ کی ہلاکت:

امیہ بن خلف بہت ہی بڑا دشمن رسول تھا۔ جنگ بدر میں جب کفر و اسلام کے دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے تو امیہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر حضرت عبداللہ الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے چمٹ گیا کہ میری جان بچایئے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو رحم آ گیا اور آپ نے چاہا کہ امیہ بچ کر نکل بھاگے۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھ لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب امیہ کے غلام تھے تو امیہ نے ان کو بہت زیادہ ستایا تھا اس لئے جوش انتقام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو پکارا۔ انصاری لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبداللہ الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کے لئے اس کے اوپر لیٹ کر اس کو چھپانے لگے۔ لیکن حضرت بلال اور انصار رضی اللہ عنہم نے ان کی ٹانگوں کے اندر ہاتھ ڈال کر اور بغل سے تلوار گھونپ گھونپ کر اس کو قتل کر دیا۔ (بخاری ج 1، ص 308 باب اذا وکل المسلم حربیًا)

فرشتوں کی فوج:

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتار دیا تھا۔ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار ہو گئے۔

(قرآن سورہ آل عمران و انفال)

جب خوب گھمسان کا رن پڑا تو فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے۔ مگر ان کی حرب و ضرب کے اثرات صاف نظر آتے تھے۔ بعض کافروں کی ناک اور منہ پر کوڑوں کی مار کا نشان پایا جاتا تھا۔ کہیں بغیر تلوار مارے سر کٹ کر گرتا نظر آتا تھا۔ یہ آسمان سے آنے والے فرشتوں کو فوج کے کارنامے تھے۔

کفار نے ہتھیار ڈال دیئے:

عتبہ، شیبہ، ابو جہل وغیرہ کفار قریش کے سرداروں کی ہلاکت سے کفار مکہ کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ہتھیار ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے اور

مسلمانوں نے ان لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔
اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی اپنا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس جنگ میں کفار مکہ کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہوگئی۔ کفار قریش کے بڑے بڑے نامور سردار جو بہادری اور فن سپہ گری میں یکتائے روزگار تھے۔ ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان ناموروں میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث وغیرہ قریش کے سرتاج تھے۔ یہ سب مارے گئے۔

شھدائے بدر:

جنگ بدر میں کل چودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے جن میں سے چھ مہاجر، آٹھ انصار تھے، شہداء مہاجرین کے نام یہ ہیں۔ ((1 حضرت عبیدہ بن الحارث ((2 حضرت عمیر بن ابو وقاص ((3 حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد ((4 حضرت عاقل بن ابی بکر ((5 حضرت مہجع ((6 حضرت صفوان بن بیضاء اور انصار کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ ((7 حضرت سعد بن خثیمہ ((8 حضرت مبشر بن عبدالمنذر ((9 حضرت حارثہ بن سراقہ ((10 حضرت معوذ بن عفراء ((11 حضرت عمیر بن حمام ((12 حضرت رافع بن معلّٰی ((13 حضرت عوف بن عفراء ((14 حضرت یزید بن حارث رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (زرقانی ج 1، ص 422 وص 445)

ان شہیداء بدر میں سے تیرہ حضرات تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر سے واپسی پر منزل ''صفرائ'' میں وفات پائی اس لئے ان کی قبر شریف منزل ''صفرائ'' میں ہے۔

(زرقانی ج 1، ص 445)

بدر کا گڑھا:

حضور اکرم ﷺ کا ہمیشہ یہ طرز عمل رہا کہ جہاں کبھی کوئی لاش نظر آتی تھی۔ آپ اس کو دفن کروا دیتے تھے۔ لیکن جنگ بدر میں قتل ہونے والے کفار چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ سب کو الگ الگ دفن کرنا ایک دشوار کام تھا۔ اس لئے تمام لاشوں کو

آپ نے بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے تمام لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی۔ صحابہ کرام نے اس کو گھسیٹنا چاہا تو اس کے اعضاء الگ الگ ہونے لگے، اس لئے اس کی لاش وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔

(بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل ج 2،ص 566)

کفار کی لاشوں سے خطاب:

جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں تو حضور سرور عالم ﷺ نے اس گھڑے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ! اے فلاں! اے فلاں! کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک سچ پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کا بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ ان بے روح کے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! قسم اللہ کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔

(بخاری ج 1،ص 183 باب ماجاء فی عذاب القبر ، بخاری ج 2،ص 566)

ضروری تنبیہ:

بخاری وغیرہ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کفار کے مردے زندوں کی بات سنتے ہیں تو پھر مومنین خصوصاً اولیاء اللہ، شہدائ، انبیاء علیہم اسلام وفات کے بعد یقینا ہم زندوں کا سلام و کلام اور ہماری فریادیں سنتے ہیں اور حضور ﷺ نے جب کفار کی مردہ لاشوں کو پکارا تو پھر اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی ولیوں، شہیدوں اور نبیوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا بھلا کیوں نہ جائز و درست ہوگا؟ اسی لئے تو حضور اکرم ﷺ جب مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو قبروں کی طرف اپنا رخ انور کر کے یوں فرماتے کہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا

وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ (مشکوۃ باب زیار القبور)

ترجمہ: یعنی اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم لوگ ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔

اور حضور ﷺ نے اپنی امت کو بھی یہی حکم دیا ہے اور صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ جب تم لوگ قبروں کی زیارت کے لئے جاؤ تو۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ۔

(مشکوۃ باب زیارہ القبور ص 156)

ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مردے زندوں کا سلام و کلام سنتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ سنتے ہی نہیں ان کو سلام کرنے سے کیا حاصل؟

مدینہ کو واپسی:

فتح مکہ کے بعد تین دن حضور ﷺ نے ''بدر'' میں قیام فرمایا۔ پھر تمام اموال غنیمت اور کفار قیدیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب ''وادی صفرائ'' میں پہنچے تو مال غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضور ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔ جنگ بدر کے موقع پر بیمار تھیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو صاحبزادی کی تیارداری کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیدیا تھا۔ اس لئے وہ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ مگر حضور ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان کو مجاہدین بدر کے برابر ہی حصہ دیا اور ان کے برابر ہی اجر و ثواب کی بشارت بھی دی۔ اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی اصحاب بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجاہدین بدر کا استقبال:

حضور اقدس ﷺ نے فتح کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح مبین کی خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ بھیج دیا تھا۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ

خوشخبری لے کر جب مدینہ پہنچے تو تمام اہل مدینہ جوش مسرت کے ساتھ حضور ﷺ کی آمد آمد کے انتظار میں بے قرار رہنے لگے اور جب تشریف آوری کی خبر پہنچی تو اہل مدینہ نے آگے بڑھ کر مقام ''روحا'' میں آپ کا پُرجوش استقبال کیا۔

(ابن ہشام ج 2، ص 643)

قیدیوں کے ساتھ سلوک:

کفار مکہ جب اسیران جنگ بن کر مدینہ میں آئے تو ان کو دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا اور لوگ ان کو دیکھ کر کچھ نہ کچھ بولتے رہے۔ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا ان قیدیوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لائیں اور یہ دیکھا کہ ان قیدیوں میں ان کے قریبی رشتہ دار ''سہیل'' بھی ہیں تو وہ بے ساختہ بول اٹھیں کہ ''اے سہیل! تم نے بھی عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لیں۔ تم سے یہ نہ ہو سکا کہ بہادر مردوں کی طرح لڑتے ہوئے قتل ہو جاتے''۔

(سیرت ابن ہشام ج 2، ص 645)

ان قیدیوں کو حضور ﷺ نے صحابہ میں تقسیم کر دیا اور حکم یہ دیا کہ ان قیدیوں کو آرام کے ساتھ رکھا جائے۔ چنانچہ دو، دو چار قیدی صحابہ کے گھروں میں رہنے لگے اور صحابہ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا کہ ان لوگوں کو گوشت روٹی وغیرہ حسب مقدور بہترین کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔

(ابن ہشام ج 2، ص 646)

قیدیوں میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے بدن پر کرتا نہیں تھا لیکن وہ اتنے لمبے قد کے آدمی تھے کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) چونکہ قد میں ان کے برابر تھا۔ اس لئے اس نے اپنا کرتا ان کو پہنا دیا۔ بخاری میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے کفن کے لئے جو اپنا پیراہن شریف عطاء فرمایا تھا۔ وہی اس احسان کا بدلہ تھا۔

(بخاری باب الکسوۃ ملا ساری ج 1، ص 422)

اسیرانِ جنگ کا انجام:

ان قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ

فرمایا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ ان سب دشمنان اسلام کو قتل کر دینا چاہئے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنی تلوار سے قتل کرے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ آخر یہ سب لوگ اپنے عزیز و اقارب ہی ہیں۔ لہٰذا انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان لوگوں سے بطور فدیہ کچھ رقم لے کر ان سب کو رہا کر دیا جائے۔ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہے۔ فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کی مالی امداد کا سامان بھی ہو جائے گا اور شاید آئندہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام کی توفیق نصیب فرمائے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنجیدہ رائے کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ جو لوگ مفلسی کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے تھے۔ وہ یوں ہی بلا فدیہ چھوڑ دیئے گئے۔ ان قیدیوں میں جو لوگ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ وہ انصار کے دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

(ابن ہشام ج 2، ص 646)

حضرت عباس کا فدیہ:

انصار نے حضور ﷺ سے یہ درخواست عرض کی کہ یا رسول اللہ! حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے یہ درخواست منظور نہیں فرمائی۔ حضرت عباس قریش کے ان دس دولت مند رئیسوں میں سے تھے جنہوں نے لشکر کفار کے راشن کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ اس غرض کے لئے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ فوج کو کھانا کھلانے میں ابھی حضرت عباس کی باری نہیں آئی تھی۔ اس لئے وہ سونا ابھی تک ان کے پاس محفوظ تھا۔ اس سونے کو حضور ﷺ نے مال غنیمت میں شامل فرما لیا اور حضرت عباس سے مطالبہ فرمایا کہ وہ اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عمرو بن جحدم چار شخصوں کا فدیہ ادا کریں۔ حضرت عباس نے کہا کہ میرے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے میں کہاں سے فدیہ ادا کروں؟ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان آپ کا وہ مال کہاں ہے؟ جو آپ نے جنگ بدر کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنی بیوی ''ام

الفضل'' کو دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اگر میں اس لڑائی میں مارا جاؤں تو اس میں سے اتنا اتنا مال میرے لڑکوں کو دینا۔ یہ سن کر حضرت عباس نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کیوں کہ اس مال کا علم میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عباس نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ پھر اس کے بعد حضرت عباس اور حضرت عقیل اور حضرت نوفل تینوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہ)

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 97 و زرقانی ج 1، ص 447)

حضرت زینب کا ہار:

جنگ بدر کے قیدیوں میں حضور ﷺ کے داماد ابو العاص بن الربیع بھی تھے یہ ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے اور ہالہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ اس لئے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لے کر اپنی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابو العاص بن کر الربیع سے نکاح کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے تو اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان کے شوہر ابو العاص مسلمان نہیں ہوئے اور نہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے سے جدا کیا۔ ابو العاص بن الربیع نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ایک قیمتی ہار بھی دیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ جب حضور ﷺ کی نظر اس ہار پر پڑی تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی محبت کی یاد نے قلب مبارک پر ایسا رقت انگیز اثر ڈالا کہ آپ رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ ''اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو بیٹی کو اس کی ماں کی یادگار واپس کر دو'' یہ سن کر صحابہ کرام نے سر تسلیم خم کر دیا اور یہ ہار حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا گیا۔ (تاریخ طبری ص 1348)

ابو العاص رہا ہو کر مدینہ سے مکہ آئے اور حضرت بی بی زینب کو مدینہ بھیج دیا۔ ابو

العاص بہت بڑے تاجر تھے یہ مکہ سے اپنا سامان تجارت لے کر شام گئے اور وہاں سے خوب نفع کما کر مکہ آ رہے تھے کہ مسلمان مجاہدین نے ان کے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور یہ مال غنیمت تمام سپاہیوں پر تقسیم ہو گیا۔ ابو العاص چھپ کر مدینہ پہنچے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دے کر اپنے گھر میں اتارا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی خوشی ہو تو ابوالعاص کا مال و سامان واپس کر دو۔ فرمان رسالت کا ارشاد پاتے ہی تمام مجاہدین نے سارا مال و سامان ابو العاص کے سامنے رکھ دیا۔ ابو العاص اپنا سارا مال و اسباب لے کر مکہ آئے اور اپنے تمام تجارت کے شریکوں کو پائی پائی کا حساب سمجھا کر اور سب کو اس کے حصہ کی رقم ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اہل مکہ سے کہہ دیا کہ میں یہاں آ کر اور سب کا پورا پورا حساب ادا کر کے مدینہ جاتا ہوں تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ لے کر تقاضا کے ڈر سے مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ مدینہ آ کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ (تاریخ طبری)

مقتولین بدر کا ماتم:

بدر میں کفار قریش کی شکست فاش کی خبر جب مکہ میں پہنچی تو ایسا کہرام مچ گیا کہ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ مگر اس خیال سے کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے۔ ابوسفیان نے تمام شہر میں اعلان کرایا کہ خبردار کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود بن عبد یغوث کے دو لڑکے "عقیل" اور "زمعہ" اور ایک پوتا "حارث بن زمعہ" قتل ہوئے تھے۔ اس صدمہ جان کاہ سے اسود کا دل پھٹ گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ اپنے ان مقتولوں پر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے تا کہ دل کی بھڑاس نکل جائے۔ لیکن قومی غیرت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا مگر دل ہی دل میں گھٹتا اور کڑھتا رہتا تھا اور آنسوں بہاتے بہاتے اندھا ہو گیا تھا۔ ایک دن شہر میں کسی عورت کے رونے کی آواز آئی تو اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ دیکھو کون رو رہا ہے؟ کیا بدر کے مقتولوں پر رونے کی اجازت ہو گئی ہے؟ میرے سینے میں رنج و غم کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں بھی رونے کے لئے بے قرار ہوں۔ غلام نے بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اسی غم میں رو رہی ہے۔ اسود شاعر تھا۔ یہ سن کر بے اختیار اس کی زبان سے یہ

دردناک اشعار نکل پڑے۔ جس کے لفظ لفظ سے خون ٹپک رہا ہے۔

اَتَبْکِیْ اَنْ یُّضِلَّ لَھَا بَعِیْرٌ!
وَیَمْنَعُھَا مِنَ النَّوْمِ السُّھُوْدُ

ترجمہ: کیا وہ عورت ایک اونٹ کے گم ہو جانے پر رو رہی ہے؟ اور بے خوابی نے اس کی نیند کو روک دیا ہے۔

فَلاَ تَبْکِیْ عَلٰی بَکْرٍ وَّلٰکِنْ
عَلٰی بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُوْدُ

ترجمہ: تو وہ ایک اونٹ پر نہ روئے۔ لیکن ''بدر'' پر روئے جہاں قسمتوں نے کوتاہی کی ہے۔

وَبَکِّی اِنْ بَکَیْتِ عَلٰی عَقِیْلٍ
وَبَکِّیْ حَارِثًا اَسَدَ الْاُسُوْدِ

ترجمہ: اگر تجھ کو رونا ہے تو ''عقیل'' پر رویا کر اور ''حارث'' پر رویا کر جو شیروں کا شیر تھا۔

وَبَکِّیْھِمْ وَلاَ تُسَمِّیْ جَمِیْعًا
وَمَالِاَ بِیْ حَکِیْمَۃَ مِنْ نَدِیْرٍ

ترجمہ: اور ان سب پر رویا کر۔ مگر ان سبھوں کا نام مت لے اور ''ابو حکیمہ'' ''زمعہ'' کا تو کوئی ہمسر ہی نہیں ہے۔

(ابن ہشام جلد 2، ص 657)

عمیر اور صفوان کی خوفناک سازش:

ایک دن عمیر اور صفوان دونوں حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر پر آنسو بہار ہے تھے۔ ایک دم صفوان بول اٹھا کہ اے عمیر! میرا باپ اور دوسرے رؤسائے مکہ جس طرح بدر میں قتل ہوئے، ان کو یاد کر کے سینے میں دل پاش پاش ہو رہا ہے اور اب زندگی میں کوئی مزہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ عمیر نے کہا کہ اے صفوان! تم سچ کہتے ہو میرے سینے میں بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ میرے اعزہ و اقرباء بھی بدر میں بیدردی کے ساتھ قتل کئے گئے ہیں اور میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے خدا کی قسم اگر

میں قرضدار نہ ہوتا اور بال بچوں کی فکر سے دو چار نہ ہوتا تو ابھی ابھی میں تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ جاتا اور دم زدن میں دھوکہ سے محمد ﷺ کو قتل کر کے فرار ہو جاتا۔ یہ سن کر صفوان نے کہا کہ اے عمیر! تم اپنے قرض اور بچوں کی ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں خدا کے گھر میں عہد کرتا ہوں کہ تمہارا سارا قرض ادا کروں گا اور تمہارے بچوں کی پرورش کا بھی ذمہ دار ہوں۔ اس معاہدہ کے بعد عمیر سیدھا گھر آیا اور زہر میں بجھائی ہوئی تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جب مدینہ میں مسجد نبوی کے قریب پہنچا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا گلہ دبائے اور گردن پکڑے ہوئے دربار رسالت میں لے گئے، حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیوں؟ عمیر! کس ارادے سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ اپنے بیٹے کو چھڑانے کیلئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اور صفوان نے حطیم کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر اس راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا اس راز کی کسی کو بھی خبر نہ تھی ادھر مکہ میں صفوان حضور ﷺ کے قتل کی خبر سننے کیلئے انتہائی بیقرار تھا اور دن گن گن کر عمیر کے آنے کا انتظار کر رہا تھا مگر جب اس نے ناگہاں یہ سنا کہ عمیر مسلمان ہو گیا تو فرط حیرت سے اس کے پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی اور وہ بوکھلا گیا۔

حضرت عمیر مسلمان ہو کر مکہ آئے اور جس طرح وہ پہلے مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اب وہ کافروں کی جان کے دشمن بن گئے اور انتہائی بے خوفی اور بہادری کے ساتھ مکہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی دعوت اسلام سے بڑے بڑے کافروں کے اندھیرے دلوں میں نور ایمان کی روشنی سے اجالا ہو گیا اور یہی عمیر اب صحابی رسول حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کہلانے لگے۔

(تاریخ طبری ص 1354)

مجاہدین بدر کے فضائل:

جو صحابہ کرام جنگ بدر کے جہاد میں شریک ہو گئے وہ تمام صحابہ میں ایک خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز ہیں اور ان خوش نصیبوں کے فضائل میں ایک بہت ہی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ ان سعادت مندوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ:

"بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرما
دیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو، بلاشبہ تمہارے لئے جنت
واجب ہو چکی ہے یا (یہ فرمایا)
کہ میں نے بخش دیا ہے"۔
(بخاری باب فضل بن شہدا بدرا جلد 2، ص 567)

ابو لهب کی عبرتناک موت:

ابولہب جنگ بدر میں شریک نہیں ہوسکا۔ جب کفار قریش شکست کھا کر مکہ واپس آئے تو لوگوں کی زبانی جنگ بدر کے حالات سن کر ابولہب کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ اس کے بعد ہی وہ بڑی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور آٹھویں دن مر گیا۔ عرب کے لوگ چیچک سے بہت ڈرتے تھے اور اس بیماری میں مرنے والے کو بہت ہی منحوس سمجھتے تھے اس لئے اس کے بیٹوں نے بھی تین دن تک اس کی لاش کو ہاتھ نہ لگایا مگر اس خیال سے کہ طعنہ ماریں گے ایک گڑھا کھود کر لکڑیوں سے دھکیل کر لے گئے اور اس گڑھے میں لاش کو گرا کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور بعض مورخین نے تحریر فرمایا کہ دور سے لوگوں نے اس گڑھے میں اس قدر پتھر پھینکا کہ ان پتھروں سے اس کی لاش چھپ گئی۔ (زرقانی جلد 1، ص 452)

غزوہ بنی قنیقاع:

رمضان 2ھ میں حضور ﷺ جنگ بدر کے معرکہ سے واپس مدینہ لوٹے۔ اس کے بعد ہی 15 شوال 2ھ میں "غزوہ بنی قنیقاع" کا واقع درپیش ہو گیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے، بنو قنیقاع، بنونضیر، بنوقریظہ، ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ مگر جنگ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا وہ قبیلہ بنوقنیقاع کے یہودی تھے جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی، دکانداروں نے شرارت کی اور اس عورت کو ننگا کر دیا اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ عورت چلائی تو ایک عرب آیا اور دکاندار کو قتل کر دیا، اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور

یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے۔ اس پر بنوقینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہوں۔ مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے۔ اس لئے آپ نے ان کو مار لیا۔ اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور ﷺ نے نصف شوال 2ھ سنیچر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند ہو گیا، مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو شہر بدر کر دیا اور یہ عہد شکن، بد ذات یہودی ملک شام کے مقام پر ''اذرعات'' میں جا کر آباد ہو گئے۔ (زرقانی جلد 1، ص 458)

غزوہ سویق:

یہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد مکہ کے ہر گھر میں سرداران قریش کے قتل ہو جانے کا ماتم برپا تھا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطرب اور بے قرار تھا۔ چنانچہ غزوہ سویق اور جنگ احد وغیرہ کی لڑائیاں مکہ والوں کے اسی جوش انتقام کا نتیجہ ہیں، عتبہ اور ابوجہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب قریش کا سردار اعظم ابوسفیان تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے قسم کھالی کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا، نہ غسل جنابت کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا، چنانچہ جنگ بدر کے دو ماہ بعد ذوالحجہ 2ھ میں ابوسفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف بڑھا اس کو یہودیوں پر بڑا بھروسہ بلکہ ناز تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اس کی امداد کریں گے اسی امید پر ابوسفیان پہلے ''حی بن اخطب'' یہودی کے پاس گیا مگر اس نے دروازہ بھی نہ کھولا۔ وہاں سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم سے ملا جو قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کا سردار تھا اور یہود کے تجارتی خزانہ کا منیجر بھی تھا۔ اس نے ابوسفیان کا پُرجوش استقبال کیا اور حضور ﷺ کے تمام جنگی رازوں سے ابوسفیان کو آگاہ کر دیا۔ صبح کو سفیان نے مقام ''عریض'' پر حملہ کیا۔ یہ بستی مدینہ سے تین میل کی دوری پر تھی۔ اس حملہ میں ابوسفیان نے ایک

انصاری صحابی کو جن کا نام سعد بن عمر رضی اللہ عنہ تھا شہید کر دیا اور کچھ درختوں کو کاٹ ڈالا اور مسلمانوں کے چند گھروں اور باغات کو آگ لگا کر پھونک دیا۔ ان حرکتوں سے اس کے گمان میں اس کی قسم پوری ہو گئی۔ جب حضور اقدس ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن ابو سفیان بدحواس ہو کر اس قدر تیزی سے بھاگا کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کی بوریاں جو وہ اپنی فوج کے راشن کے لئے لایا تھا۔ پھینکتا چلا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔

(مدارج جلد 2، ص 104)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی:

اسی سال 2ھ میں حضور ﷺ کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی خانہ آبادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوئی۔ یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی، حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرات ابوبکر صدیق و عمر و عثمان و عبدالرحمن بن عوف اور دوسرے چند مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدعو کریں۔ چنانچہ جب صحابہ کرام جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھا دیا۔ شہنشاہ کونین نے شہزادی اسلام حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں جو سامان دیا۔ اس کی فہرست یہ ہے۔ ایک کملی بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک چھاگل ایک مشک دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان حضور ﷺ کو اس لئے نذر کر دیا کہ اس میں حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہما سکونت فرمائیں۔ جب حضرت بی بی فاطمہ رخصت ہو کر نئے گھر میں گئیں تو عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ تشریف لائے اور ایک برتن میں پانی طلب فرمایا اور اس میں کلی فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کے سر اور سینہ پر بھی پانی چھڑکا اور پھر یوں دعا فرمائی کہ یا اللہ میں علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں کہ یہ سب شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ (زرقانی جلد 1، ص 4)

2ھ کے متفرق واقعات:

1. اسی سال روزہ اور زکوۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے اور نماز کی طرح روزہ اور زکوۃ بھی مسلمانوں پر فرض ہو گئے۔
2. اسی سال حضور ﷺ نے عیدالفطر کی نماز جماعت کے ساتھ عیدگاہ میں ادا فرمائی۔ اس سے قبل عیدالفطر کی نماز نہیں ہوئی تھی۔
3. صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم اسی سال جاری ہوا۔
4. اسی سال 10 ذوالحجہ کو حضور ﷺ نے بقرعید کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔
5. اسی سال ''غزوۂ قرقرالکدر'' و ''غزوۂ بحران'' وغیرہ چند چھوٹے چھوٹے غزوات بھی پیش آئے جن میں حضور ﷺ نے شرکت فرمائی، مگر ان غزوات میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔



باب نمبر:8

ھجرت کا تیسرا سال 3ھ

جنگِ اُحد:

اس سال کا سب سے بڑا واقعہ ''جنگِ احد'' ہے۔ ''احد'' ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے چونکہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا۔ اسی لئے یہ جنگ ''غزوۂ احد'' کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا خداوند عالم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

جنگِ اُحد کا سبب:

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ بدر میں ستر کفار قتل اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفار قریش کے سردار، بلکہ تاجدار تھے، اس بنا پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور قریش کا بچہ بچہ جوش انتقام میں آتش غیظ وغضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بیقرار تھا۔ عرب خصوصاً قریش کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ اپنے ایک ایک مقتول کے خون کا بدلہ لینے کو اتنا بڑا قرض سمجھتے تھے جس کو ادا کئے بغیر گویا ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ جنگ بدر کے مقتولوں کے ماتم سے جب قریشیوں کو فرصت ملی تو انہوں نے یہ عزم کرلیا کہ جس قدر ممکن ہو جلد سے جلد مسلمانوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا چاہئے، چنانچہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ کا لڑکا صفوان اور دوسرے کفار قریش جن کے باپ، بھائی، بیٹے، جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے۔

سب کے سب ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ مسلمانوں نے ہماری قوم کے تمام سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس کا بدلہ لینا ہمارا قومی فریضہ ہے لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ قریش کی مشترکہ تجارت میں اس سال جتنا نفع ہوا ہے وہ سب قوم کے جنگی فنڈ میں جمع ہو جانا چاہئے اور اس رقم سے بہترین، ہتھیار خرید کر اپنی لشکری طاقت بہت جلد مضبوط کر لینی چاہئے اور پھر ایک عظیم فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کر کے بانی اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہئے۔ ابوسفیان نے خوشی خوشی قریش کی اس درخواست کو منظور کرلیا۔ لیکن قریش کو جنگ بدر سے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ، سمندر کی موجوں سے ٹکرانا، پہاڑوں سے ٹکر لینا بہت آسان ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں سے جنگ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے اس لئے انہوں نے اپنی جنگی طاقت میں بہت اضافہ کرنا نہایت ضروری خیال کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہتھیاروں کی تیاری اور سامان جنگ کی خریداری میں پانی کی طرح روپیہ بہانے کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں جنگ کا جوش اور لڑائی کا بخار پھیلانے کے لئے بڑے بڑے شاعروں کو منتخب کیا۔ جو اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل عرب میں جوش انتقام کی آگ لگا دیں۔ عمرو جمحی اور مسافع یہ دونوں اپنی شاعری میں طاق اور آتش بیانی میں شہرۂ آفاق تھے ان دونوں نے باقاعدہ دورہ کر

کے تمام قبائل عرب میں ایسا جوش اور اشتعال پیدا کر دیا کہ بچہ بچہ ''خون کا بدلہ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے مرنے اور مارنے پر تیار ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے معزز اور مالدار گھرانوں کی عورتیں بھی جوش انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں شامل ہو گئیں۔ جن کے باپ، بھائی، بیٹے، شوہر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے، ان عورتوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کا چچا کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ اس بنا پر ''ہند'' نے ''وحشی'' کو جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

مدینہ پر چڑھائی:

الغرض بے پناہ جوش و خروش اور انتہائی تیاری کے ساتھ لشکر کفار مکہ سے روانہ ہوا اور ابوسفیان اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا حضور ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر حضور ﷺ کو کفار قریش کی لشکر کشی سے مطلع کر دیا۔ جب آپ کو یہ خوفناک خبر ملی تو آپ نے 5 شوال 3ھ کو حضرت عدی بن فضالہ رضی اللہ عنہ کے دونوں لڑکوں حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ عنہما کو جاسوس بنا کر کفار قریش کے لشکر کی خبر لانے کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں نے آکر یہ پریشان کن خبر سنی کہ ابوسفیان کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آ گیا ہے اور ان کے گھوڑے مدینہ کی چراگاہ (عریض) کی تمام گھاس چر گئے۔

مسلمانوں کی تیاری اور جوش:

یہ خبر سن کر 14 شوال 3ھ جمعہ کی رات میں حضرت سعد بن معاذ و حضرت اسید بن حضیر و حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر چند انصاریوں کے ساتھ رات بھر کاشانہ نبوت کا پہرہ دیتے رہے اور شہر مدینہ کے اہم ناکوں پر بھی انصار کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ صبح کو حضور ﷺ نے انصار و مہاجرین کو جمع فرما کر مشورہ طلب فرمایا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی فوج کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں یہ جنگ

لڑی جائے؟ مہاجرین نے عام طور پر اور انصار میں سے بڑے بوڑھوں نے یہ رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا جائے یا شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بھی اس مجلس میں موجود تھا اس نے بھی یہی کہا کہ شہر میں پناہ گیر ہو کر کفار قریش کے حملوں کی مدافعت کی جائے مگر چند کمسن نوجوان جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور جوش جہاد میں آپے سے باہر ہو رہے تھے وہ اس رائے پر اڑ گئے کہ میدان میں نکل کر ان دشمنان اسلام سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے حضور ﷺ نے سب کی رائے سن لی۔ پھر مکان میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ شہر کے اندر رہ کر کفار قریش کے حملوں کو روکا جائے مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے، اب تم لوگ خدا کا نام لے کر میدان میں نکل پڑو، اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہو گی۔

(مدارج جلد 2، ص 114)

پھر حضور ﷺ نے انصار کے قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک ہزار کی فوج لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔

حضرت نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا:

شہر سے نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک فوج چلی آ رہی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودیوں کا لشکر ہے۔ جو آپ کی امداد کے لئے آ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں۔ ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے''۔

(مدارج جلد 2، ص 114)

چنانچہ یہودیوں کا یہ لشکر واپس چلا گیا پھر عبداللہ بن ابی (منافقوں کا سردار) بھی جو تین سو آدمیوں کو لے کر حضور ﷺ کے ساتھ آیا تھا۔ یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ: محمد

ﷺ نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا اور میری رائے کے خلاف میدان میں نکل پڑے، لہٰذا میں ان کا ساتھ نہیں دونگا۔

(مدارج جلد 2، ص 115)

عبداللہ بن ابی کی بات سن کر قبیلہ خزرج میں سے ''بنوسلمہ'' کے اور قبیلہء اوس میں سے ''بنو حارثہ'' کے لوگوں نے بھی واپس لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اچانک محبت اسلام کا ایسا جذبہ پیدا فرما دیا کہ ان لوگوں کے قدم جم گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاۙ وَ اللّٰهُ وَلِیُّهُمَاؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۵ (آل عمران)

ترجمہ: جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اب حضور ﷺ کے لشکر میں کل سات سو صحابہ رہ گئے جن میں کل ایک سو زرہ پوش تھے اور کفار کی فوج میں تین ہزار افراد کا لشکر تھا۔ جن میں سات سو زرہ پوش جوان، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔

شہر سے باہر نکل کر حضور ﷺ نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم عمر تھے، ان کو واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام؟

بچوں کا جوش جہاد:

مگر جب حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو، تم ابھی واپس چلے جاؤ تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تا کہ ان کا قد اونچا نظر آئے، چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ فوج میں شامل کر لیے گئے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ جو ایک کم عمر نوجوان تھے۔ جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لئے اگر وہ فوج میں لے لئے گئے تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی

چاہئے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین پر دے مارا۔ اس طرح ان دونوں پرجوش نوجوانوں کو جنگ احد میں شرکت کی سعادت نصیب ہوگئی۔ (مدارج جلد 2،ص 114)

تاجدار دو عالم میدان جنگ میں:

مشرکین تو 12 شوال 3 ھ بدھ کے دن ہی مدینہ کے قریب پہنچ کر کوہ احد پر اپنا پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ مگر حضور اکرم ﷺ 14 شوال 3 ھ بعد نماز جمعہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ رات کو بنی بخار میں رہے اور 15 شوال سنیچر کے دن نماز فجر کے وقت احد میں پہنچے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ نے نماز فجر پڑھا کر میدان جنگ میں مورچہ بندی شروع فرمائی۔ حضرت عکاشہ بن محصن اساری کو لشکر کے میمنہ دائیں بازو پر اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ (بائیں بازو) پر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح و حضرت سعد بن ابی وقاص کو مقدمہ (اگلے حصہ) پر اور حضرت مقداد بن عمر کو ساقہ (پچھلے حصہ) پر افسر مقرر فرمایا (رضی اللہ عنہم) اور صف بندی کے وقت احد پہاڑ کو پشت پر رکھا اور کوہ عینین کو جو وادی قناۃ میں ہے اپنے بائیں طرف رکھا۔ لشکر کے پیچھے پہاڑ میں ایک درہ (تنگ راستہ) جس میں سے گزر کر کفار قریش مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس درہ کی حفاظت کے لئے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرما دیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس دستہ کا افسر بنا دیا اور یہ حکم دیا کہ دیکھو ہم چاہے مغلوب ہوں یا غالب۔ مگر تم لوگ اپنی اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہلنا جب تک میں تمہارے پاس کسی کو نہ بھیجوں۔

(مدارج جلد 2،ص 115 اور بخاری باب 1 ما یکرہ من التنازع)

مشرکین نے بھی نہایت باقاعدگی کے ساتھ اپنی صفوں کو درست کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو افسر بنا دیا، سواروں کا دستہ صفوان بن اسیہ کی کمان میں تھا۔ تیر اندازوں کا ایک دستہ الگ تھا۔ جن کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا اور پورے لشکر کا علمبردار طلحہ بن ابوطلحہ تھا جو قبیلہء بنی عبدالدار کا ایک آدمی تھا۔ (مدارج جلد 2،ص 115)

حضور ﷺ نے جب دیکھا کہ پورے لشکر کفار کا علمبردار قبیلہ بنی عبدالدار کا ایک شخص ہے تو آپ نے بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطاء فرمایا۔ جو قبیلہء بنو عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔

جنگ کی ابتدائ:

سب سے پہلے کفار قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر ایسے اشعار گاتی ہوئی آگے بڑھیں جن میں جنگ بدر کے مقتولین کا ماتم اور انتقام خون کا جوش بھرا ہوا تھا۔ لشکر کفار کے سپہ سالار ابوسفیان کی بیوی ''ہند'' آگے آگے اور کفار قریش کے معزز گھرانوں کی چودہ ((14 عورتیں اس کے ساتھ ساتھ تھیں اور یہ سب آواز ملا کر یہ اشعار گا رہی تھیں کہ ؎

نَحنُ بَنَاتُ طَارِقٌ نَمْشِیْ عَلیٰ النَّمَارِقْ

ترجمہ: ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔

اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ اَوْتُدْ بِرُوْا نُفَارِقْ

ترجمہ: اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔

مشرکین کی صفوں میں سب سے پہلے جو شخص جنگ کے لئے نکلا ''ابو عامر اوسی'' تھا۔ جس کی عبادت اور پارسائی کی بنا پر مدینہ والے اس کو ''راہب'' کہا کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام ''فاسق'' رکھا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ شخص اپنے قبیلہ اوس کا سردار تھا اور مدینہ کا مقبول عام آدمی تھا۔ مگر جب رسول اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہ شخص جذبۂ حسد میں جل بھن کر خدا کے محبوب خدا ﷺ کی مخالفت کرنے لگا اور مدینہ سے نکل کر مکہ چلا گیا اور کفار قریش کو آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ اس کو بڑا بھروسہ تھا کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو رسول اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ چنانچہ اس نے میدان میں نکل کر پکارا کہ اے انصار! کیا تم لوگ مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر راہب ہوں۔ انصار نے چلا کر کہا ہاں۔ ہاں! اے فاسق! ہم تجھ کو خوب پہچانتے ہیں۔ خدا تجھے ذلیل فرمائے۔ ابو عامر اپنے لئے فاسق کا لفظ سن کر تلملا گیا۔ کہنے لگا کہ ہائے افسوس! میرے بعد میری قوم بالکل ہی بدل گئی۔ پھر کفار

قریش کی ایک ٹولی جو اس کے ساتھ تھی مسلمانوں پر تیر برسانے لگی۔ اس کے جواب میں انصار نے بھی اس روز کی سنگ باری کی کہ ابو عامر اور اس کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ (مدارج جلد 2،ص 116)

لشکر کفار کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے نکل کر میدان میں آیا اور کہنے لگا کہ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے کہ یا وہ مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے وہ جنت میں پہنچ جائے۔ اس کا یہ گھمنڈ سے بھرا ہوا کلام سن کر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں "میں ہوں" یہ کہہ کر فاتح خیبر نے ذوالفقار کے ایک ہی وار سے اس کا سر پھاڑ دیا اور وہ زمین پر تڑپنے لگا اور شیر خدا منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس کا سر کیوں نہیں کاٹ لیا۔ شیر خدا نے فرمایا کہ جب وہ زمین پر گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی اور وہ مجھے قسم دینے لگا کہ مجھے معاف کر دیجئے اس بے حیا کو بے ستر دیکھ کر مجھے شرم دامن گیر ہو گئی اس لئے میں نہ منہ پھیر لیا۔

(مدارج جلد 2،ص 116)

طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان بن ابوطلحہ رجز کا یہ شعر پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا کہ

اِنَّ عَلیٰ اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا
اَنْ یَّخضِبَ اللِّوَاءَ اَوْتَنْدَقَّا

ترجمہ: علمبردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے تلوار لے کر نکلے اور اس کے شانے پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تلوار ریڑھ کی ہڈی کو کاٹتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور آپ کے منہ سے یہ نعرہ نکلا کہ

اَنَا اِبْنُ سَاقِیْ الْحَجِیْجِ

ترجمہ: میں حاجیوں کے سیراب کرنے والے عبدالمطلب کا بیٹا۔

(مدارج جلد 2،ص 116)

اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور میدان جنگ میں کشت و خون کا بازار گرم

ہو گیا۔

ابو دجانہ کی خوش نصیبی:

حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی جس پر یہ شعر کندہ تھا کہ

؎

فِی الْجُبْنِ عَارٌ وَفِی الْاِقْبَالِ مَکْرُمَۃٌ
وَالْمَرْئُ بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُوْ مِنَ الْقَدْرِ

ترجمہ: بزدلی میں شرم ہے اور آگے بڑھ کر لڑنے میں عزت ہے اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے"۔ یہ سن کر بہت سے لوگ اس سعادت کے لئے لپکے مگر یہ فخر و شرف حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھا کہ تاجدارِ دو عالم ﷺ نے اپنی یہ تلوار اپنے ہاتھ سے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ یہ اعزاز پا کر جوشِ مسرت میں مست و بے خود ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ:

"تو اس سے کافروں کو قتل کرے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے"۔

حضرت ابو دجانہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں پھر وہ اپنے سر پر ایک سرخ رنگ کا رومال باندھ کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے میدان جنگ میں نکل پڑے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے کہ ایک دم ان کے سامنے ابو سفیان کی بیوی "ہند" آ گئی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس پر تلوار چلا دیں مگر پھر اس خیال سے تلوار ہٹا لی کہ رسول اللہ ﷺ کی مقدس تلوار کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عورت کا سر کاٹے۔ (زرقانی جلد 2،ص 29، مدارج 2،ص 116)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور کفار کا قتل عام شروع کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انتہائی جوش جہاد میں دو دستی تلوار مارتے ہوئے آگے

بڑھتے جارہے تھے اسی حالت میں ''سباع غبشانی'' سامنے آ گیا۔ آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کے بچے! ٹھہر، کہاں جاتا ہے؟

تو اللہ و رسول سے جنگ کرنے چلا آیا ہے۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار چلا دی اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت:

''وحشی'' جو ایک حبشی غلام تھا اور اس کا آقا جبیر بن مطعم اس سے وعدہ کر چکا تھا تو اگر حضرت حمزہ کو قتل کر دے تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا۔ جوں ہی آپ اس کے قریب پہنچے اس نے دور سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا جو کہ آپ کی ناف میں لگا اور پشت کے پار ہو گیا۔ اس حال میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے۔ مگر زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

(بخاری باب قتل حمزہ جلد 2، ص 582)

کفار کے علمبردار خود کٹ کٹ کر گرتے چلے جارہے تھے مگر ان کا جھنڈا گرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے قتل ہونے کے بعد دوسرا اس جھنڈے کو اٹھا لیتا تھا۔ ان کافروں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ جب ایک کافر نے جس کا نام ''صواب'' تھا مشرکین کا جھنڈا اٹھایا تو ایک مسلمان نے اس کو اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے مگر اس نے اپنے قومی جھنڈے کو زمین پر گرنے نہیں دیا بلکہ جھنڈے کو اپنے سینے سے دبائے ہوئے زمین پر گر پڑا۔ اسی حالت میں مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا مگر وہ قتل ہوتے ہوتے یہی کہتا رہا کہ ''میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اس کے مرتے ہی ایک عورت بہادر جس کا نام ''عمرہ'' تھا اس نے جھپٹ کر قومی جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش کو غیرت آئی اور ان کی بکھری ہوئی فوج سمٹ آئی ان کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے''۔

(مدارج جلد 2، ص 116 وغیرہ)

حضرت حنظلہ کی شہادت:

ابو عامر راہب کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ

عنہ پرچم اسلام کے نیچے جہاد کر رہے تھے۔ حضرت خظلہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اپنی تلوار سے اپنے باپ ابو عامر راہب کا سر کاٹ کر لاؤں مگر حضور رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار باپ کا سر کاٹے۔ حضرت خظلہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جان بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور کفار کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ حضرت خظلہ کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے کہ اچانک پیچھے سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا اور حضرت خظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت خظلہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''فرشتے خظلہ کو غسل دے رہے ہیں''۔ جب ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ جنگِ اُحد کی رات میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ سوئے تھے۔ غسل کی حاجت تھی مگر دعوت جنگ کی آواز سن کر اسی حالت میں شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے جو فرشتوں نے اس کو غسل دیا۔ اسی واقعہ کی بناء پر حضرت خظلہ رضی اللہ عنہ کو ''غسیل الملائکہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد 3، ص 123)

اس جنگ میں مجاہدین انصار مہاجرین بڑی دلیری اور جان بازی سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت علی و حضرت ابو دجانہ و حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدانہ حملوں نے مشرکین کی کمر توڑ دی۔ کفار کے تمام علمبردار عثمان، ابوسعید، مسافع، طلحہ بن ابی طلحہ وغیرہ ایک ایک کر کے کٹ کٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ کفار کو شکست ہو گئی اور وہ بھاگنے لگے اور ان کی عورتیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر لشکر کفار کو جوش دلا رہی تھیں، وہ بھی بدحواسی کے عالم میں اپنے ازار اٹھائے ہوئے برہنہ ساق بھاگتی ہوئی پہاڑوں پر دوڑتی ہوئی چلی جا رہی تھیں اور مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔

ناگہاں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا:

کفار کی بھگدڑ اور مسلمانوں کے فاتحانہ قتل و غارت کا یہ منظر دیکھ کر وہ پچاس تیر

انداز جو مسلمان درہ کی حفاظت پر مقرر کئے گئے تھے۔ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے کہ غنیمت لوٹو۔ غنیمت لوٹو، تمہاری فتح ہوگئی۔ ان لوگوں کے افسر حضرت عبداللہ بن جبیر نے ہر چند روکا اور حضور ﷺ کا فرمان یاد دلایا اور فرمان مصطفوی کی مخالفت سے ڈرایا مگر ان تیر انداز مسلمان نے ایک نہیں سنی اور اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ لشکر کفار کا ایک افسر ''خالد بن ولید'' پہاڑ کی بلندی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ درہ پہرہ داروں سے خالی ہو گیا ہے۔ فوراً اس نے درہ کے راستہ سے فوج لاکر مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے چند جان بازوں کے ساتھ انتہائی دلیرانہ مقابلہ کیا۔ مگر یہ سب کے سب شہید ہو گئے اب کیا تھا۔ کافروں کی فوج کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ خالد بن ولید نے زبردست حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر بھاگتی ہوئی کفار قریش کی فوج بھی پلٹ پڑی مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو تلواریں برس رہی تھیں اور کفار کی آگے پیچھے دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے تھے اور مسلمانوں کا لشکر چکی کے دو پاٹوں میں دانہ کی طرح پسنے لگا اور مسلمانوں میں ایسی بدحواسی اور ابتری پھیل گئی کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز نہیں رہی۔ خود مسلمان مسلمانوں کی تلواروں سے قتل ہوئے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمان کی تلوار سے شہید ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چلاتے ہی رہے کہ ''اے مسلمانو! یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں''۔ مگر کچھ عجیب بدحواسی پھیلی ہوئی تھی کہ کسی کو کسی کا دھیان ہی نہیں تھا اور مسلمانوں نے حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر بھی شہید:

پھر بڑا غضب یہ ہوا کہ لشکر اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر ابن قمیر کافر جھپٹا اور ان کے دائیں ہاتھ پر اس زور سے تلوار چلا دی کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ اس جان باز مہاجر نے جھپٹ کر اسلامی جھنڈے کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا۔ مگر ابن قمیہ نے تلوار مار کر ان کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا۔ دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے کھڑے رہے اور بلند آواز سے یہ آیت

پڑھتے رہے کہ

وَمَامُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

پھر ابن قمیہ نے ان کو تیار مار کر شہید کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو صورت میں حضور اقدس ﷺ سے کچھ مشابہ تھے ان کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھ کر کفار نے غل مچا دیا کہ (معاذ اللہ) حضور تاجدار دو عالم ﷺ قتل ہو گئے۔ اللہ اکبر! اس آواز نے غضب ہی ڈھا دی۔ مسلمان یہ سن کر بالکل ہی سراسیمہ اور پراگندہ دماغ ہو گئے اور میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں میں تین گروہ ہو گئے۔ کچھ لوگ تو بھاگ کر مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ کچھ لوگ سہم کر مردہ دل ہو گئے۔ جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ اپنی جان بچاتے رہے یا جنگ کرتے رہے۔ کچھ لوگ جن کی تعداد تقریباً بارہ تھی جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اس ہلچل اور بھگدڑ میں بہت سے لوگوں نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی اور جو جان نثاری کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے وہ بھی دشمنوں کے دوطرفہ حملوں کے نرغے میں پھنس کر مجبور ولاچار ہو چکے تھے۔ تاجدار دو عالم ﷺ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ کسی کو اس کی خبر نہ تھی، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے چلے جاتے تھے۔ مگر وہ ہر طرف مڑ مڑ کر رسول اکرم کو دیکھتے تھے مگر جمال نبوت نظر نہ آنے سے وہ انتہائی اضطراب و بیقراری کے عالم میں تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے میدان جنگ سے بھی کچھ آگے نکل پڑے وہاں جا کر دیکھا کہ کچھ مسلمانوں نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اب ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ جن کے لئے لڑتے تھے وہ تو شہید ہو گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر واقعی رسول خدا ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو پھر ہم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ چلو ہم بھی اسی میدان میں شہید ہو کر حضور ﷺ کے پاس پہنچ جائیں۔ یہ کہہ کر آپ دشمنوں کے لشکر میں لڑتے ہوئے گھس گئے اور آخری دم تک انتہائی جوش جہاد اور جان بازی کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد

جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر وتلوار اور نیزوں کے زخم ان کے بدن پر تھے۔ کافروں نے ان کے بدن کو چھلنی بنا دیا تھا اور ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ان کی انگلیوں کو دیکھ کر ان کو پہچانا۔ (بخاری غزوہ احد جلد 2،ص 579 ومسلم جلد 2،ص 38)

اسی طرح حضرت ثابت بن وحداح رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو جانے والے انصاریوں سے کہا کہ اے جماعت انصار! اگر بالفرض رسول اکرم ﷺ شہید بھی ہو گئے تو تم ہمت کیوں ہار گئے؟ تمہارا اللہ تو زندہ ہے، لہٰذا تم لوگ اٹھو اور اللہ کے دین کے لئے جہاد کرو، یہ کہہ کر آپ نے انصاریوں کو اپنے ساتھ لیا اور لشکر کفار پر بھوکے شیروں کی طرح حملہ آور ہو گئے اور آخر خالد بن ولید کی تلوار سے جام شہادت نوش کیا۔

(اصابہ ترجمہ ثابت بن واحدح)

جنگ جاری تھی اور جان نثاران اسلام جو جہاں تھے وہیں لڑائی میں مصروف تھے مگر سب کی نگاہیں انتہائی بیقراری کے ساتھ جمال نبوت کو تلاش کرتی تھیں۔ عین مایوسی کے عالم میں سب سے پہلے جس نے تاجدار دو عالم ﷺ کا جمال دیکھا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش نصیب آنکھیں ہیں انہوں نے حضور اکرم کو پہچان کر مسلمانوں کو پکارا کہ اے مسلمانو! ادھر آؤ رسول خدا ﷺ یہ ہیں اس آواز کو سن کر تمام جاں نثاروں میں جان پڑ گئی اور ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر مسلمان آنے لگے کفار نے بھی ہر طرف سے حملہ روک کر رحمت عالم ﷺ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے سارا زور لگا دیا۔ لشکر کفار کا دل بادل ہجوم کے ساتھ امنڈ پڑا اور بار بار مدنی تاجدار پر یلغار کرنے لگا۔ مگر ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔

زیاد بن سکن کی شجاعت اور شہادت:

ایک مرتبہ کفار کا ہجوم حملہ آور ہوا تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا "کون ہے جو میرے اوپر اپنی جان قربان کرتا ہے؟" یہ سنتے ہی حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور ہر ایک نے لڑتے ہوئے اپنی جانیں فدا کر دیں۔ حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ زخموں سے لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے تھے۔ مگر کچھ کچھ جان باقی تھی۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی لاش کو میرے پاس اٹھا

لاؤ۔ جب لوگوں نے ان کی لاش کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ نے کھسک کر محبوب خدا کے قدموں پر اپنا منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ اکبر! حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کی اس موت پر لاکھوں زندگیاں قربان، سبحان اللہ ؎

بچہ ناز رفتہ باشدز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپر دن بسرش رسیدہ باشی

کھجور کھاتے جنت میں:

اس گھمسان کی لڑائی اور مار دھاڑ کے ہنگاموں میں ایک بہادر مسلمان کھڑا ہوا نہایت بے پروائی کے ساتھ کھجوریں کھا رہا تھا۔ ایک دم آگے بڑھا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر میں اس وقت شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو جنت میں جائے گا۔ وہ بہادر اس فرمان بشارت کو سن کر مست و بیخود ہو گیا۔ ایک دم کفار کے ہجوم میں کود پڑا اور ایسی شجاعت کے ساتھ لڑنے لگا کہ کافروں کے دل دہل گئے۔ اسی طرح جنگ کرتے کرتے شہید ہو گیا۔

(بخاری غزوہ احد جلد 1، ص 579)

لنگڑاتے ہوئے بھشت میں:

حضرت عمرو بن جموع انصاری رضی اللہ عنہ لنگڑاتے تھے یہ گھر سے نکلتے وقت یہ دعا مانگ کر چلے تھے کہ یا اللہ! مجھ کو میدان جنگ سے اہل وعیال میں آنا نصیب مت کر ان کے چار فرزند بھی جہاد میں مصروف تھے، لوگوں نے ان کو لنگڑا ہونے کی بنا پر جنگ کرنے سے روک دیا تو یہ حضور کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ! مجھ کو جنگ میں لڑنے کی اجازت عطاء فرمایئے، میری تمنا ہے کہ میں بھی لنگڑاتا ہوا باغ بہشت میں خراماں خراماں چلا جاؤں ان کی بیقراری اور گریہ و زاری سے رحمت عالم ﷺ کا قلب مبارک متاثر ہو گیا اور آپ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی۔ یہ خوشی سے اچھل پڑے اور اپنے ایک فرزند کو ساتھ لے کر کافروں کے ہجوم میں گھس گئے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ میدان جنگ میں یہ کہتے ہوئے چل رہے تھے کہ خدا کی قسم! میں

جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کو سہارا دیتے ہوئے ان کا لڑکا بھی انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ یہ دونوں شہادت سے سرفراز ہو کر باغ بہشت میں پہنچ گئے۔ لڑائی ختم ہو جانے کے بعد ان کی بیوی ہند زوجہ عمرو بن جموح میدان جنگ میں پہنچی اور اس نے ایک اونٹ پر ان کی اور اپنے بھائی اور بیٹے کی لاش کو لاد کر دفن کے لئے مدینہ کی طرف لانا چاہا تو ہزاروں کوششوں کے باوجود کسی بھی طرح وہ اونٹ ایک قدم بھی مدینہ کی طرف نہیں چلا۔ بلکہ وہ میدان جنگ ہی کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتا رہا۔ ہند نے جب حضور ﷺ سے یہ ماجرہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بتا کیا عمرو بن جموح نے گھر سے نکلتے وقت کچھ کہا تھا؟ ہند نے کہا کہ جی! وہ یہ دُعا کر کے گھر سے نکلتے تھے کہ "یا اللہ مجھ کو میدان جنگ سے اہل وعیال میں آنا نصیب مت کر"۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں چل رہا ہے۔
(مدارج جلد 2، ص 124)

تاجدار دو عالم زخمی:

اسی سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں جب کہ بکھرے ہوئے مسلمان ابھی رحمت عالم ﷺ کے پاس جمع بھی نہیں ہوئے تھے کہ عبداللہ بن قمیہ نے جو قریش کے بہادروں میں بہت ہی نامور تھا اس نے ناگہاں حضور اکرم کو دیکھ لیا۔ ایک دم بجلی کی طرح صفوں کو چیرتا ہوا آیا اور تاجدار دو عالم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ ظالم نے پوری طاقت سے آپ کے چہرہ انور پر تلوار ماری جس سے خود کی دو کڑیاں رُخ انور میں چبھ گئیں۔ ایک دوسرے کافر نے آپ کے چہرہ اقدس پر ایسا پتھر مارا آپ کے دو دندان مبارک شہید اور نیچے کا مقدس ہونٹ زخمی ہو گیا۔ اسی حالت میں ابی بن خلف ملعون اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کو شہید کر دینے کی نیت سے آگے بڑھا۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار صحابی حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لے کر ابی بن خلف کی گردن پر مارا۔ جس سے وہ تلملا گیا۔ گردن پر بہت معمولی زخم آیا اور وہ بھاگ نکلا۔ مگر اپنے لشکر میں جا کر اپنی گردن کے زخم کے بارے میں لوگوں سے اپنی تکلیف اور پریشانی ظاہر کرنے لگا اور بے پناہ ناقابل برداشت درد کی شکایت کرنے لگا۔ اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا کہ "یہ تو معمولی خراش ہے۔ تم اس قدر پریشان

کیوں ہو؟ اس نے کہا کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ ایک مرتبہ مجھ سے محمد ﷺ نے کہا تھا کہ میں تم کو قتل کروں گا۔ اس لئے یہ تو بہرحال زخم ہے۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ اگر وہ میرے اوپر تھوک دیتے تو بھی میں سمجھ لیتا کہ میری موت یقینی ہے''۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابی خلف نے مکہ میں ایک گھوڑا پالا تھا۔ جس کا نام اس نے ''عوذ'' رکھا تھا۔ وہ روزانہ اس کو چراتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میں اسی گھوڑے پر سوار ہو کر محمد ﷺ کو قتل کروں گا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں ابی خلف کو قتل کروں گا۔ چنانچہ ابی بن خلف اپنے اسی گھوڑے پر چڑھ کر جنگ اُحد میں آیا تھا جو یہ واقعہ پیش آیا۔ ابی بن خلف نیزہ کے زخم سے بے قرار ہو کر راستہ بھر تڑپتا اور بلبلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جنگ اُحد سے واپس آتے ہوئے مقام ''سرف'' میں مر گیا۔ (زرقانی علی المواہب ج 2، ص 45)

اسی طرح ابن قمیہ ملعون جس نے حضور ﷺ کے رُخ انور پر تلوار چلا دی تھی۔ ایک پہاڑی بکرے کو خداوند قہار و جبار نے اس پر مسلط کر دیا اور اس نے اس کو سینگ مار مار کر چھلنی بنا ڈالا اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے گرا دیا۔ جس سے اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئی۔ (زرقانی ج 2، ص 39)

صحابہ کا جوش جاں نثاری:

جب حضور اکرم ﷺ زخمی ہو گئے تو چاروں طرف سے کفار نے آپ پر تیر و تلوار کا وار شروع کر دیا اور کفار کا ہجوم آپ کے ہر چہار طرف سے حملہ کرنے لگا جس سے آپ کفار کے نرغہ میں محصور ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر جان نثار صحابہ کا جوش جان نثاری سے خون کھولنے لگا اور وہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آپ کو بچانے کے لئے اس جنگ کی آگ میں کود پڑے اور آپ کے گرد ایک حلقہ بنا لیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر آپ کے لئے ڈھال بن گئے اور چاروں طرف سے جو تلواریں برس رہی تھیں ان کو وہ اپنی پشت پر لیتے رہے اور آپ تک کسی تلوار یا نیزے کی مار کو پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ وہ کفار کی تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر شل ہو گیا اور ان کے

بدن پر پینتیس یا انتالیس زخم لگے جاں نثار صحابہ نے حضور ﷺ کی حفاظت میں اپنی جانوں کی پروانہیں کی اور ایسی بہادری اور جاں بازی سے جنگ کرتے رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نشانہ بازی میں مشہور تھے انہوں نے اس موقع پر اس قدر تیر برسائے کہ کئی کمانیں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بٹھا لیا تھا تاکہ دشمنوں کے تیر یا تلوار کا کوئی وار آپ پر نہ آسکے۔ کبھی کبھی آپ دشمنوں کی فوج کو دیکھنے کے لئے گردن اٹھاتے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ گردن نہ اٹھائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ یارسول اللہ! آپ میری پیٹھ کے پیچھے ہی رہیں۔ میرا سینہ آپ کے لئے ڈھال بنا ہوا ہے۔ (بخاری غزوہ احد ص 581)

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کئے ہوئے تھے۔ ناگہاں کافروں کا ایک تیر ان کی آنکھ میں لگا اور آنکھ بہہ کر ان کے رخسار پر آگئی حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھ کو اٹھا کر آنکھ کے حلقہ میں رکھ دیا اور یوں دعا فرمائی کہ یا اللہ! قتادہ کی آنکھ بچالے جس نے تیرے رسول کے چہرہ کو بچایا ہے۔ مشہور ہے کہ ان کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہوگئی۔ (زرقانی ج 2، ص 42)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تیر اندازی میں انتہائی باکمال تھے۔ یہ بھی حضور ﷺ کی مدافعت میں جلدی جلدی تیر چلا رہے تھے اور حضور انور ﷺ خود اپنے دست مبارک سے تیر اٹھا کر ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے سعد! تیر برسائے جاؤ۔ تم پر میرے ماں باپ قربان۔ (بخاری غزوۂ احد ص 580)

ظالم کفار انتہائی بے دردی کے ساتھ حضور انور ﷺ پر تیر برسا رہے تھے۔ مگر اس وقت بھی زبان مبارک پر یہ دعا تھی رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (یعنی اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ مجھے جانتے نہیں ہیں)۔ (مسلم غزوہ اُحد ج 2، ص 90)

حضور اقدس ﷺ دندان مبارک کے صدمہ اور چہرہ انور کے زخموں سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اس حالت میں آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے جابجا کھود کر ان کو چھپا دیا تھا تاکہ مسلمان لاعلمی میں ان گڑھوں کے اندر گر پڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھایا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے خود (لوہے کی ٹوپی) کی کڑی کا ایک حلقہ جو چہرۂ انور میں چبھ گیا تھا اپنے دانتوں سے پکڑ کر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے جوش عقیدت سے چوس چوس کر پی لیا اور ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ملک بن سنان! کیا تو نے میرا خون پی ڈالا، عرض کیا کہ جی ہاں۔ یارسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ جس نے میرا خون پی لیا، جہنم کی کیا مجال جو اس کو چھو سکے۔ (زرقانی ج 2، ص 39)

اس حالت میں رسول ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گئے جہاں کفار کے لئے پہنچنا دشوار تھا۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا اور فوج لے کر وہ بھی پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے جاں نثار صحابہ نے کافروں پر اس زور سے پتھر برسائے کہ ابوسفیان اس کی تاب نہ لاسکا اور پہاڑ سے اتر گیا۔

حضور اقدس ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور چہرۂ انور سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت علی اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے خون دھو رہی تھیں، مگر خون بند نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی تو خون فوراً ہی تھم گیا۔ (بخاری غزوۂ احد ج 2، ص 584)

ابوسفیان کا نعرہ اور اس کا جواب:

ابوسفیان جنگ کے میدان سے واپس جانے لگا تو ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور زور زور سے پکارا کیا یہاں محمد ﷺ ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ تم لوگ اس کا جواب نہ دو، پھر اس نے پکارا کہ کیا تم میں ابوبکر ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے پھر اس نے پکارا کہ کیا تم میں عمر ہیں؟ جب اس کا بھی کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیان گھمنڈ

سے کہنے لگا کہ یہ سارے مر گئے، کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور میرا جواب دیتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ نے چلا کر کہا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے اپنی فتح کے گھمنڈ میں یہ نعرہ مارا کہ ''اُعْلُ هُبَل'' یعنی اے ہبل! تو سربلند ہو جا۔ اے ہبل تو سربلند ہو جا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ بھی اس کے جواب میں نعرہ لگاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم کیا کہیں؟ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ نعرہ مارو کہ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلّ یعنی اللہ سب سے بڑھ کر بلند مرتبہ اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ یعنی ہمارے لئے عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے لئے کوئی ''عزیٰ'' نہیں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے جواب میں یہ کہو کہ اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلٰى لَكُمْ یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ابوسفیان نے با آواز بلند بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ اور جواب ہے لڑائی میں کبھی فتح، کبھی شکست ہوتی ہے۔ اے مسلمانو! آج ہماری فوج نے تمہارے مقتولوں کے کان، ناک کاٹ کر ان کی صورتیں بگاڑ دی ہیں، مگر میں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا، نہ مجھے اس پر کوئی رنج و افسوس ہوا ہے۔ یہ کہہ کر ابو سفیان میدان سے ہٹ گیا اور چل دیا۔

(زرقانی ج 2، ص 48 و بخاری غزوہ احد ج 2 ص 579)

ہند جگر خوار:

کفار قریش کی عورتوں نے جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے جوش میں شہداء کرام کی لاشوں پر جا کر ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر صورتیں بگاڑ دیں اور ابو سفیان کی بیوی ہند نے تو اس بیدردی کا مظاہرہ کیا کہ ان اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ ہند حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس لاش کو تلاش کر رہی تھی کیونکہ حضرت حمزہ ہی نے جنگ بدر کے دن ہند کے باپ عتبہ کو قتل کیا تھا۔ جب اس بیدرد نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو پالیا تو خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ کر کلیجہ نکالا اور اس کو چبا گئی۔ لیکن حلق سے نہ اتر سکا۔ اس لئے اگل دیا، تاریخوں میں ہند کا لقب جو ''جگر خوار'' ہے وہ اسی واقعہ کی بنا پر ہے۔ ہند اور اس کے شوہر ابوسفیان نے رمضان

8ھ میں فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ (رضی اللہ عنہما) (زرقانی ج 2، ص 47 وغیرہ)

سعد بن الربیع کی وصیت:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے حکم سے حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی لاش کی تلاش میں نکلا، تو میں نے ان کو سکرات کے عالم میں پایا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے میرا اسلام عرض کر دینا اور اپنی قوم سے بعد سلام میرا یہ پیغام سنا دینا کہ جب تک تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ تک کفار پہنچ گئے تو خدا کے دربار میں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ (زرقانی ج 2، ص 48)

خواتین اسلام کے کارنامے:

جنگ احد میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی بہت ہی مجاہدانہ جذبات کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی ام سلیم رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ دونوں پائینچے چڑھائے ہوئے مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین خصوصاً زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت بی بی ام سلیط بھی برابر پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ (بخاری ج 2، باب ذکر ام سلیط ص 582)

حضرت اُم عمارہ کی جاں نثاری:

حضرت بی بی ام عمارہ جن کا نام ''نسیبہ'' ہے۔ جنگ اُحد میں اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم اور دو فرزند حضرت عمارہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر آئیں تھیں پہلے تو یہ مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں لیکن جب حضور ﷺ پر کفار کی یلغار کا ہوش رُبا منظر دیکھا تو مشک کو پھینک دیا اور ایک خنجر لے کر کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو گئیں اور کفار کے تیر و تلوار کے ہر ایک وار کو روکتی رہیں۔ چنانچہ ان کے سر اور گردن پر تیرہ زخم لگے۔ ابن قیمہ ملعون نے جب حضور رسالت مآب ﷺ پر تلوار چلا دی تو بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اپنے بدن پر روکا۔ چنانچہ ان کے

کندھے پر اتنا گہرا زخم آیا کہ غار پڑ گیا۔ پھر خود بڑھ کر ابن قمیہ کے شانے پر زور سے تلوار ماری، لیکن وہ ملعون دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے بچ گیا۔

حضرت بی بی ام عمارہ کے فرزند حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک کافر نے زخمی کر دیا اور میرے زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ میری والدہ حضرت ام عمارہ نے فوراً اپنا کپڑا پھاڑ کر زخم کو باندھ دیا اور کہا کہ بیٹا اٹھو، کھڑے ہو جاؤ اور پھر جہاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اتفاق سے وہی کافر حضور ﷺ کے سامنے آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے ام عمارہ! دیکھ تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت بی بی ام عمارہ نے جھپٹ کر اس کافر کی ٹانگ پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ کافر گر پڑا اور پھر چل نہ سکا بلکہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا۔ یہ منظر دیکھ کر حضور ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے ام عمارہ! تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھ کو اتنی طاقت اور ہمت عطا فرمائی کہ تو نے خدا کی راہ میں جہاد کیا حضرت بی بی ام عمارہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! دعا فرمائیے کہ ہم لوگوں کو جنت میں آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہو جائے۔ اس وقت آپ نے ان کے لئے اور ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کے لئے اس طرح دعا فرمائی کہ

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّةِ"

ترجمہ: یا اللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے۔

حضرت بی بی عمارہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علانیہ یہ کہتی رہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے بعد دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی مجھ پر آ جائے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (مدارج ج 2 ص 126)

حضرت صفیہ کا حوصلہ:

حضور ﷺ کی پھوپی حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آئیں تو آپ نے ان کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میری پھوپھی اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن میں اس کو اللہ کی راہ میں کوئی بڑی قربانی نہیں سمجھتی۔ پھر حضور ﷺ کی اجازت سے لاش کے پاس گئیں

اور یہ منظر دیکھا کہ پیارے بھائی کے کان، ناک، آنکھ سب کٹے پڑے شکم چاک، جگر چبایا ہوا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس شیر دل خاتون نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، کے سوا کچھ بھی نہ کہا۔ پھر ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوئی چلی آئیں۔ (طبری ص 1421)

ایک انصار عورت کا صبر:

ایک انصاری عورت جس کا شوہر، باپ، بھائی سبھی اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ تینوں کی شہادت کی خبر باری باری سے لوگوں نے اسے دی۔ مگر وہ ہر بار یہی پوچھتی رہی کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ جب لوگوں نے اس کو بتایا کہ الحمد اللہ وہ زندہ اور سلامت ہیں تو بے اختیار اس کی زبان سے اس شعر کا مضمون نکل پڑا کہ ؎

تسلی ہے پناہ بے کساں زندہ سلامت ہے
کوئی پرواہ نہیں، سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اللہ اکبر! اس شیر دل عورت کے صبر وایثار کا کیا کہنا! شوہر، باپ، بھائی، تینوں کے قتل سے دل پر صدمات کے تین پہاڑ گر پڑے ہیں، مگر پھر بھی زبان حال سے اس کا یہی نعرہ ہے کہ ؎

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
(طبری ص 1425)

شہدائے کرام:

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں چار مہاجر اور چھیاسٹھ انصار تھے۔ تیس کی تعداد میں کفار بھی نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 ص 133)

مگر مسلمانوں کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ان شہداء کرام کے کفن کے لئے کپڑا بھی نہیں تھا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ بوقت شہادت ان کے بدن پر صرف ایک اتنی بڑی کملی تھی کہ ان کی لاش کو قبر میں لٹانے کے بعد اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا تھا بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی، شہداء کرام خون میں لتھڑے ہوئے دو

دو شہید ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آگے رکھتے۔ (بخاری باب اذالم جوالاتوب واحد ج 1، ص 170 و بخاری ج 2 ص 584 باب الذین استجاوا)

قبور شہدا کی زیارت:

حضور ﷺ شہداء احد کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لئے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ شہداء کرام اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

چنانچہ حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں ایک دن احد کے میدان سے گزر رہی تھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ اے رسول اللہ کے چچا آپ پر سلام ہو تو میرے کان میں یہ آواز آئی کہ وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 135)

حیات شہدا:

چھیالیس برس کے بعد شہداء احد کی بعض قبریں کھل گئیں تو ان کے کفن سلامت اور بدن تروتازہ تھے تمام اہل مدینہ اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ شہداء کرام اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور جب زخم سے ہاتھ اٹھایا تو تازہ خون نکل کر بہنے لگا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 135)

کعب بن اشرف کا قتل:

یہودیوں میں کعب بن اشرف بہت ہی دولت مند تھا۔ یہودی علماء اور یہود کے مذہبی پیشواؤں کو اپنے خزانہ سے تنخواہ دیتا تھا۔ دولت کے ساتھ شاعری میں بھی بہت باکمال تھا جس کی وجہ سے نہ صرف یہودیوں بلکہ تمام قبائل عرب پر اس کا ایک خاص اثر

تھا اس کو حضور ﷺ سے سخت عداوت تھی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور سرداران قریش کے قتل ہو جانے سے اس کو انتہائی رنج و صدمہ ہوا چنانچہ یہ قریش کی تعزیت کے لئے مکہ گیا اور کفار قریش کا جو بدر میں مقتول ہوئے تھے ایسا پر درد مرثیہ لکھا کہ جس کو سن کر سامعین کے مجمع میں ماتم برپا ہو جاتا تھا۔ اس مرثیہ کو یہ شخص قریش کو سنا سنا کر خود بھی زار و زار روتا تھا اور سامعین کو بھی رلاتا تھا۔ مکہ میں ابوسفیان سے ملا اور اس کو مسلمانوں سے جنگ بدر کا بدلہ لینے پر ابھارا، بلکہ ابوسفیان کو لے کر حرم میں آیا اور کفار مکہ کے ساتھ خود بھی کعبہ کا غلاف پکڑ کر عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا ضرور انتقام لیں گے، پھر مکہ سے مدینہ لوٹ کر آیا تو حضور اکرم ﷺ کی ہجو لکھ کر شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرنے لگا۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ کو چپکے سے قتل کرا دینے کا قصد کیا۔

کعب بن اشرف یہودی کی یہ حرکتیں سراسر اس معاہدہ کی خلاف ورزی تھی جو یہود اور انصار کے درمیان ہو چکا تھا کہ مسلمانوں اور کفار قریش کی لڑائی میں یہودی غیر جانبدار رہیں گے۔ بہت دنوں تک مسلمان برداشت کرتے رہے مگر جب بانیء اسلام ﷺ کی مقدس جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت ابو نائلہ و حضرت عباد بن بشر و حضرت حارث بن اوس و حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا اور رات میں کعب بن اشرف کے مکان پر گئے اور ربیع الاول 3ھ کو اس کے قلعہ کے پھاٹک پر اس کو قتل کر دیا اور صبح کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کا سر تاجدار دو عالم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس قتل کے سلسلہ میں حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ تلوار کی نوک سے زخمی ہو گئے تھے محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم ان کو کندھوں پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے اور آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے زخم پر لگا دیا تو اسی وقت شفاء کامل حاصل ہو گئی۔

(زرقانی جلد 2 ص 10 و بخاری ج 2، ص 576 و مسلم ص 110)

غزوہ غطفان:

ربیع الاول 3ھ میں حضور ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ نجد کے ایک مشہور بہادر ''دعثور بن الحارث محاربی'' نے ایک لشکر تیار کر لیا ہے تاکہ مدینہ پر حملہ کرے۔ اس خبر کے بعد

آپ چار سو صحابہ کرام کی فوج لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب دعشور کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے دیار میں آ گئے تو وہ بھاگ نکلا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مگر اس کی فوج کا ایک آدمی جس کا نام ''حبان'' تھا گرفتار ہو گیا اور فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اتفاق سے اس روز زوردار بارش ہو گئی۔ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے لیٹ کر اپنے کپڑے سکھانے لگے۔ پہاڑ کی بلندی سے کافروں نے دیکھ لیا کہ آپ بالکل اکیلے اور اپنے اصحاب سے دور بھی ہیں۔ ایک دم دعشور بجلی کی طرح پہاڑ سے اتر کر ننگی شمشیر ہاتھ میں لیے ہوئے آیا اور حضور ﷺ کے سر مبارک پر تلوار بلند کر کے بولا کہ بتائیے اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچا لے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا اللہ مجھ کو بچا لے گا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام دم زدن میں زمین پر اتر پڑے اور دعشور کے سینے میں ایک ایسا گھونسہ مارا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور دعشور عین غین ہو کر رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً تلوار اٹھا لی اور فرمایا کہ بول۔ اب تجھ کو میری تلوار سے کون بچائے گا؟ دعشور نے کانپتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ ''کوئی نہیں'' رحمۃ للعالمین ﷺ کو اس کی بے کسی پر رحم آ گیا اور آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا، دعشور اس اخلاق نبوت سے بے حد متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم میں آ کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔

اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور حضور ﷺ گیارہ یا پندرہ دن مدینہ سے باہر رہ کر پھر مدینہ آ گئے۔ (زرقانی ج 2، ص 15 و بخاری ج 2، ص 593)

بعض مورخین نے اس تلوار کھینچے والے واقعہ کو ''غزوۂ ذات الرقاع'' کے موقع پر بتایا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ تاریخ نبوی میں اس قسم کے دو واقعات ہوئے ہیں۔ ''غزوۂ غطفان'' کے موقع پر سر انور کے اوپر تلوار اٹھانے والا ''دعشور بن حارث محاربی'' تھا جو مسلمان ہو کر اپنی قوم کے اسلام کا باعث بنا اور غزوہ ذات الرقاع میں جس شخص نے حضور اقدس ﷺ پر تلوار اٹھائی تھی اس کا نام ''غورث'' تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ مرتے وقت تک اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ہاں البتہ اس نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ حضور ﷺ سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔ (زرقانی ج 2، ص 16)

3ھ کے واقعات متفرقہ:

ہجرت کے تیسرے سال میں مندرجہ ذیل واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔

1. 15 رمضان 3ھ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔
2. اسی سال حضور اقدس ﷺ نے حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی عنہ کی صاحبزادی ہیں جو غزوۂ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کے مفصل حالات ازواج مطہرات کے ذکر میں آگے تحریر کئے جائیں گے۔
3. اسی سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔
4. میراث کے احکام وقوانین بھی اسی سال نازل ہوئے۔ اب تک میراث میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ان کے حقوق کا مفصل بیان نازل ہوگیا۔
5. اب تک مشرک عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے جائز تھا۔ مگر 3ھ میں اس کی حرمت نازل ہوگئی اور ہمیشہ کے لئے مشرک عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے حرام کر دیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)



باب نمبر:9

ہجرت کا چوتھا سال

ہجرت کا چوتھا سال بھی کفار کے ساتھ چھوٹی بڑی لڑائیوں ہی میں گزرا۔ جنگ بدر کی فتح مبین سے مسلمانوں کا رعب تمام قبائل عرب پر بیٹھ گیا تھا۔ اس لئے تمام قبیلے کچھ دنوں کے لئے خاموش بیٹھ گئے تھے۔ لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے سے دوبارہ تمام قبائل دفعتہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی اپنے دفاع کے لئے لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔ 4ھ کی مشہور لڑائیوں میں سے چند یہ ہیں۔

سریہ ابو سلمہ:

یکم محرم 4ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلیحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے نکل پڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت ابو سبرہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما جیسے معزز مہاجرین و انصار بھی تھے۔ لیکن کفار کو جب پتا چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جن کو مسلمان مجاہدین نے مال غنیمت بنا لیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔

(زرقانی ج 2، ص 62)

سریہ عبداللہ بن انیس:

محرم 4ھ کو اطلاع ملی کہ "خالد بن سفیان ہزلی" مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لائے اور تاجدار دو عالم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جان بازی سے خوش ہو کران کو اپنا عصا (چھڑی) عطاء فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لے کر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔

(زرقانی ج2،ص64)

حادثہء رجیع:

عسفان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام "رجیع" ہے۔ یہاں کی زمین سات مقدس صحابہ کرام کے خون سے رنگین ہے اسی لئے یہ واقعہ سریہ رجیع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی 4ھ میں پیش آیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ عضل وقارہ کے چند آدمی بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب آپ چند صحابہ کرام کو وہاں بھیج دیں تاکہ وہ ہماری قوم کو عقائد و اعمال اسلام سکھا دیں۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے دس منتخب صحابہ کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ماتحتی میں بھیج دیا۔ جب یہ مقدس قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو غدار کفار نے بدعہدی کی اور قبیلہء بنولحیان کے کافروں نے دوسو کی تعداد میں جمع ہو کران دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے تیر چلانا شروع کیا اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی۔ کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے، تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں اس لئے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ "یا اللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے" پھر وہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ "یا اللہ! تو اپنے رسول کو

ہمارے حال سے مطلع فرما دے" پھر وہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھا۔اس لئے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پتہ چلا تو کفار مکہ نے چند آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا تا کہ ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جس سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے۔جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔اس لئے کفار مکہ ناکام واپس چلے گئے۔

(زرقانی ج 2،ص 73 و بخاری ج 2،ص 569)

باقی تین اشخاص حضرت خبیب و حضرت زید بن وثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بدعہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بدعہدی ہے اور میرے لئے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (بخاری ج 2،ص 568 و زرقانی ج 2،ص 67)

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لئے دونوں مجبور ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔اس لئے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا تا کہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے اور حضرت زید بن وثنہ کو امیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا پھر حدود حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ حضرت خبیب نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ قاتلوں نے اجازت دے دی۔آپ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا

رہوں۔ کیونکہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی، مگر مجھ کو یہ خیال آگیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔ کفار نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا۔ اس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا!!

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِیْ اللّٰہِ مَضْرَعِیْ

ترجمہ: جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

وَذٰلِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاء

یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٖ

ترجمہ: یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا تو میرے کٹے پٹے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔

حارث بن عامر کے لڑکے ''ابو سروعہ'' نے آپ کو قتل کیا، مگر خدا کی شان کہ ہیں ابو سروعہ اور ان کے دونوں بھائی ''عقبہ'' اور ''حجیر'' پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز ہو گئے۔

(بخاری ج 2، ص 569 و زرقانی ج 2، ص 64 تا 78)

حضرت خبیب کی قبر:

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار کر لائے اس کے لئے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام ''تنعیم'' میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے پاس پہنچے، چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے، ان دونوں حضرات نے لاش کو سولی سے اتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیئے چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش ترو تازہ تھی اور زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے۔ ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار

کرلیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب ''بلیغ الارض'' (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔ اس کے بعد ان حضرات نے کفار سے کہا کہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں۔ اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو۔ ورنہ اپنا راستہ لو۔ کفار نے ان حضرات کے پاس لاش نہیں دیکھی۔ اس لئے مکہ چلے گئے۔ جب دونوں صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں سارا ماجرہ عرض کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر دربار تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے ان دونوں یاروں کے اس کارنامہ پر ہم فرشتوں کو بھی فخر ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد 2،ص 141)

حضرت زید کی شہادت:

حضرت زید بن وشنہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لئے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے، جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا کہ کیوں؟ اے زید! سچ کہنا۔ اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ اس طرح قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟ حضرت زید بن رضی اللہ عنہ ابوسفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابوسفیان خدا کی قسم! میں اپنی جان کو قربان کر دینا عزیز سمجھتا ہوں مگر میرے پیارے رسول ﷺ کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے مجھے کبھی بھی یہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

مجھے ہونا ز قسمت پر اگر نام محمد ﷺ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا کف پا اسکو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا، پر مجھ سے ہو نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے مگر محمد ﷺ کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔ صفوان کے غلام ''نسطاس'' نے تلوار سے ان کی گردن ماری۔ (زرقانی ج 2،ص 73)

واقعہ بیر معونہ:

ماہ صفر 4ھ میں ''بیر معونہ'' کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے ''ملاعب الاسنہ'' (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا۔ بارگاہ رسالت میں آیا۔ حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا، نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی۔ بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو ''قرائ'' کہلاتے تھے۔ بھیج دیا۔ یہ حضرات جب مقام ''بیر معونہ'' پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا اس نے خط پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل، وذکوان اور عصیہ، و بنو لحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لیا اور صحابہ کرام پر حملہ کے لئے روانہ ہو گیا، حضرات صحابہ کرام بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ مگر جب بہت دیر ہو گئی۔ تو یہ لوگ آگے بڑھے۔ راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہو گئی۔ کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام کو شہید کر دیا۔ انہی شہداء کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی، پھر زمین پر آ گئی۔ اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر نہیں ملی کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا۔ (بخاری ج 2، ص 587 باب غزوۃ الرجیع)

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ اس لئے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ

عنہ وہاں سے چل کر جب مقام ''قرقرہ'' میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے وہیں قبیلہ بنو کلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عامر بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام کے خون کا بدلہ لے لیا ہے، مگر ان دونوں شخصوں کو حضور ﷺ امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا۔ جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے سارا حال دربار رسالت میں بیان کیا تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت ﷺ کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کر تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج و صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ مہینہ بھر تک قبائل رعل و ذکوان اور عصیہ و بنولحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔

(بخاری ج 1، ص 136 وزرقانی ج 2، ص 74 تا 78)

غزوہ بنو نضیر:

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو کلاب کے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا اور حضور ﷺ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔ اسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے حضور اقدس ﷺ قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ کیونکہ ان یہودیوں سے آپ کا معاہدہ تھا مگر یہودی درحقیقت بہت ہی بد باطن ذہنیت والی قوم ہیں۔ معاہدہ کر لینے کے باوجود ان خبیثوں کے دلوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی اور عناد کی آگ بھری ہوئی تھی۔ ہر چند حضور ﷺ ان بد باطنوں سے اہل کتاب ہونے کی بنا پر اچھا سلوک فرماتے تھے مگر یہ لوگ ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی اور بانی اسلام کی دشمنی میں مصروف رہے۔ مسلمانوں سے بغض و عناد اور کفار و منافقین سے ساز باز اور اتحاد یہی ہمیشہ ان غداروں کا طرز عمل رہا۔ چنانچہ اس موقع پر جب رسول اللہ ﷺ ان یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے بظاہر تو بڑے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ مگر اندرونی طور پر بڑی ہی خوفناک سازش اور انتہائی خطرناک اسکیم کا منصوبہ بنالیا۔ حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت

علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ یہودیوں نے ان سب حضرات کو ایک دیوار کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا اور آپس میں یہ مشورہ کیا کہ چھت پر سے ایک بہت ہی بڑا اور وزنی پتھر ان حضرات پر گرا دیں تا کہ یہ سب لوگ دب کر ہلاک ہو جائیں چنانچہ عمرو بن حجاش اس مقصد کے لئے چھت کے اوپر چڑھ گیا۔ محافظ حقیقی پروردگار عالم نے اپنے حبیب ﷺ کو یہودیوں کی اس ناپاک سازش سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا۔ اس لئے فوراً ہی آپ وہاں سے اٹھ کر چپ چاپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلے آئے اور مدینہ تشریف لا کر صحابہ کرام کو یہودیوں کی سازش سے آگاہ فرمایا اور انصار و مہاجرین سے مشورہ کے بعد ان یہودیوں کے پاس قاصد بھیج دیا کہ چونکہ تم لوگوں نے اپنی اس وسیسہ کاری اور قاتلانہ سازش سے معاہدہ توڑ دیا۔ اس لئے اب تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ تم اس مدت میں مدینہ سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد جو شخص بھی تم میں یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ شہنشاہ مدینہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر بنونضیر کے یہودی جلاوطن ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے مگر منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ان یہودیوں کا حامی بن گیا اور اُس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ہرگز مدینہ سے نہ نکلو ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے علاوہ بنوقریظہ اور بنوغطفان یہودیوں کے دو طاقتور قبیلے بھی تمہاری مدد کریں گے۔ بنونضیر کے یہودیوں کو جب اتنا بڑا سہارا مل گیا تو وہ شیر ہو گئے اور انہوں نے حضور ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ آپ کے جو دل میں آئے کر لیجئے۔ (مدارج جلد 2، ص 147)

یہودیوں کے اس جواب کے بعد حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر خود بنونضیر کا قصد فرمایا اور ان یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن تک قائم رہا۔ قلعہ میں باہر سے ہر قسم کے سامان کا آنا جانا بند ہو گیا اور یہودی بالکل ہی محصور و مجبور ہو کر رہ گئے۔ اس موقع پر نہ تو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی مدد کے لئے آیا، نہ بنوقریظہ اور بنوغطفان نے کوئی مدد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دغا بازوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۂ حشر)

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال شیطان جیسی ہے جب اس نے آدمی سے کہا کہ تو کفر کر، پھر جب اس نے کفر کیا تو بولا کہ میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

یعنی جس طرح شیطان آدمی کو کفر پر ابھارتا ہے۔ لیکن جب آدمی شیطان کے ورغلانے سے کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شیطان چپکے سے کھسک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اسی طرح منافقوں نے بنی نضیر کے یہودیوں کو شہ دے کر دلیر بنا دیا اور اللہ کے حبیب ﷺ سے لڑا دیا۔ لیکن جب بنو نضیر کے یہودیوں کو جنگ کا سامنا ہوا۔ تو منافق چھپ کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

حضور ﷺ نے قلعہ کے محاصرہ کے ساتھ قلعہ کے آس پاس کھجوروں کے کچھ درختوں کو بھی کٹوا دیا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں یہودی چھپ کر اسلام پر چھاپہ مارتے اور جنگ میں مسلمانوں کو دشواری ہو جاتی۔ ان درختوں کو کاٹنے کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے، کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ درخت نہ کاٹے جائیں۔ کیونکہ فتح کے بعد یہ سب درخت مال غنیمت بن جائیں گے اور مسلمان ان سے نفع اٹھائیں گے اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کو کاٹ کر صاف کر دینے سے یہودیوں کی کمین گاہوں کو برباد کرنا اور نقصان پہنچا کر وغیظ وغضب میں ڈالنا مقصود ہے۔ لہٰذا ان درختوں کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔ اس موقع پر سورۂ حشر کی یہ آیت اتری۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔

ترجمہ: جو درخت تم نے کاٹے، یا جن کو ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے۔ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا۔ تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمان میں جو درخت کاٹنے والے ہیں ان کا عمل بھی درست ہے اور جو کاٹنا نہیں چاہتے وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ درختوں کو کاٹنا اور کچھ کو چھوڑ دینا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہیں۔

بہرحال آخر کار محاصرہ سے تنگ آ کر بنو نضیر کے یہودی اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ

اپنا اپنا مکان اور قلعہ چھوڑ کر اس شرط پر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے کہ جس قدر مال و اسباب وہ اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں حضور ﷺ نے یہودیوں کی اس شرط کو منظور فرمالیا اور بنونضیر کے سب یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال وسامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ کچھ تو ''خیبر'' چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر ''اذرعات'' اور ''آریحا'' میں آباد ہو گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے گھروں کی مسلمانوں نے جب تلاشی لی تو پچاس لوہے کی ٹوپیاں، پچاس زرہیں۔ تین سو چالیس تلواریں نکلیں جو حضور ﷺ کے قبضہ میں آئیں۔ (زرقانی ج 2، ص 79 تا 85)

اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے یہودیوں کی اس جلاوطنی کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ حشر میں اس طرح فرمایا کہ

هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ (حشر)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لئے (اے مسلمانو) تمہیں یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے پاس آ گیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران کرتے ہیں تو عبرت پکڑو اے نگاہ والو!

بدرِ صغریٰ:

جنگ احد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ شعبان یا ذوالقعدہ 4ھ میں حضور ﷺ مدینہ کے نظم ونسق کا انتظام

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر لشکر کے ساتھ بدر میں تشریف لے گئے۔ آٹھ روز تک کفار کا انتظام کیا ادھر ابوسفیان بھی فوج کے ساتھ چلا۔ ایک منزل چلا تھا کہ اس نے اپنے لشکر سے یہ کہا کہ یہ سال جنگ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اتنا زبردست قحط پڑا ہوا ہے کہ نہ آدمیوں کے لئے دانہ پانی ہے، نہ جانوروں کے لئے گھاس چارہ، یہ کہہ کر ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کے پاس کچھ مال تجارت بھی ساتھ تھا۔ جب جنگ نہیں ہوئی تو مسلمانوں نے تجارت کر کے خوب نفع کمایا اور مدینہ واپس چلے آئے۔ (مدارج جلد 2، ص 151 وغیرہ)

4ھ کے متفرق واقعات:

1. اسی سال غزوہ بنونضیر کے بعد جب انصار نے کہا کہ یارسول اللہ! بنونضیر کے جو اموال غنیمت میں ملے ہیں۔ وہ سب آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیجئے ہم اس میں سے کسی چیز کے طلب گار نہیں ہیں تو حضور ﷺ نے خوش ہو کر یہ دعا فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ اَرْحَمِ الْاَنْصَارَ وابناءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَآءَ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ۔

ترجمہ: اے اللہ انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔ (مدارج جلد 2، ص 148)

2. اسی سال حضور ﷺ کے نواسے حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ایک مرغ نے چونچ ماردی جس کے صدمے سے وہ دو رات تڑپ کر وفات پا گئے۔ (مدارج جلد 2، ص 150)
3. اسی سال حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت بی بی زینب خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ (مدارج جلد 2، ص 150)
4. اسی سال حضور ﷺ نے حضرت ام المومنین بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا۔ (مدارج جلد 2، ص 150)
5. اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ حضور ﷺ نے اپنا مقدس پیراہن ان کے کفن کے

لئے عطاء فرمایا اور ان کی قبر میں اتر کر ان کی میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا اور فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد کے سوا کوئی شخص بھی قبر کے دبوچنے سے نہیں بچا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ ہی میت ایسی خوش نصیب ہوئی ہیں جن کی قبر میں حضور ﷺ خود اترے۔ اول حضرت بی بی خدیجہ۔ دوم حضرت بی بی خدیجہ کا ایک لڑکا۔ سوم عبداللہ مزنی جن کا لقب ذوالبجادین ہے۔ چہارم حضرت بی بی عائشہ کی ماں۔ حضرت ام رومان۔ پنجم حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

(مدارج جلد 2، ص 150)

6. اسی سال 4 شعبان 4ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔

(مدارج جلد 2، ص 151)

7. اسی سال ایک یہودی نے ایک یہودی کی عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہودیوں نے یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش کیا تو آپ نے توراۃ و قرآن دونوں کتابوں کے فرمان سے اس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (مدارج جلد 2، ص 152)

8. اسی سال طعمہ بن ابیرق نے جو مسلمان تھا چوری کی تو حضور ﷺ نے قرآن کے حکم سے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ اس کے بد طعمہ مکہ سے بھاگ گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی۔ اہل مکہ نے اس کو قتل کر ڈالا یا اس نے دیوار سے گر کر خودکشی کر لی یا دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔

(مدارج جلد 2، ص 153)

9. بعض مورخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا اور بعض کے نزدیک 6ھ میں اور بعض نے کہا کہ 8ھ میں شراب حرام کی گئی۔

(مدارج جلد 2، ص 153)



باب نمبر:10

ھجرت کا پانچواں سال 5ھ

جنگ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے اور کفار قریش اور یہودیوں کی مشترکہ سازشوں سے تمام قبائل کفار کا حوصلہ اتنا بلند ہوگیا کہ سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کا جنون ہوگیا۔ چنانچہ 5ھ بھی کفر و اسلام کے بہت سے معرکوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ ہم یہاں چند مشہور غزوات و سرایا کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوہ ذات الرقاع:

سب سے پہلے قبائل ''انمار و ثعلبہ'' نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے چار سو صحابہ کرام کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور 10 محرم 5ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مقام ''ذات الرقاع'' تک تشریف لے گئے۔ لیکن آپ کی آمد کا حال سن کر یہ کفار پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ گئے اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مشرکین کی چند عورتیں ملیں۔ جن کو صحابہ نے گرفتار کرلیا۔ اس وقت مسلمان بہت ہی مفلس اور تنگ دستی کی حالت میں تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لئے ایک اونٹ تھا۔ جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے۔ پہاڑی زمین پر پیدل چلنے سے ہمارے پاؤں زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لئے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کا نام ''غزوہ ذات الرقاع'' (پیوند والا غزوہ) ہوگیا۔ (بخاری غزوات ذات الرقاع ج 2، ص 592)

بعض مورخین نے کہا کہ چونکہ وہاں کی زمین کے پتھر سفید و سیاہ رنگ کے تھے اور زمین ایسی نظر آتی تھی گویا سفید اور کالے پیوند ایک دوسرے جوڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس غزوہ کو ''غزوہ ذات الرقاع'' کہا جانے لگا اور بعض کا قول ہے کہ یہاں پر ایک درخت کا نام ''ذات الرقاع'' تھا۔ اس لئے لوگ اس کو غزوہ ذات الرقاع کہنے لگے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ ساری باتیں ہوں۔ (زرقانی جلد 2،ص 88)

مشہور امام سیرت ابن اسحق کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس غزوہ میں حضور ﷺ نے ''صلوٰۃ الخوف'' پڑھی۔

(زرقانی ج 2،ص 90 و بخاری باب غزوہ ذات الرقاع ج 2،ص 592)

غزوہ دُومۃ الجندل:

ربیع الاول 5ھ میں پتا چلا کہ ''مقام دومۃ الجندل'' میں جو مدینہ اور شہر دمشق کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع ہو رہی ہے۔ حضور ﷺ ایک ہزار صحابہ کرام کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے مدینہ سے نکلے۔ جب مشرکین کو یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنے مویشیوں اور چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ صحابہ کرام نے ان تمام جانوروں کو مال غنیمت بنا لیا اور آپ نے تین دن وہاں قیام فرما کر مختلف مقامات پر صحابہ کے لشکروں کو روانہ فرمایا۔ اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس سفر میں ایک مہینہ سے زائد آپ مدینہ سے باہر رہے۔

(زرقانی ج 2،ص 94 تا 95)

غزوۂ مُریسیع:

اس کا دوسرا نام ''غزوہ بنی المصطلق'' بھی ہے۔ ''مریسیع'' ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے آٹھ منزل دور ہے۔ قبیلۂ خزاعہ کا ایک خاندان ''بنو المصطلق'' یہاں آباد تھا اور اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار تھا اس نے بھی مدینہ پر فوج کشی کے لئے لشکر جمع کیا تھا جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو 2 شعبان 5 ھ کو حضور اقدس ﷺ مدینہ پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ جب حارث بن ضرار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوگئی تو اس پر ایسی دہشت سوار ہوگئی کہ وہ اور اس کی فوج بھاگ کر منتشر ہوگئی مگر خود مریسیع کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور جم کر مسلمانوں پر تیر برسانے لگے۔ لیکن جب مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا تو دس کفار مارے گئے اور ایک مسلمان بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ باقی سب کفار گرفتار ہوگئے۔ جن کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں

مالِ غنیمت میں صحابہ کرام کے ہاتھ آئیں۔ (زرقانی ج 2،ص 97 تا 98)

غزوہ مریسیع جنگ کے اعتبار سے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس جنگ میں بعض ایسے اہم واقعات درپیش ہو گئے کہ وہ غزوۂ تاریخ نبوی کا ایک بہت ہی اہم اور شاندار عنوان بن گیا ہے ان مشہور واقعات میں سے چند یہ ہیں۔

منافقین کی شرارت:

اس جنگ میں مالِ غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی شریک ہو گئے تھے۔ ایک دن پانی لینے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں کچھ تکرار ہو گئی۔ مہاجر نے بلند آواز سے یاللمھاجرین (اے مہاجرو، فریاد ہے) اور انصاری نے یا للانصار (اے انصاریو، فریاد ہے) کا نعرہ مارا۔ یہ نعرہ سنتے ہی انصار و مہاجرین دوڑ پڑے اور اس قدر بات بڑھ گئی کہ آپس میں جنگ کی نوبت آ گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو شرارت کا ایک موقع مل گیا۔ اس نے اشتعال دلانے کے لئے انصاریوں سے کہا کہ لو! یہ تو وہی مثل ہوئی کہ سَمِّنْ کَلْبَکَ لِیَاکلک (تم اپنے کتے کو فربہ کرو) تاکہ وہ تمہیں کو کھا ڈالے، تم انصاریوں ہی نے ان مہاجرین کا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔ لہٰذا اب ان مہاجرین کی مالی امداد بالکل بند کردو۔ یہ لوگ ذلیل و خوار ہیں اور ہم انصار عزت دار ہیں اگر ہم مدینہ پہنچے تو یقیناً ہم ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کر دیں گے۔

(قرآن سورۂ منافقون)

حضور اکرم ﷺ نے جب اس ہنگامہ کا شور و غوغا سنا تو انصار و مہاجرین سے فرمایا کہ تم لوگ زمانہ جاہلیت کی نعرہ بازی کر رہے ہو؟ جمالِ نبوت دیکھتے ہی انصار و مہاجرین برف کی طرح ٹھنڈے پڑ گئے اور رحمتِ عالم ﷺ کے چند فقروں نے محبت کا ایسا دریا بہا دیا کہ پھر انصار و مہاجرین شیر و شکر کی طرح گھل مل گئے۔

جب عبداللہ بن ابی کی بیہودہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی تو وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ ننگی تلوار لے کر آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضور اقدس ﷺ نے نہایت نرمی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اے عمر! خبردار ایسا نہ کرو۔ ورنہ کفار میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل ہی

خاموش ہو گئے مگر اس خبر کا پورے لشکر میں چرچا ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی جتنا بڑا اسلام اور بانی اسلام ﷺ کا دشمن تھا۔ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اس کے بیٹے اسلام کے سچے شیدائی اور حضور ﷺ کے جان نثار صحابی تھے۔ ان کا نام بھی عبداللہ تھا۔ جب اپنے باپ کی بکواس کا پتا چلا تو وہ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ میرے باپ کے قتل کو پسند فرماتے ہوں تو میری تمنا ہے کہ کسی دوسرے کے بجائے میں خود اپنی تلوار سے اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ میں تمہارے باپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی برا سلوک نہیں کروں گا۔

(ابن سعد و طبری وغیرہ)

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مدینہ کے قریب وادی عقیق میں وہ اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم نے مہاجرین اور رسول اللہ ﷺ کو ذلیل کہا ہے اللہ کی قسم! میں اس وقت تک تم کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت عطاء نہ فرمائیں گے اور جب تک تم اپنی زبان سے یہ نہ کہو کہ حضور ﷺ تمام اولادِ آدم میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں اور تم سارے جہان والوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہو۔ تمام لوگ انتہائی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے جب حضور ﷺ وہاں پہنچے اور یہ دیکھا کہ بیٹا باپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے اور عبداللہ بن ابی زور زور سے کہہ رہا ہے کہ ”میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ عزت دار ہیں“۔ آپ نے یہ دیکھتے ہی حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو تاکہ یہ مدینہ میں داخل ہو جائے۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 157)

حضرت جویریہ سے نکاح:

غزوہ مریسیع کی جنگ میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ ان میں سردار قوم حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب تمام قیدی لونڈی غلام بنا کر مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دیئے گئے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں انہوں نے حضرت جویریہ رضی

اللہ عنہا کو کہہ دیا کہ مجھے اتنی اتنی رقم دے دو تو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی رقم نہیں تھی۔ وہ حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنے قبیلے کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ حضرت ثابت بن قیس نے اتنی اتنی رقم لے کر مجھے آزاد کردینے کا وعدہ کرلیا ہے آپ میری امداد فرمائیں تاکہ میں یہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم منظور کرلوگی؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں خود تنہا تمہاری طرف سے ساری رقم ادا کردوں اور تم کو آزاد کر کے میں تم سے نکاح کرلوں کہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے خوشی خوشی اس کو منظور کرلیا چنانچہ حضور ﷺ نے ساری رقم اپنے پاس سے ادا کرفرما کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔ جب یہ خبر لشکر میں پھیل گئی کہ حضور ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تو مجاہدین اسلام کے لشکر میں اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام تھے مجاہدین نے سب کو فوراً ہی آزاد کر کے رہا کردیا اور لشکر اسلام کا ہر سپاہی کہنے لگا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کرلی اس خاندان کا کوئی آدمی لونڈی غلام نہیں رہ سکتا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ ہم نے کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر خیر و برکت والا نہیں دیکھا کہ اس کی وجہ سے تمام خاندان بنی المصطلق کو غلامی سے آزادی نصیب ہوگئی۔

(ابوداؤد کتاب العتق ج 2، ص 548)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا اصلی نام ''برہ'' تھا۔ حضور ﷺ نے اس نام کو بدل کر ''جویریہ'' نام رکھا۔ (مدارج جلد 2، ص 155)

واقعہ افک:

اسی غزوہ سے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آنے لگے تو ایک منزل پر رات میں پڑاؤ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بند ہودج میں سوار ہو کر سفر کرتی تھیں اور چند مخصوص آدمی اس ہودج کو اونٹ پر لادنے اور اتارنے کے لئے مقرر تھے۔ حضرت

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر کی روانگی سے کچھ پہلے لشکر سے باہر رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ جب واپس ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ وہ دوبارہ اس ہار کی تلاش میں لشکر سے باہر چلی گئیں۔ اس مرتبہ واپس میں کچھ دیر لگ گئی اور لشکر روانہ ہو گیا۔ آپ کا ہودج لادنے والوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المومنین ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور پورا قافلہ منزل سے روانہ ہو گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منزل پر واپس آئیں تو یہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ تنہائی سے سخت گھبرائیں۔ اندھیری رات میں اکیلے چلنا بھی خطرناک تھا۔ اس لئے وہ یہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب اگلی منزل پر لوگ مجھے نہ پائیں گے۔ تو ضرور ہی میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ وہ لیٹی لیٹی سو گئیں۔ ایک صحابی جن کا نام حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے پیچھے اس خیال سے چلا کرتے تھے تا کہ لشکر کا گرا پڑا سامان اٹھاتے چلیں۔ وہ جب اس منزل پر پہنچے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور چونکہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے وہ بارہا ام المومنین کو دیکھ چکے تھے۔ اس لئے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انہیں مردہ سمجھ کر "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون" پڑھا۔ اس آواز سے وہ جاگ اٹھیں۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس واقعہ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا ذریعہ بنا لیا اور خوب اس تہمت کا چرچا کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ میں اس منافق نے اس شرمناک تہمت کو اس قدر اچھالا اور اتنا شور و غل مچایا کہ مدینہ میں ہر طرف اس افترا اور تہمت کا چرچا ہونے لگا اور بعض مسلمان مثلاً حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے بھی اس تہمت کا پھیلانے میں کچھ حصہ لیا۔ حضور اقدس ﷺ کو اس شرانگیز تہمت سے بے حد رنج و صدمہ پہنچا اور مخلص مسلمانوں کو بھی انتہائی رنج و غم ہوا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچتے ہی سخت بیمار ہو گئیں۔ پردہ نشین تو تھیں ہی صاحب فراش ہو گئیں اور انہیں اس تہمت تراشی کا بالکل خبر ہی نہیں ہوئی گو کہ نبی حضور ﷺ کو حضرت بی بی عائشہ رضی

اللہ عنہا کی پاک دامنی کا پورا پورا علم و یقین تھا۔مگر چونکہ اپنی بیوی کا معاملہ تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اپنی بیوی کی براءت اور پاک دامنی کا اعلان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے اس درمیان میں آپ اپنے مخلص اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے رہے تا کہ ان لوگوں کے خیالات کا پتا چل سکے۔

(بخاری جلد 2،ص 594)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے اس تہمت کے بارے میں گفتگو فرمائی۔تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ۔منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ جائے۔ کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے۔تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو اللہ قدوس کب؟ اور کیسے برداشت فرمائے گا کہ وہ آپ کی زوجیت میں رہ سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کو زمین پر نہیں پڑنے دیا۔تا کہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑ سکے تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب یہ گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ کی زوجہ مطہرہ کے ساتھ ایسی قباحت کا مرتکب ہو سکے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو خبر دی کہ آپ نعلین اقدس کو اتار دیں اس لئے حضرت بی بی عائشہ معاذ اللہ اگر ایسی ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما دیتا کہ " آپ ان کو اپنی زوجیت سے نکال دیں"۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سنی تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی! تو سچ بتا۔اگر حضرت صفوان بن معطل کی جگہ میں ہوتا تو کیا یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی حرم پاک کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہوتی تو اللہ کی قسم! میں کبھی ایسی خیانت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مجھ سے لاکھوں درجے بہتر ہے اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ

جو بدر جہاتم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کر سکتے ہیں۔
(مدارک التنزیل مصری ج 2،ص 134 تا 135)

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس معاملہ میں حضرت علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے جب مشورہ طلب فرمایا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ کہا کہ اَھْلُکَ وَلاَ نَعْلَمُ اِلاَّ خَیْرًکہ یارسول اللہ ﷺ وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم انہیں اچھی ہی جانتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں ڈالی ہے۔ عورتیں ان کے سوا بہت ہیں اور آپ کے بارے میں ان کی لونڈی (حضرت بریرہ) سے پوچھ لیں۔ وہ آپ سے سچ سچ کہہ دے گی۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے سوال فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ابھی کمسن لڑکی ہیں۔ وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا ڈالتی ہے۔

پھر حضور ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا۔ جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے مثل تھیں تو انہوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! اَحْمِیْ سعمی و بصری و اللّٰہ مَا عَلِمْتُ اِلاَّ خَیْرًا میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں تو حضرت بی بی عائشہ کو اچھی ہی جانتی ہوں۔ (بخاری باب حدیث الافک ج 2،ص 596)

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا۔ یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے میری دل آزاری کی ہے۔ وَاللّٰہ مَا عَلِمْتَ عَلٰی اَھْلِیْ اِلاَّ خَیْرَ۔ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کو ہر طرح کی اچھی ہی جانتا ہوں۔ وَلَقَدْ ذَکَرُوْا رَرجُلاً عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلاَّ خَیْرً۔ اور ان لوگوں (منافقوں) نے اس بہتان میں ایک ایسے مرد (صفوان بن معطل) کا ذکر کیا۔ جس کو میں بالکل اچھا ہی جانتا ہوں۔

(بخاری ج 2،ص 595 باب حدیث الافک)

حضور ﷺ کی برسر منبر اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو حضرت عائشہ اور صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما دونوں کی برات وطہارت اور عفت و پاک دامنی کا پورا پورا علم اور یقین تھا اور وحی نازل ہونے سے پہلے ہی آپ کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ منافق جھوٹے اور ام المومنین پاک دامن ہیں۔ ورنہ آپ برسر منبر قسم کھا کر ان دونوں کی اچھائی کا مجمع عام میں ہرگز اعلان نہ فرماتے مگر پہلے ہی اعلان عام نہ فرمانے کی وجہ یہی تھی کہ اپنی بیوی کی پاک دامنی کا اپنی زبان سے اعلان کرنا حضور ﷺ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب حد سے زیادہ منافقین نے شوروغوغا شروع کر دیا تو حضور ﷺ نے منبر پر اپنے خیال اقدس کا اظہار فرما دیا۔ مگر اب بھی اعلان عام کے لئے آپ کو وحی الٰہی کا انتظار ہی رہا۔

یہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے آتے ہی بیمار ہو کر صاحب فراش ہو گئیں تھیں۔ اس لئے وہ اس بہتان کے طوفان سے بالکل ہی بے خبر تھیں۔ جب انہیں مرض سے کچھ صحت حاصل ہوئی اور وہ ایک رات حضرت ام مطع صحابیہ رضی اللہ عنہا کے رفع حاجت کے لئے صحرا میں تشریف لے گئیں تو ان کی زبانی انہوں نے اس دلخراش اور روح فرسا خبر کو سنا۔ جس سے انہیں بڑا دھچکا لگا اور وہ شدت رنج وغم سے نڈھال ہو گئیں۔ چنانچہ ان کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ دن رات بلک بلک کر روتی رہیں۔ آخر جب ان سے یہ صدمہ جانکاہ برداشت نہ ہو سکا تو وہ حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں اور اس منحوس خبر کا تذکرہ اپنی والدہ سے کیا۔ ماں نے کافی تسلی وتشفی دی۔ مگر یہ برابر لگاتار روتی ہی رہیں۔ اسی حالت میں ناگہاں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ! تمہارے بارے میں ایسی ایسی خبر اڑائی گئی ہے۔ اگر تم پاک دامن ہو اور یہ خبر جھوٹی ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کا بذریعہ وحی اعلان فرما دے گا۔ ورنہ تم توبہ و استغفار کر لو۔ کیوں کہ جب کوئی بندہ اللہ سے توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ حضور ﷺ کی یہ گفتگو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو بالکل تھم گئے اور انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا جواب دیجئے تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں

نہیں جانتا کہ حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ پھر انہوں نے ماں سے جواب دینے کی درخواست کی تو ان کی ماں نے بھی یہی کہا۔ پھر خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو یہ جواب دیا کہ لوگوں نے جو ایک بے بنیاد بات اڑائی ہے اور یہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے اور کچھ لوگ اس کو سچ سمجھ چکے ہیں۔ اس صورت میں اگر میں کہوں کہ میں پاک دامن ہوں تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں اس برائی کا اقرار کرلوں تو سب مان لیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اس وقت میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے۔ لہٰذا میں بھی وہی کہتی ہوں جو انہوں نے کہا تھا یعنی **نصبر جمیل و اللہ المستعان علی ماتصفون**۔ یہ کہتی ہوئی انہوں نے کروٹ بدل کر منہ پھیر لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس تہمت سے بری اور پاک دامن ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت کو ظاہر فرمادے گا۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر ابھی رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ناگہاں حضور ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی اور آپ پر نزول وحی کے وقت کی بے چینی شروع ہوگئی اور باوجودیکہ شدید سردی کا وقت تھا۔ مگر پسینے کی قطرات موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگے جب وحی اتر چکی تو ہنستے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ تم اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے اس کی حمد کرو کہ اس نے تمہاری براءت اور پاک دامنی کا اعلان فرمادیا۔ آپ نے قرآن کی سورۂ نور میں سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی جو اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ سے شروع ہوکر وَاَنَّ اللّٰہَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ پر ختم ہوتی ہیں۔

ان آیات کے نازل ہوجانے کے بعد منافقوں کا منہ کالا ہوگیا اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا آفتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اس طرح چمک اٹھا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا میں نور ایمان سے اجالا ہوگیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح بن اثاثہ پر بڑا غصہ آیا۔ یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بچپن ہی میں ان کے والد وفات پا گئے تھے تو حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش بھی کی تھی اوران کی مفلسی کی وجہ سے ہمیشہ آپ ان کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے۔ مگراس کے باوجود حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس تہمت تراشی اوراس کا چرچا کرنے میں کچھ حصہ لیا تھا اس وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بھر کر یہ قسم کھالی کہ اب میں مسطح بن اثاثہ کی کبھی بھی کوئی مالی مدد نہیں کروں گا۔ اس موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (نور)

ترجمہ:اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں۔ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس آیت کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم توڑ ڈالی اور پھر حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا خرچ بدستور سابق عطاء فرمانے لگے۔

(بخاری حدیث الافک ج 2 ص 595 تا 596 ملخصا)

پھر حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک خطبہ پڑھا اور سورۂ نور کی آیتیں تلاوت فرما کر مجمع عام میں سنا دیں اور تہمت لگانے والوں میں سے حضرت حسان بن ثابت و حضرت مسطح بن اثاثہ و حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ان چاروں کو حد قذف کی سزا میں اسی اسی درے مارے گئے۔

(مدارج جلد 2، ص 163 وغیرہ)

شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ حضرت بی بی عائشہ کی برأت اور پاک دامنی قطعی ویقینی ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اگر کوئی اس میں ذرا بھی شک کرے تو وہ کافر ہے۔ (بخاری جلد 2، ص 595)

دوسرے تمام فقہاء امت کا بھی یہی مسلک ہے۔

آیت تمیم کا نزول:

ابن عبدالبر وابن سعد وابن حبان وغیرہ محدثین وعلماء سیرت کا قول ہے کہ تیمم کی آیت اسی غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی مگر روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آیت تیمم کسی دوسرے غزوہ میں اتری ہے۔ (مدارج النبوۃ ج 2،ص 157) واللہ تعالیٰ اعلم۔

بخاری شریف میں آیت تیمم کی شان نزول جو مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم لوگ مقام ''بیداء'' یا مقام ''ذات الجیش'' میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا حضور ﷺ اور کچھ لوگ اس ہار کی تلاش میں وہاں ٹھہر گئے اور وہاں پانی نہیں تھا تو کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شکایت کی کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عائشہ نے کیا کیا؟ حضور ﷺ اور صحابہ کو یہاں ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ یہاں پانی موجود نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا انہوں نے مجھ کو (سخت وسست) کہا اور پھر (غصہ میں) اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچا مارنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ اس وجہ سے (مار کھانے کے باوجود) میں ہل نہیں سکتی تھی۔ صبح کو جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو وہاں کہیں پانی موجود ہی نہیں تھا۔ ناگہاں حضور ﷺ پر تیمم کی آیت نازل ہوگئی۔ چنانچہ حضور ﷺ اور تمام اصحاب نے تیمم کیا اور نماز فجر ادا کی۔ اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے (خوش ہو کر) کہا اے ابوبکر کی آل! یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔ پھر ہم لوگوں نے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے ہم نے ہار کو پالیا۔ (بخاری ج 1،ص 48 کتاب التیمّم)

اس حدیث میں کسی غزوہ کا نام نہیں ہے۔ مگر شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے جس کا دوسرا نام غزوہ مریسیع بھی ہے۔ جس میں قصہ افک واقع ہوا۔ (فتح الباری ج 1،ص 365 کتاب التیمّم)

اس غزوہ میں حضور ﷺ اٹھائیس دن مدینہ سے باہر رہے۔

(زرقانی ج 2،ص 102)

جنگ خندق

5ھ کی تمام لڑائیوں میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور فیصلہ کن جنگ ہے چونکہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے شہر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اس لئے یہ لڑائی ''جنگ خندق'' کہلاتی ہے اور چونکہ تمام کفار عرب نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف یہ جنگ کی تھی۔ اس لئے اس لڑائی کا دوسرا نام ''جنگ احزاب'' (تمام جماعتوں کی متحدہ جنگ) ہے۔ قرآن مجید میں اس لڑائی کا تذکرہ اسی نام کے ساتھ آیا ہے۔

جنگ خندق کا سبب:

گزشتہ اوراق میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ ''قبیلہ بنو نضیر'' کے یہودی جب مدینہ سے نکال دیئے گئے تو ان میں سے یہودیوں کے چند رؤسا ''خیبر'' میں جا کر آباد ہو گئے اور خیبر کے یہودیوں نے ان لوگوں کا اتنا اعزاز و اکرام کیا کہ سلام بن ابی الحقیق و حی بن اخطب و کنانہ بن الربیع کو اپنا سردار مان لیا۔ یہ لوگ چونکہ مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے اور انتقام کی آگ ان کے سینوں میں دیک رہی تھی۔ اس لئے ان لوگوں نے مدینہ پر ایک زبردست حملہ کی اسکیم بنائی۔ چنانچہ یہ تینوں اس مقصد کے پیش نظر مکہ گئے اور کفار قریش سے مل کر یہ کہا کہ اگر تم لوگ ہمارا ساتھ دو تو ہم لوگ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ کفار قریش تو اس کے بھوکے ہی تھے۔ فوراً ہی ان لوگوں نے یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ کفار قریش سے ساز باز کر لینے کے بعد ان تینوں یہودیوں نے ''قبیلہ بنو غطفان'' کا رخ کیا اور خیبر کی آدھی آمدنی دینے کا لالچ دے کر ان لوگوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا پھر بنو غطفان نے اپنے حلیف ''بنو اسد'' کو بھی جنگ کے لئے تیار کر لیا۔ ادھر یہودیوں نے اپنے حلیف ''قبیلہ بنو اسد'' کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا اور کفار قریش نے اپنی رشتہ داریوں کی بنا پر ''قبیلہ بنو سلیم'' کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا غرض اس طرح تمام قبائل عرب کے کفار نے مل جل کر ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔ جس کی تعداد دس ہزار تھی اور ابو سفیان اس پورے لشکر کا سپہ سالار بن گیا۔ (زرقانی ج 2، ص 104 تا 105)

مسلمانوں کی تیاری:

جب قبائل عرب کے تمام کافروں کے اس گٹھ جوڑ اور خوفناک حملہ کی خبریں مدینہ پہنچیں تو حضور اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب کو جمع فرما کر مشورہ فرمایا کہ اس حملہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ جنگ احد کی طرح شہر سے باہر نکل کر اتنی بڑی فوج کے حملہ و میدانی لڑائی میں روکنا مصلحت کے خلاف ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ شہر کے اندر رہ کر اس حملہ کا دفاع کیا جائے اور شہر کے گرد جس طرف سے کفار کی چڑائی کا خطرہ ہے ایک خندق کھود لی جائے تا کہ کفار کی پوری فوج بہ یک وقت حملہ آور نہ ہو سکے۔ مدینہ کے تین طرف چونکہ مکانات تنگ گلیاں اور کھجوروں کے جھنڈ تھے۔ اس لئے ان تینوں جانب سے حملہ کا امکان نہیں تھا۔ مدینہ کا صرف ایک رخ کھلا تھا اس لئے یہ طے کیا گیا کہ اسی طرف پانچ گز گہری خندق کھودی جائے۔ چنانچہ 8 ذوقعدہ 5ھ کو حضور ﷺ تین ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لے کر خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے خندق کی حد بندی فرمائی اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی اور تقریباً بیس دن میں یہ خندق تیار ہو گئی۔ (مدارج النبوۃ 2، ص 168 تا 170)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ خندق کے پاس تشریف لائے اور جب یہ دیکھا کہ انصار و مہاجرین کڑکڑاتے ہوئے جاڑے کے موسم میں صبح کے وقت کئی کئی فاقوں کے باوجود جوش و خروش کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہیں تو انتہائی متاثر ہو کر آپ نے یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا ؎

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَا جِرَۃَ

ترجمہ: اے اللہ! بلاشبہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

اس کے جواب میں انصار و مہاجرین نے آواز ملا کر یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد پر حضرت محمد ﷺ کی بیعت کرلی ہے۔ جب تک ہم زندہ رہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ (بخاری غزوۂ خندق ج2 ص 588)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ خود بھی خندق کھودتے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے شکم مبارک پر غبار کی تہ جم گئی تھی اور مٹی اٹھاتے ہوئے صحابہ کو جوش دلانے کے لئے رجز کے یہ اشعار پڑھتے تھے کہ ؎

وَاللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّیْنَا

ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَكِیْنَةً عَلَیْنَا
وَثَبِّتْ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

ترجمہ: لہٰذا اے اللہ! تم ہم پر قلبی اطمینان اتار دے۔ جنگ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ۔

اِنَّ الْاُولٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا
اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

ترجمہ: یقیناً ان (کافروں) نے ہم پر ظلم کیا ہے اور جب بھی لوگوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم لوگوں نے انکار کر دیا لفظ ''ابینا'' حضور ﷺ بار بار بہ تکرار بلند آواز سے دہراتے تھے۔

ایک عجیب چٹان:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ خندق کھودتے وقت ناگہاں ایک ایسی

چٹان نمودار ہوگئی جو کسی سے بھی نہیں ٹوٹی۔ جب ہم نے بارگاہ رسالت میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ اٹھے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو وہ چٹان ریت کے بھربھرے ٹیلے کی طرح بکھر گئی۔ (بخاری جلد 2، ص 558 خندق)

اور ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے اس چٹان پر تین مرتبہ پھاوڑا مارا۔ ہر ضرب پر اس میں سے ایک روشنی نکلتی تھی اور اس روشنی میں آپ نے شام و ایران اور یمن کے شہروں کو دیکھ لیا اور تینوں ملکوں کے فتح ہونے کی صحابہ کرام کو بشارت دی۔

(زرقانی جلد 2، ص 109 و مدارج جلد 2، ص 169)

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے مدائن کسریٰ و مدائن قیصر و مدائن حبشہ کی فتوحات کا اعلان فرمایا۔ (نسائی جلد 2، ص 63)

حضرت جابر کی دعوت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فاقوں سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا دیکھ کر میرا دل بھر آیا چنانچہ میں حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے گھر آیا اور بیوی سے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس قدر شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ کو صبر کی تاب نہیں رہی۔ کیا گھر میں کچھ کھانا ہے؟ بیوی نے کہا کہ گھر میں ایک صاع جو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ تم جلدی سے اس جو کو پیس کر گوندھ لو اور اپنے گھر کا پلا ہوا ایک بکری کا بچہ میں نے ذبح کر کے اس کی بوٹیاں بنا دیں اور بیوی سے کہا کہ جلدی سے تم گوشت روٹی تیار کر لو۔ میں حضور ﷺ کو بلا کر لاتا ہوں چلتے وقت بیوی نے کہا کہ دیکھنا صرف حضور ﷺ اور چند ہی اصحاب کو ساتھ میں لانا۔ کھانا کم ہی ہے کہیں مجھے رسوا مت کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خندق پر آ کر چپکے سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک صاع آٹے کی روٹیاں اور ایک بکری کے بچے کا گوشت میں نے گھر میں تیار کرایا ہے۔ لہٰذا آپ صرف چند اشخاص کے ساتھ چل کر تناول فرمالیں۔ یہ سن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے خندق والو! جابر نے دعوت طعام دی ہے۔ لہٰذا سب لوگ ان کے گھر پر چل کر کھانا کھالیں۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آجاؤں روٹی مت پکوانا۔ چنانچہ جب حضور ﷺ لائے تو گوندھے ہوئے آٹے میں اپنا لعاب

دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی اور گوشت کی ہانڈی میں بھی اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ پھر روٹی پکانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ ہانڈی چولھے سے نہ اتاری جائے۔ پھر روٹی پکنی شروع اور ہانڈی میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے گوشت نکال نکال کر دینا شروع کیا۔ ایک ہزار آدمیوں نے آسودہ ہو کر کھانا کھالیا۔ مگر گوندھا ہوا آٹا جتنا پہلے تھا اتنا ہی رہ گیا اور ہانڈی چولھے پر بدستور جوش مارتی رہی۔

(بخاری جلدی 2،ص 589 غزوہ خندق)

بابرکت کھجوریں:

اسی طرح ایک لڑکی اپنے ہاتھ میں کچھ کھجوریں لے کر آئی حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری ماں نے میرے باپ کے ناشتہ کے لئے بھیجی ہیں۔ آپ نے ان کھجوروں کو اپنے دست مبارک میں لے کر ایک کپڑے پر بکھیر دیا اور تمام اہل خندق کو بلا کر فرمایا کہ خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ چنانچہ تمام خندق والوں نے شکم سیر ہو کر ان کھجوروں کو کھایا۔ (مدارج جلد 2،ص 169)

یہ دونوں واقعات حضور سرور کائنات ﷺ کے معجزات میں سے ہیں۔

اسلامی افواج کی مورچہ بندی:

حضور اقدس ﷺ نے خندق تیار ہو جانے کے بعد عورتوں اور بچوں کو مدینہ کے محفوظ قلعوں میں جمع فرما دیا اور مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر تین ہزار انصار و مہاجرین کی فوج کے ساتھ مدینہ سے نکل کر سلع پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے سلع آپ کی پشت پر تھا اور آپ کے سامنے خندق تھی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور انصار کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ (زرقانی جلد 2،ص 111)

کفار کا حملہ:

کفار قریش اور ان کے اتحادیوں نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ بول دیا اور تین طرف سے کافروں کا لشکر اس زور و شور کے ساتھ مدینہ پر امنڈ پڑا کہ شہر کی فضاؤں میں گرد و غبار کا طوفان اٹھ گیا۔ اس خوفناک چڑھائی اور لشکر کفار کے دل

بادل کی معرکہ آرائی کا نقشہ قرآن کی زبان سے سنیے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ٥ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔

(احزاب)

ترجمہ: جب کافر تم پر آ گئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس (خوف سے) آ گئے اور تم اللہ پر (امید و یاس سے) طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس جگہ مسلمان آزمائش اور امتحان میں ڈال دیئے گئے اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں جھنجھوڑ کر رکھ دیئے گئے۔

منافقین جو مسلمانوں کے دوش بدوش کھڑے تھے۔ وہ کفار کے اس لشکر کو دیکھتے ہی بزدل ہو کر پھسل گئے اور اس وقت ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگنی شروع کر دی جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ،

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۔ (احزاب)

ترجمہ: اور ایک گروہ (منافقین) ان میں سے نبی کی اجازت طلب کرتا تھا منافق کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے ہوئے نہیں تھے۔ ان کا مقصد بھاگنے کے سوا کچھ بھی تھا۔

لیکن اسلام کے سچے جاں نثار مہاجرین و انصار نے جب لشکر کفار کی طوفانی یلغار کو دیکھا تو اس طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ گئے کہ "سلع" اور "احد" کی پہاڑیاں سر اٹھا اٹھا کر ان مجاہدین کی اولوالعزمی کو حیرت سے دیکھنے لگیں ان جاں نثاروں کی ایمانی شجاعت کی تصویر صفحات قرآن پر بصورت تحریر دیکھئے۔ ارشاد ربانی ہے کہ۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔

ترجمہ: اور جب مسلمانوں نے قبائل کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بول اٹھے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کا رسول دونوں سچے ہیں اور اس نے ان کے ایمان و اطاعت کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

بنوقریظہ کی غداری:

قبیلہ بنو قریظہ کے یہودی اب تک غیر جانب دار تھے لیکن بنونضیر کے یہودیوں نے ان کو بھی اپنے ساتھ ملا کر لشکر کفار میں شامل کر لینے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ حیی بن اخطب ابوسفیان کے مشورہ سے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ پہلے تو اس نے اپنا دروازہ نہیں کھولا اور کہا کہ ہم محمد ﷺ کے حلیف ہیں اور ہم نے ان کو ہمیشہ اپنے عہد کا پابندہ پایا ہے۔ اس لئے ہم ان سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت سمجھتے ہیں۔ مگر بنونضیر کے یہودیوں نے اس قدر شدید اصرار کیا اور طرح طرح سے ورغلایا کہ بالآخر کعب بن اعد معاہدہ توڑنے کے لئے راضی ہو گیا۔ بنوقریظہ نے جب معاہدہ توڑ دیا اور کفار سے مل گئے تو کفار مکہ اور ابوسفیان خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔

حضرت اقدس ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اللہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو تحقیق حال کے لئے بنوقریظہ کے پاس بھیجا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ جب ان دونوں معزز صحابیوں نے بنوقریظہ کو ان کا معاہدہ یاد دلایا تو ان بدذات یہودیوں نے انتہائی بے حیائی کے ساتھ یہاں تک کہہ دیا کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ محمد ﷺ کون ہیں؟ اور معاہدہ کس کو کہتے ہیں؟ ہمارا کوئی معاہدہ ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ سُن کر دونوں حضرات واپس آ گئے اور صورت حال سے حضور ﷺ کو مطلع کیا تو آپ نے بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہا اور فرمایا کہ مسلمانو، تم اس سے نہ گھبراؤ۔ نہ اس کا غم کرو۔ اس میں تمہارے لئے بشارت ہے۔

(زرقانی جلد 2، ص 113)

کفار کا لشکر جب آگے بڑھا تو سامنے خندق دیکھ کر ٹھہر گیا اور شہر مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً ایک مہینے تک کفار شہر مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے پڑے رہے اور یہ

محاصرہ اس سختی کے ساتھ قائم رہا کہ حضور ﷺ اور صحابہ پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔

کفار نے ایک طرف تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف اس لئے حملہ کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عورتیں اور بچے قلعوں میں پناہ گزین تھے۔ مگر حضور ﷺ نے جہاں خندق کے مختلف حصوں پر صحابہ کرام کو مقرر فرما دیا تھا کہ وہ کفار کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہیں۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے کچھ صحابہ کرام کو متعین کر دیا تھا۔

انصار کی ایمانی شجاعت:

محاصرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی پریشانی دیکھ کر حضور ﷺ نے خیال کیا کہ کہیں مہاجرین و انصار ہمت نہ ہار جائیں اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن سے اس شرط پر معاہدہ کر لیں کہ وہ مدینہ کی ایک تہائی پیداوار لے لیا کرے اور کفار مکہ کا ساتھ چھوڑ دے۔ مگر جب آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اتر چکی ہے جب تو ہمیں اس سے انکار کی مجال ہی نہیں ہو سکتی اور اگر یہ ایک رائے ہے تو یارسول اللہ ﷺ جب ہم کفر کی حالت میں تھے اس وقت تو قبیلہء غطفان کے سرکش کبھی ہمارے ایک کھجور نہ لے سکے اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اسلام اور آپ کی غلامی کی عزت سے سرفراز فرما دیا ہے تو بھلا کیوں کر ممکن ہے کہ ہم اپنا مال ان کافروں کو دے دیں گے؟ ہم ان کفار کا کھجوروں کا انبار نہیں ہے۔ بلکہ نیزوں اور تلواروں کی مار کا تحفہ دیتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ یہ سن کر حضور ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کو پورا پورا اطمینان ہو گیا۔ (زرقانی جلد 2، ص 113)

خندق کی وجہ سے دست بدست لڑائی نہیں ہو سکتی تھی اور کفار حیران تھے کہ اس خندق کو کیونکر پار کریں۔ مگر دونوں طرف سے روزانہ برابر تیر اور پتھر چلا کرتے تھے۔ آخر ایک روز عمر بن عبدود، و عکرمہ بن ابوجہل و ہبیرہ بن وہب و ضرار بن الخطاب وغیرہ کفار کے چند بہادروں نے بنو کنانہ سے کہا کہ اٹھو۔ آج مسلمانوں سے جنگ کر کے بتا دو کہ شہسوار کون ہے؟ چنانچہ یہ سب خندق کے پاس آ گئے اور ایک ایسی جگہ سے جہاں

خندق کی چوڑائی کچھ کم تھی گھوڑا کودا کر خندق کو پار کر لیا۔

عمرو بن عبدود مارا گیا:

سب سے آگے عمرو بن عبدود تھا۔ یہ اگرچہ نوے برس کا خرانٹ بڈھا تھا۔ مگر ایک ہزار سواروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا تھا اور اس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا یہ آگے بڑھا اور چلا چلا کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ تین مرتبہ اس نے کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ کو آتا ہے؟ تینوں مرتبہ حضرت علی اللہ کے شیر نے اٹھ کر جواب دیا کہ ''میں'' حضور ﷺ نے روکا کہ اے علی! یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت اللہ کے شیر نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ لیکن میں اس سے لڑوں گا۔ یہ سن کر تاجدار نبوت ﷺ نے اپنی خاص تلوار ذوالفقار اپنے دست مبارک سے حیدر کرار کے مقدس ہاتھ میں دے دی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر انور پر عمامہ باندھا اور یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو علی کی مدد فرما۔ حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مجاہدانہ شان سے اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دونوں میں اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ : اے عمر بن عبدود! تو مسلمان ہو جا!

عمرو بن عبدود : یہ مجھ سے کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ : لڑائی سے واپس چلا جا!

عمرو بن عبدود : یہ مجھے منظور نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ : تو پھر مجھ سے جنگ کر۔

عمرو بن عبدود : ہنس کر کہا کہ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا میں کوئی مجھ کو جنگ کی دعوت دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ : لیکن میں تجھ سے لڑنا چاہتا ہوں۔

عمرو بن عبدود : آخر تمہارا نام کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ : علی بن ابی طالب۔

عمرو بن عبدود : اے بھتیجے! تم ابھی بہت ہی کم عمر ہو۔ میں تمہارا خون

بہانا پسند نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ : لیکن میں تمہارا خون بہانے کو بے حد پسند کرتا ہوں۔

عمرو بن عبدود خون کھولا دینے والے یہ گرم گرم جملے سُن کر مارے غصہ کے آپے سے باہر ہوگیا۔ حضرت اللہ کے شیر پیدل تھے اور یہ سوار تھا۔ اس پر جو غیرت سوار ہوئی تو گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنی تلوار سے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا اور حضرت اللہ کے شیر پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ حضرت شیر اللہ نے تلوار کے اس وار کو اپنی ڈھال پر روکا۔ یہ وار اتنا سخت تھا کہ تلوار ڈھال اور عمامہ کو کاٹتی ہوئی پیشانی پر لگی۔ گو بہت گہرا زخم نہیں لگا مگر پھر بھی زندگی بھر یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار بن کر رہ گیا۔ حضرت علی شیر اللہ رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر للکارا کہ اے عمرو! سنبھل جا۔ اب میری باری ہے۔ یہ کہہ کر اسد اللہ الغالب نے ذوالفقار کا ایسا جچا تلا ہاتھ مارا کہ تلوار دشمن کے شانے کو کاٹتی ہوئی کمر سے پار ہوگئی اور وہ تلملا کر زمین پر گرا اور دم زدن میں مرکر فی النار ہوگیا اور میدان کارزار زبان حال سے پکار اٹھا کہ ؎

شاہ مرداں، شیر یزداں قوت پروردگار
لَافَتیٰ اِلاَّ عَلِی لاَ سَیفَ اِلاَّ ذُوْ الْفِقَارِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا اور منہ پھیر کر چل دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے علی! آپ نے عمرو بن عبد کی زرہ کیوں نہیں اتار لی۔ سارے عرب میں اس سے اچھی کوئی زرہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! ذوالفقار کی مار سے وہ اس طرح بے قرار ہوکر زمین پر گرا کہ اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ اس لئے حیا کی وجہ سے میں نے منہ پھیر لیا۔ (زرقانی جلد 2، ص 114 تا 115)

نوفل کی لاش:

اس کے بعد نوفل غصہ میں بپھرا ہوا میدان میں نکلا اور پکارنے لگا کہ میرے مقابلہ کے لئے کون آتا ہے؟ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس پر بجلی کی طرح جھپٹے اور ایسی تلوار تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہوگیا اور تلوار زین کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کی کمر تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اے زبیر! تمہاری تلوار کی تو مثال نہیں مل سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ تلوار کیا چیز ہے؟ کلائی میں دم خم اور ضرب میں کمال چاہئے۔ ہبیرہ اور ضرار

بھی بڑے طنطنہ سے آگے بڑھے مگر جب ذوالفقار کا وار دیکھا تو لرزہ براندام ہو کر فرار ہو گئے۔ کفار کے باقی شہسوار بھی جو خندق کو پار کر کے آگئے تھے وہ سب بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تو اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اپنا نیزہ پھینک کر بھاگا اور خندق کے پار جا کر اس کو قرار آیا۔ (زرقانی جلد 2)

بعض مورخین کا قول ہے کہ نوفل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور بعض نے یہ کہا کہ نوفل حضور ﷺ پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنے گھوڑے کو کودا کر خندق کو پار کرنا چاہتا تھا کہ خود ہی خندق میں گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ بہرحال کفار مکہ نے دس ہزار درہم میں اس کی لاش کو لینا چاہا۔ تاکہ وہ اس کو اعزاز کے ساتھ دفن کریں۔ حضور ﷺ نے رقم لینے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم کو اس لاش سے کوئی غرض نہیں۔ مشرکین اس کو لے جائیں اور دفن کریں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (زرقانی جلد 2، ص 114)

اس دن کا حملہ بہت ہی سخت تھا۔ دن بھر لڑائی جاری رہی اور دونوں طرف سے تیراندازی اور پتھر بازی کا سلسلہ برابر جاری رہا اور کسی مجاہد کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن تھا۔ خالد بن ولید نے اپنی فوج کے ساتھ ایک جگہ سے خندق کو پار کر لیا اور بالکل ہی ناگہاں حضور ﷺ نے خیمہ اقدس پر حملہ آور ہو گیا مگر حضرت اسید بن حفیر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا اور دو سو مجاہدین کو ساتھ لے کر دوڑ پڑے اور خالد بن الولید کے ساتھ دست بدست کی لڑائی میں ٹکرا گئے اور خوب جم کر لڑے۔ اس لئے کفار خیمہ اطہر تک نہ پہنچ سکے۔ (زرقانی جلد 2، ص 117)

اس گھمسان کی لڑائی میں حضور ﷺ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نماز عصر نہیں پڑھ سکا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی ہے پھر آپ نے وادی بطحان میں سورج غروب ہو جانے کے بعد نماز عصر قضا پڑھی۔ پھر اس کے بعد نماز مغرب ادا فرمائی اور کفار کے حق میں یہ دعا مانگی کہ

مَلأَ اللّٰهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ

الْوُسطٰی حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسِ۔ (بخاری جلد 2،ص 590)

ترجمہ: اللہ! ان مشرکوں کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے ان لوگوں نے ہم کو نماز وسطیٰ سے روک دیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

جنگ خندق کے دن حضور ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ (بخاری جلد 2،ص 590)

ترجمہ: اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے جلد حساب لینے والے! تو ان کفار کے لشکروں کو شکست دے دے۔ اے اللہ ان کو شکست دے اور انہیں جھنجوڑ دے۔

حضرت زبیر کو خطاب ملا:

حضور ﷺ نے جنگ خندق کے موقع پر جب کہ کفار مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور کسی کے لئے شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو قوم کفار کی خبر لائے؟ تینوں مرتبہ زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں یہ کہا کہ "میں یارسول اللہ ﷺ خبر لاؤں گا" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس جان نثاری سے خوش ہوکر تاجدار عالم ﷺ نے فرمایا کہ

لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ وَاِنَّ حَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ۔

(بخاری جلد 2،ص 590)

ترجمہ: ہر نبی کیلئے حواری (مددگار خاص) ہوتے ہیں اور میرا "حواری" زبیر ہے۔

اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے "حواری" کا خطاب ملا۔ جو کسی دوسرے صحابی کو نہیں ملا۔

حضرت سعد بن معاذ شہید:

اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم ہوا۔ یعنی کل چھ مسلمان

شہادت سے سرفراز ہوئے مگر انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا۔ یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار اعظم تھے۔ اس جنگ میں ایک تیر سے زخمی ہو گئے اور پھر شفایاب نہ ہو سکے۔

آپ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے جوش میں بھرے ہوئے نیزہ لے کر لڑنے کے لئے جارہے تھے کہ ابن العرقہ نا کامی کافر نے ایسا نشانہ باندھ کر تیر مارا کہ جس سے آپ کی ایک رگ جس کا نام اکحل ہے وہ کٹ گئی جنگ ختم ہونے کے بعد ان کے لئے حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک خیمہ گاڑا اور ان کا علاج کرنا شروع کیا۔ خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے زخم کو دو مرتبہ داغا۔ اسی حالت میں آپ ایک مرتبہ بنی قریظہ تشریف لے گئے اور وہاں یہودیوں کے بارے میں اپنا وہ فیصلہ سنایا جس کا ذکر ''غزوہ قریظہ'' کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے اور اب ان کا زخم بھرنے لگ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے شوقِ شہادت میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ:

> یا اللہ! تو جانتا ہے کہ کسی قوم سے جنگ کرنے کی مجھے اتنی زیادہ تمنا نہیں ہے جتنی کفار قریش سے لڑنے کی تمنا ہے۔ جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور ان کو ان کے وطن سے نکالا۔ اے اللہ میرا تو یہی خیال ہے کہ اب تو نے ہمارے اور کفار قریش کے درمیان جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے لیکن اگر ابھی کفار قریش سے کوئی جنگ باقی رہ گئی ہو۔ جب تو مجھے زندہ رکھ تاکہ میں تیری راہ میں ان کافروں سے جہاد کروں اور اگر اب ان لوگوں سے کوئی جنگ باقی نہ رہ گئی ہو تو میرے اس زخم کو تو پھاڑ دے...... اور اسی زخم میں تو مجھے موت عطاء فرما دے۔

آپ کی یہ دعا ختم ہوتے ہی بالکل اچانک آپ کا زخم پھٹ گیا اور خون بہ کر مسجد نبوی کے اندر بنی غفار کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ ان لوگوں نے چونک کر کہا کہ اے خیمہ والو! یہ کیسا خون ہے جو تمہارے خیمہ سے بہہ کر ہماری طرف آرہا ہے؟ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ اسی زخم میں

ان کی وفات ہوگئی۔

(بخاری جلد 2، ص 591 ب مرجع النبی من الاحزاب)

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرش الٰہی ہل گیا اور ان کے جنازہ میں ستر ہزار ملائکہ حاضر ہوئے اور جب ان کی قبر کھودی گئی تو اس میں مشک کی خوشبو آنے لگی۔ (زرقانی جلد 2، ص 143)

عین وفات کے وقت حضور انور ﷺ ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آنکھ کھول کر آخری بار جمالِ نبوت کا نظارہ کیا اور کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ پھر با آواز بلند یہ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ نے تبلیغ رسالت کا حق ادا کر دیا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 181)

حضرت صفیہ کی بہادری:

جنگ خندق میں ایک ایسا موقع بھی آیا کہ جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ ساری مسلمان فوج خندق کی طرف مصروفِ جنگ ہے تو جس قلعہ میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے۔ یہودیوں نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اور ایک یہودی دروازہ تک پہنچ گیا۔ حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیکھ لیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس یہودی کو قتل کر دو۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو یہاں کا حال و ماحول بتا دے گا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی اس وقت ہمت نہیں پڑی کہ اس یہودی پہ حملہ کریں۔ یہ دیکھ کر خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ اس یہودی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر خود ہی اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر حملہ آور یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ کے اندر بھی کچھ فوج موجود ہے۔ اس ڈر سے انہوں نے پھر اس طرف حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ (زرقانی جلد 2، ص 111)

کفار کیسے بھاگے:

حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ قبیلہ غطفان کے بہت ہی معزز سردار تھے

اور قریش و یہود دونوں کو ان کی ذات پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن کفار کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ! ﷺ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہودیوں اور قریش دونوں سے ایسی گفتگو کروں کہ دونوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انہوں نے یہود اور قریش سے الگ الگ کچھ اس قسم کی باتیں کیں جس سے واقعی دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

ابو سفیان شدید سردی کے موسم، طویل محاصرہ، فوج کا راشن ختم ہو جانے سے حیران و پریشان تھا۔ جب اس کو یہ پتا چلا کہ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو اس کا حوصلہ پست ہو گیا اور وہ بالکل ہی بد دل ہو گیا۔ پھر ناگہاں کفار کے لشکر پر قہر و قہار و غضب جبار کی ایسی مار پڑی کہ اچانک مشرق کی جانب سے ایسی طوفان خیز آندھی آئی کہ دیگیں چولھوں پر سے الٹ پلٹ ہو گئیں۔ خیمے اکھڑ اکھڑ کر اڑ گئے اور کافروں پر ایسی وحشت اور دہشت سوار ہو گئی کہ انہیں راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں رہا۔ یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر اللہ قدوس نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ (احزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

ابو سفیان نے اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ راشن ختم ہو چکا۔ موسم انتہائی خراب ہے۔ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ لہٰذا اب محاصرہ بے کار ہے۔ یہ کہہ کر کوچ کا نقارہ بجا دینے کا حکم دے دیا اور بھاگ نکلا قبیلہء غطفان کا لشکر بھی چل دیا۔ بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور ان لوگوں کے بھاگ جانے سے مدینہ کا مطلع کفار کے گرد و غبار سے صاف ہو گیا۔

(مدارج ج 2، ص 172 و زرقانی ج 2، ص 116 تا 118)

غزوہ بنی قریظہ:

حضور ﷺ جنگِ خندق سے فارغ ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا۔ ابھی اطمینان کے ساتھ بیٹھے بھی نہ تھے کہ ناگہاں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے ہتھیار اتار دیا۔ لیکن ہم فرشتوں کی جماعت نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف چلیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے معاہدہ توڑ کر علانیہ جنگِ خندق میں کفار کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کیا ہے۔ (مسلم باب جواز قتال من نقض العہد ج 2، ص 95)

چنانچہ حضور ﷺ نے اعلان کر دیا کہ لوگ ابھی ہتھیار نہ اُتار دیں اور بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے خود بھی ہتھیار زیب تن فرمایا۔ اپنے گھوڑے پر جس کا نام ''لحیف'' تھا، سوار ہو کر لشکر کے ساتھ چل پڑے اور بنی قریظہ کے ایک کنویں کے پاس پہنچ کر نزول فرمایا۔ (زرقانی ج 2، ص 128)

بنی قریظہ بھی جنگ کے لئے بالکل تیار تھے۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو ان ظالم اور عہد شکن یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالیاں دیں۔ حضور ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ فرما لیا اور تقریباً ایک مہینہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہودیوں نے تنگ آ کر یہ درخواست پیش کی کہ

''حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے''۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ خندق میں ایک تیر کھا کر شدید طور پر زخمی تھے۔ مگر اسی حالت میں وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر بنی قریظہ گئے اور انہوں نے یہودیوں کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ

''لڑنے والی فوجوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں اور یہودیوں کا مال و اسباب مالِ غنیمت بنا کر

مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے''۔

حضور ﷺ نے ان کی زبان سے یہ فیصلہ سن کر ارشاد فرمایا کہ یقینا بلا شبہ تم نے ان یہودیوں کے بارے میں وہی فیصلہ سنایا جو اللہ کا فیصلہ ہے۔ (مسلم جلد 2، ص 95)

اس فیصلہ کے مطابق بنی قریظہ کی لڑاکا فوجیں قتل کی گئیں اور عورتوں بچوں کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کے مال و سامان کو مجاہدین اسلام نے مالِ غنیمت بنا لیا اور اس شریر و بد عہد قبیلہ کے شر و فساد سے ہمیشہ کے لئے پُر امن مسلمان محفوظ ہو گئے۔

یہودیوں کا سردار حیی بن اخطب جب قتل کے لئے مقتل میں لایا گیا تو اس نے قتل ہونے سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ

> اے محمد! ﷺ اللہ کی قسم مجھے اس کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے کہ میں نے کیوں تم سے عداوت کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ لوگو! اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بنی قریظہ کا قتل ہونا یہ ایک حکم الٰہی تھا یہ (توراۃ) میں لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک سزا تھی جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔ (سیرب ابن ہشام غزدۂ بنو قریظہ ج 3، ص 241)

یہ حیی بن اخطب وہی بدنصیب ہے کہ جب وہ مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ نبی ﷺ کی مخالفت پر میں کسی کو مدد نہ دوں گا اور اس عہد پر اس نے اللہ کو ضامن بنایا تھا لیکن جنگ خندق کے موقع پر اس نے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ یہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے کہ اس ظالم نے تمام کفار عرب کے پاس دورہ کر کے سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اُبھارا۔ پھر بنو قریظہ کو بھی معاہدہ توڑنے پر اُکسایا۔ پھر خود جنگِ خندق میں کفار کے ساتھ مل کر لڑائی میں شامل ہوا۔

5ھ کے متفرق واقعات:

1. اس سال حضور ﷺ نے حضرت بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

2. اسی سال مسلمان عورتوں پر پردہ فرض کر دیا گیا۔
3. اسی سال حد قذف (کسی پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا) اور لعان وظہار کے احکام نازل ہوئے۔
4. اسی سال تیمم کی آیت نازل ہوئی۔
5. اسی سال نماز خوف کا حکم نازل ہوا۔





باب نمبر:11

ہجرت کا چھٹا سال

بیعتہ الرضوان وصُلح حدیبیہ:

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ اہم اور شاندار واقعہ ''بیعتہ الرضوان'' اور ''صلح حدیبیہ'' ہے۔ تاریخِ اسلام میں اس واقعہ کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسلام کی تمام آئندہ ترقیوں کا راز اسی کے دامن سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو بظاہر یہ ایک مغلوبانہ صلح تھی۔ مگر قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے اس کو ''فتح مبین'' کا لقب عطاء فرمایا ہے۔

ذوالقعدہ 6 ھ میں حضور ﷺ چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ شاید کفار مکہ ہمیں عمرہ ادا کرنے سے روکیں گے اس لئے آپ نے پہلے ہی قبیلہء خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ بھیج دیا تھا تا کہ وہ کفار مکہ کے ارادوں کی خبر لائے جب آپ کا قافلہ مقام ''عرفان'' کے قریب پہنچا تو وہ شخص یہ خبر لے کر آیا کہ کفار مکہ نے تمام قبائلِ عرب کے کافروں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا کہ مسلمانوں کو ہرگز ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے میں دیا جائے۔ چنانچہ کفار قریش نے اپنے تمام ہمنوا قبائل کو جمع کر کے ایک فوج تیار کرلی اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے مکہ سے باہر نکل کر مقام ''بلدح'' میں پڑاؤ ڈال دیا اور خالد بن الولید اور ابو جہل کا بیٹا عکرمہ یہ دونوں دو سو چنے ہوئے سواروں کا دستہ لے کر مقام ''غمیم'' تک پہنچ گئے۔ جب حضور ﷺ کو راستہ میں خالد بن الولید کے سواروں کی گرد نظر آئی تو آپ نے شاہراہ سے ہٹ کر سفر شروع کر دیا اور عام راستہ سے کٹ کر آگے بڑھے اور ''حدیبیہ'' میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پانی کی بے حد کمی تھی۔ ایک ہی کنواں تھا۔ وہ چند گھنٹوں ہی میں خشک ہو گیا۔ جب صحابہ کرام پیاس سے بے تاب ہونے لگے تو حضور ﷺ نے ایک بڑے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈال دیا اور آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ پھر آپ نے خشک کنویں میں اپنے وضو کا غسالہ اور اپنا ایک تیر ڈال دیا تو کنویں میں اس قدر پانی ابل پڑا کہ پورا لشکر اور تمام جانور اس

کنویں سے کئی دنوں تک سیراب ہوتے رہے۔ (بخاری غزوۂ حدیبیہ جلد 2، ص 598 بخاری جلد 1، ص 378)

بیعتہ الرضوان:

مقام حدیبیہ میں پہنچ کر حضور ﷺ نے یہ دیکھا کہ کفار قریش کا ایک عظیم لشکر جنگ کے لئے آمادہ ہے اور ادھر یہ حال ہے کہ سب لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں جوئیں بھی نہیں مار سکتے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ کفار مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے کسی کو مکہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ کفار قریش میرے بہت ہی سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ کو ان کافروں سے بچا سکے۔ یہ سن کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو حضور ﷺ کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی مالداری اور اپنے قبیلہ والوں کی حمایت و پاسداری کی وجہ سے کفار قریش کی نگاہوں میں بہت زیادہ معزز تھے۔ اس لئے کفار قریش ان پر کوئی دراز دستی نہیں کر سکے بلکہ ان سے یہ کہا کہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کر لیں۔ مگر ہم محمد ﷺ کو کبھی ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہ آنے دیں گے، حضرت عثمان نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں بغیر رسول ﷺ کو ساتھ لئے کبھی ہرگز ہرگز اکیلے اپنا عمرہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور کفار نے آپ کو مکہ میں روک لیا۔ مگر حدیبیہ کے میدان میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کفار قریش نے ان کو شہید کر دیا۔ حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جان نثار ہو گئے۔ تمام صحابہ کرام نے نہایت ہی ولولہ انگیز جوش و خروش کے ساتھ جان نثاری کا عہد کرتے ہوئے حضور ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخ اسلام میں ''بیعت الرضوان'' ہے۔ حضرت حق جل مجدہٗ نے اس بیعت اور اس درخت کا تذکرہ

قرآن مجید کی سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔

ترجمہ: یقینا جو لوگ (اے رسول) تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس سورۂ فتح میں دوسری جگہ اس بیعت کرنے والوں کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کا قرآن مجید میں اس طرح خطبہ پڑھا کہ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے پھر ان پر اطمینان اتار دیا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

لیکن ''بیعۃ الرضوان'' ہو جانے کے بعد پتا چلا کہ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر غلط تھی، وہ باعزت طور پر مکہ میں زندہ و سلامت تھے اور پھر وہ بخیر و عافیت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر بھی ہو گئے۔

صلح حُدیبیہ کیونکر ہوئی:

حدیبیہ میں سب سے پہلا شخص جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بدیل بن ورقا خزاعی تھا۔ ان کا قبیلہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ لوگ حضور ﷺ کے حلیف اور انتہائی مخلص و خیر خواہ تھے۔ بدیل بن ورقاء نے آپ کو خبر دی کہ کفار قریش نے کثیر تعداد میں فوج جمع کر لی ہے اور فوج کے ساتھ راشن کے لئے دودھ اور اونٹنیاں بھی ہیں۔ یہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے اور آپ کو خانہ کعبہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم قریش کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم جنگ چاہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ مسلسل لڑائیوں سے قریش کو بہت کافی جانی و مالی نقصان پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا

ان کے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ وہ جنگ نہ کریں بلکہ مجھ سے ایک مدت معینہ کے لئے صلح کا معاہدہ کرلیں اور مجھ کو اہلِ عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اگر قریش میری بات مان لیں تو بہتر ہوگا اور اگر انہوں نے مجھ سے جنگ کی تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا کہ میری گردن میرے بدن سے الگ ہو جائے۔

بدیل بن ورقاء آپ کا یہ پیغام لے کر کفارِ قریش کے پاس گیا اور کہا کہ میں محمد ﷺ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں ان کا پیغام تم لوگوں کو سناؤں۔ کفارِ قریش کے شرارت پسند لونڈے جن کا جوش ان کے ہوش پر غالب تھا شور مچانے لگے کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ ہمیں ان کا پیغام سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن کفارِ قریش کے سنجیدہ اور سمجھدار لوگوں نے پیغام سنانے کی اجازت دے دی اور بدیل بن ورقاء نے حضور ﷺ کی دعوتِ صلح کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ سن کر قبیلہ قریش کا ایک بہت ہی معمر اور معزز سردار عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اے قریش کیا میں تمہارا باپ نہیں؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں، پھر اس نے کہا کہ کیا تم لوگ میرے بچے نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے بارے میں تم لوگوں کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود نے کہا کہ محمد ﷺ نے بہت ہی سمجھداری اور بھلائی کی بات پیش کر دی، لہٰذا تم لوگ مجھے اجازت دو کہ میں ان سے مل کر معاملات طے کروں۔ سب نے اجازت دے دی کہ بہت اچھا۔ آپ جائیے، عروہ بن مسعود وہاں سے چل کر حدیبیہ کے میدان میں جا پہنچا اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ بدیل بن ورقاء کی زبانی آپ کا پیغام ہمیں ملا اے محمد ﷺ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر آپ نے لڑ کر قریش کو برباد کر کے دنیا سے نیست و نابود کر دیا تو مجھے بتائیے کہ کیا آپ سے پہلے کبھی کسی عرب نے اپنی ہی قوم کو برباد کیا ہے؟ اور اگر لڑائی میں قریش کا پلہ بھاری پڑا تو آپ کے ساتھ جو یہ لشکر ہے میں ان میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ بن مسعود کا یہ جملہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبر کی تاب نہ رہی۔ انہوں نے تڑپ کر کہا کہ اے عروہ! چپ ہو جا اپنی دیوی ''لات'' کی

شرمگاہ چوس کیا ہم بھلا اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ابوبکر ہیں۔ عروہ بن مسعود نے کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے ابوبکر! اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کے بدلہ میں اب تک تجھ کو نہیں دے سکا ہوں تو میں تیری اس تلخ گفتگو کا جواب دیتا، عروہ بن مسعود اپنے کو سب سے بڑا آدمی سمجھتا تھا۔ اس لئے جب بھی وہ حضور ﷺ سے کوئی بات کہتا تو ہاتھ بڑھا کر آپ کی ریش مبارک پکڑ لیتا تھا اور بار بار آپ کی مقدس داڑھی پر ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو ننگی تلوار لے کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ عروہ بن مسعود کی اس جرأت اور حرکت کو برداشت نہ کر سکے اور عروہ بن مسعود جب ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ پر مار کر اس سے کہتے کہ ریش مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ عروہ بن مسعود نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں تو عروہ بن مسعود نے ڈانٹ کر کہا کہ اے دغا باز کیا میں تیری عہد شکنی کو سنبھالنے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہوں؟ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جس کا خون بہا عروہ بن مسعود نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا یہ اسی طرف اشارہ تھا)

اس کے بعد عروہ بن مسعود صحابہ کرام کو دیکھنے لگا اور پوری لشکر گاہ دیکھ بھال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے میدان میں صحابہ کرام کی حیرت انگیز اور تعجب خیز عقیدت و محبت کا جو منظر دیکھا تھا اس نے اس کے دل پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ اس نے قریش کے لشکر میں پہنچ کر اپنا تاثر ان لفظوں میں بیان کیا:

> ''اے میری قوم! خدا کی قسم! جب محمد ﷺ اپنا کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی میں پڑتا ہے اور وہ فرط عقیدت سے اس کو اپنے چہرے اور اپنی کھال پر مل لیتا ہے اور اگر وہ کسی بات کا ان لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے وضو کے دھوون کو اس

طرح لوٹتے ہیں کہ گویا ان میں تلوار چل پڑے گی اور وہ جب کوئی گفتگو کرتے ہیں تو عام اصحاب خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ان کی اتنی زبردست عظمت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم! خدا کی قسم میں نے بہت سے بادشاہوں کا دربار دیکھا ہے۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریاب ہو چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے جتنی تعظیم محمد ﷺ کے ساتھ محمد ﷺ کی کرتے ہیں"۔

عروہ بن مسعود کی یہ گفتگو سن کر قبیلہ، بنی کنانہ کے ایک شخص جس کا نام "حلیس" تھا کہا کہ تم لوگ مجھ کو اجازت دو کہ میں ان کے پاس جاؤں، قریش نے کہا کہ "ضرور جائیے" چنانچہ یہ شخص جب بارگاہ رسالت کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا تم لوگ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو اور سب لوگ "لبیک" پڑھنا شروع کر دو۔ اس شخص نے جب قربانی کے جانوروں کو دیکھا اور احرام کی حالت میں صحابہ کرام کو "لبیک" پڑھتے ہوئے سنا تو کہا سبحان اللہ! بھلا ان لوگوں کو کس طرح مناسب ہے کہ بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ وہ فوراً ہی پلٹ کر کفار قریش کے پاس پہنچا اور کہا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں کہ قربانی کے جانور ان لوگوں کے ساتھ ہیں اور سب احرام کی حالت میں ہیں۔ لہٰذا میں کبھی بھی یہ رائے نہیں دے سکتا کہ ان لوگوں کو خانہ کعبہ سے روک دیا جائے اس کے بعد ایک شخص کفار قریش کے لشکر میں سے کھڑا ہو گیا جس کا نام مکرز بن حفص تھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو تو تم لوگ وہاں جانے دو۔ قریش نے کہا تم بھی جاؤ چنانچہ یہ چلا، جب یہ نزدیک پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ مکرز ہے۔ یہ بہت ہی لچا آدمی ہے اس نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ناگہاں "سہیل بن عمرو" آ گیا۔ اس کو دیکھ کر آپ نے نیک فال کے طور پر یہ فرمایا کہ سہل آ گیا۔ لو اب تمہارا معاملہ سہل ہو گیا۔ چنانچہ

سہیل نے آتے ہی کہا کہ آیئے ہم اور آپ اپنے اور آپ کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ لیں۔ حضور ﷺ نے اس کو منظور فرمالیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دستاویز لکھنے کے لئے طلب فرمایا۔ سہیل بن عمرو اور حضور ﷺ کے درمیان دیر تک صلح کی شرائط پر گفتگو ہوتی رہی بالآخر چند شرطوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لکھو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سہیل نے کہا کہ ہم ''رحمن'' کو نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ ''باسمک اللھم'' لکھوایئے جو ہمارا اور آپ کا پرانا دستور رہا ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں لکھیں گے مگر حضور ﷺ نے سہیل کی بات مان لی اور فرمایا کہ اچھا۔ اے علی! باسمک اللھم ہی لکھ دو۔ پھر حضور ﷺ نے یہ عبارت لکھوائی ھذا ماقضی علیہ محمد رسول اللّٰہ یعنی یہ وہ شرائط ہیں۔ جن پر قریش کے ساتھ محمد رسول اللہ نے صلح کا فیصلہ کیا۔ سہیل پھر بھڑک گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اگر ہم جان لیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے۔ نہ آپ کے ساتھ جنگ کرتے۔ لیکن آپ ''محمد بن عبداللہ'' لکھئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ محمد رسول اللہ کو مٹا دو اور اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون مسلمان آپ کا فرمانبردار ہوسکتا ہے؟ لیکن محبت کے عالم میں کبھی کبھی ایسا مقام بھی آجاتا ہے کہ سچے محب کو بھی اپنے محبوب کی فرمانبرداری سے محبت ہی کے جذبہ میں انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے نام کو تو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دکھاؤ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپ نے وہاں سے ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا دیا۔ بہرحال صلح کی تحریر مکمل ہوگئی اس دستاویز میں یہ طے کر دیا گیا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی۔ صلح نامہ کی باقی دفعات اور شرطیں یہ تھیں کہ

1. مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں۔
2. آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔

3. تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر نہ آئیں۔ تلوار بھی نیام کے اندر رکھ کر تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔
4. مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
5. کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو اس کو نہ روکیں۔
6. قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کرلیں۔

یہ شرطیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور صحابہ کرام کو اس پر بڑی زبردست ناگواری ہو رہی۔ مگر وہ فرمان رسالت کے خلاف دم مارنے سے مجبور تھے۔
(ابن ہشام جلد 3، ص 317 وغیرہ)

حضرت ابو جندل کا معاملہ:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا لیکن ابھی اس پر فریقین کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ میں مسلمانوں کے درمیان آن پہنچے۔ سہیل بن عمرو اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ اس معاہدہ کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے میری پہلی شرط یہ ہے کہ آپ ابو جندل کو میری طرف واپس کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو اس معاہدہ نافذ ہوگا۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو کہنے لگا کہ پھر جائیے میں آپ سے کوئی صلح نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اے سہیل تم تو اپنی طرف سے اجازت دے دو کہ میں ابو جندل کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انہوں نے مسلمانوں سے فریاد کی اور کہا کہ اے جماعت مسلمین! دیکھو میں مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہوں اور تم مسلمانوں کے پاس آگیا ہوں کفار کی مار سے ان کے بدن پر چوٹوں کے جو نشانات تھے انہوں نے ان نشانات کو دکھا دکھا کر مسلمانوں کو جوش دلایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر ایمانی جذبہ بیدار ہوگیا اور وہ

رندناتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ کیا آپ سچ مچ! اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ پھر انہوں نے کہا کہ کیا پھر ہمارے دین میں ہم کو یہ ذلت کیوں دی جارہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں۔ وہ میرا مددگار ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ ہم سے یہ وعدہ نہ فرماتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں آکر طواف کریں گے؟ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم کو یہ خبر دی تھی کہ ہم اسی سال بیت اللہ میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا کہ ''نہیں'' آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ تم یقیناً کعبہ میں پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

دربارِ رسالت سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی جو بارگاہِ رسالت میں عرض کر چکے تھے آپ نے فرمایا کہ اے عمر! وہ خدا کے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے کرتے ہیں وہ کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور خدا ان کا مددگار ہے اور خدا کی قسم! یقیناً وہ حق پر ہیں۔ لہٰذا تم ان کی رکاب تھامے رہو۔ (ابن ہشام جلد 3، ص 217)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام عمر ان باتوں کا صدمہ رہا اور سخت رنج و افسوس رہا جو انہوں نے جذبہ بے اختیاری میں حضور ﷺ سے کہہ دی تھیں زندگی بھر وہ اس سے توبہ و استغفار کرتے رہے اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے۔ بخاری شریف میں اگرچہ ان اعمال کا مفصل تذکرہ نہیں ہے۔ اجمالاً ہی ذکر ہے۔ لیکن دوسری کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔

بہرحال یہ بڑے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ ایک طرف حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ گڑگڑا کر مسلمانوں سے فریاد کر رہے ہیں اور ہر مسلمان اس قدر جوش میں بھرا ہوا ہے کہ اگر رسول کا ادب مانع نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تلواریں نیام سے باہر نکل پڑتیں۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرنے کی ذمہ داری سر پر آن پڑی ہے۔ حضور انور ﷺ نے موقع کی نزاکت کا خیال فرماتے

ہوئے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صبر کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے ضرور ہی کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم صلح کا معاہدہ کر چکے۔ اب ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے غرض حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اس طرح پابزنجیر پھر مکہ واپس جانا پڑا۔

جب صلح نامہ مکمل ہو گیا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اٹھو اور قربانی کرو اور سر منڈا کر احرام کھول دو۔ مسلمانوں کی ناگواری اور ان کے غیظ غضب کا یہ عالم تھا کہ فرمان نبوی سن کر ایک شخص بھی نہیں اٹھا۔ مگر ادب کے خیال سے کوئی ایک لفظ بول بھی نہ سکا۔ آپ نے حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی سے کچھ بھی نہیں کہیں اور خود آپ اپنی قربانی کرلیں اور بال ترشوالیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو قربانی کر کے احرام اتارتے دیکھ لیا۔ تو پھر وہ لوگ مایوس ہو گئے کہ اب آپ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتے تو سب لوگ قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال تراشنے لگے مگر اس قدر رنج وغم میں بھرے ہوئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر ڈالے گا۔ اس کے بعد رسول اکرم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ (بخاری جلد 2، ص 617 باب عمرۃ القضاء مسلم جلد 2، ص 104 صلح حدیبیہ، بخاری جلد 1، ص 380 باب شروط فی الجہاد)

فتح مبین:

اس صلح کو تمام صحابہ نے ایک مغلوبانہ صلح اور ذلت آمیز معاہدہ سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے جو رنج وصدمہ گزرا وہ آپ پڑھ چکے۔ مگر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔

ترجمہ: اے حبیب! ہم نے آپ کو فتح مبین عطاء کی۔

خداوند قدوس نے اس صلح کو "فتح مبین" بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا یہ "فتح" ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں یہ فتح ہے"۔

گو اس وقت اس صلح نامہ کے بارے میں صحابہ کے خیالات اچھے نہیں تھے۔ مگر

اس کے بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ درحقیقت یہی صلح تمام فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی اور سب نے مان لیا کہ واقعی صلح حدیبیہ ایک ایسی فتح مبین تھی کہ جو مکہ میں اشاعت اسلام بلکہ فتح مکہ کا ذریعہ بن گئی۔ اب تک مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا مگر اس صلح کی وجہ سے ایک دوسرے کے یہاں آمدورفت آزادی کے ساتھ گفت وشنید اور تبادلہ خیالات کا راستہ کھل گیا۔ کفار مدینہ آتے اور مہینوں ٹھہر کر مسلمانوں کے کردار اور اعمال کا گہرا مطالعہ کرتے، اسلامی مسائل اور اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ سنتے جو مسلمان مکہ جاتے اور اپنے چال چلن، عفت شعاری اور عبادت گزاری سے کفار کے دلوں پر اسلام کی خوبیوں کا ایسا نقش بٹھا دیتے کہ خود بخود کفار اسلام کی طرف مائل ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک اس قدر کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے کہ اتنے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت خالد بن الولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) بھی اسی زمانے میں خود بخود مکہ سے مدینہ جا کر مسلمان ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما) (سیرۃ ابن ہشام جلد 3، ص 277و278)

مظلومین مکہ:

ہجرت کے بعد جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے انہوں نے کفار کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں۔ ان کو زنجیروں سے باندھ باندھ کر کفار کوڑے مارتے تھے۔ لیکن جب بھی ان میں سے کوئی شخص موقع پاتا تو چھپ کر مدینہ آجاتا تھا۔ صلح حدیبیہ نے اس کا دروازہ بند کر دیا۔ کیونکہ اس صلح نامہ میں یہ شرط تحریر تھی کہ مکہ سے جو شخص بھی ہجرت کر کے مدینہ جائے گا۔ وہ پھر مکہ واپس بھیج دیا جائے گا۔

حضرت ابو بصیر کا کارنامہ:

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر جب حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے جو بزرگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے وہ حضرت ابو البصیر رضی اللہ عنہ تھے کفار مکہ نے فوراً دو آدمی مدینہ روانہ کئے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "تم مکے چلے جاؤ" تم جانتے ہو کہ ہم نے کفار قریش سے معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی اور غداری جائز

نہیں ہے، حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ مجھ کو کافروں کے حوالہ فرمائیں گے تا کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جاؤ! خداوند کریم تمہاری رہائی کا کوئی سبب بنا دے گا آخر مجبور ہو کر حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ دونوں کافروں کی حراست میں مکہ واپس ہو گئے۔ لیکن جب مقام ''ذوالحلیفہ'' میں پہنچے تو سب کھانے کے لئے بیٹھے اور باتیں کرنے لگے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک کافر سے کہا کہ اجی! تمہاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے خوش ہو کر نیام سے تلوار نکال کر دکھائی اور کہا کہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے اور میں نے بارہا لڑائیوں میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذرا میرے ہاتھ میں دو میں بھی دیکھوں کہ کیسی تلوار ہے؟ اس نے تلوار ان کے ہاتھ میں دے دی۔ انہوں نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس زور سے تلوار ماری کہ کافر کی گردن کٹ گئی اور اس کا سر دور جا گرا۔ اس کے ساتھ نے جو یہ منظر دیکھا تو وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور سرپٹ دوڑتا ہوا مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی میں گھس گیا۔ حضور اکرم نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے اس نے ہانپتے کانپتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ میرے ساتھی کو ابو بصیر نے قتل کر دیا اور میں بھی ضرور مارا جاؤں گا۔ اتنے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے آن پہنچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی کیونکہ صلح نامہ کی شرط کے بموجب آپ نے تو مجھ کو واپس کر دیا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ کو ان کافروں سے نجات دے دی۔ حضور ﷺ کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا اور آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ

وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ۔

ترجمہ: اس کی ماں مرے! یہ تو لڑائی بھڑکا دے گا کاش اس کے ساتھ کوئی آدمی ہوتا جو اس کو روکتا۔

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اس جملہ سے سمجھ گئے کہ پھر کافروں کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا۔ اس لئے وہ وہاں سے چپکے سے کھسک گئے اور ساحلِ سمندر کے قریب مقام ''عیص'' میں جا ٹھہرے ادھر مکہ سے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی زنجیر کاٹ کر

بھاگے اور وہ بھی وہیں پہنچ گئے۔ پھر مکہ کے دوسرے مظلوم مسلمانوں نے بھی موقع پا کر کفار کی قید سے نکل نکل کر یہاں پناہ لینی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس جنگل میں ستر آدمیوں کی ایک جماعت جمع ہو گئی۔ کفار قریش کے تجارتی قافلوں کا یہی راستہ تھا جو قافلہ بھی آمدورفت میں یہاں سے گزرتا۔ یہ لوگ اس کو لوٹ لیتے، یہاں تک کہ کفار قریش کا ناک میں سانس دم کر دیا۔ بالآخر کفار قریش نے خدا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر حضور ﷺ کو خط لکھا کہ ہم صلح نامہ میں اپنی شرط سے باز آئے۔ آپ لوگوں کو ساحلِ سمندر سے مدینہ بلا لیجئے اور اب ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو مسلمان بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے آپ اس کو مدینہ میں ٹھہرا لیجئے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ (بخاری باب الشروط فی الجہاد ج 1، ص 380)

یہ بھی روایت ہے کہ قریش نے خود ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ صلح نامہ حدیبیہ میں اپنی شرط سے دستبردار ہو گئے۔ لہٰذا آپ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں بلا لیں تا کہ ہمارے تجارتی قافلے ان لوگوں کے قتل و غارت سے محفوظ ہو جائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط بھیجا کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت مقام ''عیص'' سے چلے آؤ۔ مگر افسوس! کہ فرمان رسالت ان کے پاس ایسے وقت پہنچا جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ مقدس خط کو اپنے ہاتھ میں لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور دفن کے بعد ان کی قبر شریف کے پاس یادگار کے لئے ایک مسجد بنا دی۔ پھر فرمان رسول کے بموجب یہ سب لوگ وہاں سے آکر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 218)

سلاطین کے نام دعوت اسلام

6ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب جنگ وجدال کے خطرات ٹل گئے اور ہر طرف امن و سکون کی فضا پیدا ہو گئی تو چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا دائرہ صرف خطۂ عرب ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ آپ تمام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے روم کے بادشاہ ''قیصر'' فارس کے بادشاہ ''کسریٰ'' حبشہ کے بادشاہ ''نجاشی'' مصر کے

بادشاہ ''عزیز'' اور دوسرے سلاطین وعرب عجم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

صحابہ میں سے کون کون حضرات ان خطوط کو لے کر کن کن بادشاہ کے دربار میں گئے؟ ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ مگر ایک ہی دن چھ خطوط لکھوا کر اور اپنی مہر لگا کر جن چھ قاصدوں کو جہاں جہاں آپ نے روانہ فرمایا وہ یہ ہیں۔

1. حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل قیصر روم کے دربار میں
2. حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ خسرو پرویز شاہ ایران
3. حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس عزیز مصر ،،
4. حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نجاشی بادشاہ حبشہ ،،
5. حضرت سلیط بن عمر رضی اللہ عنہ ہوزہ، بادشاہِ یمامہ ،،
6. حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ حارث غسانی والی غسان ،،

نامہ مبارک اور قیصر:

حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا مقدس خط لے کر ''بصریٰ'' تشریف لے گئے اور وہاں قیصر روم کے گورنر حارث غسانی کو دیا۔ اس نے اس نامہ مبارک کو ''بیت المقدس'' بھیج دیا۔ کیونکہ قیصر روم (ہرقل) ان دنوں بیت المقدس کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ قیصر کو جب یہ مبارک خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ قریش کا کوئی آدمی ہے تو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ قیصر کے حکام نے تلاش کیا تو اتفاق سے ابوسفیان اور عرب کے کچھ دوسرے تاجر مل گئے۔ یہ سب لوگ قیصر کے دربار میں لائے گئے۔ قیصر نے بڑے طمطراق کے ساتھ دربار منعقد کیا اور تاج شاہی پہن کر بیٹھا اور تخت کے گرد اراکین سلطنت، بطارقہ اور احبار ورہبان وغیرہ صاف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اسی حالت میں عرب کے تاجروں کا گروہ دربار میں حاضر کیا گیا اور شاہی محل کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ پھر قیصر نے ترجمان کو بلایا اور اس کے ذریعہ گفتگو شروع کی۔ سب سے پہلے قیصر نے یہ سوال کیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ ''میں'' قیصر نے ان کو سب سے آگے کیا اور دوسرے عربوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا اور کہا کہ

دیکھو۔ اگر ابوسفیان کوئی غلط بات کہے تو تم لوگ اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ پھر قیصر اور ابوسفیان میں جو مکالمہ ہوا وہ یہ ہے۔

قیصر : مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے۔
ابوسفیان : ان کا خاندان شریف ہے۔
قیصر : کیا اس خاندان میں ان سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔
ابوسفیان : ''نہیں''
قیصر : کیا ان کے باپ داداؤں میں کوئی بادشاہ تھا؟
ابوسفیان : ''نہیں''
قیصر : جن لوگوں نے ان کا دین قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟
ابوسفیان : کمزور لوگ ہیں۔
قیصر : ان کے متبعین بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں۔
ابوسفیان : بڑھتے جا رہے ہیں۔
قیصر : کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہو کر پھر اس کو ناپسند کر کے پلٹ بھی جاتا ہے؟
ابوسفیان : ''نہیں''
قیصر : کیا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹا سمجھتے تھے۔
ابوسفیان : ''نہیں''
قیصر : کیا وہ کبھی عہد شکنی اور وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں۔
ابوسفیان : ابھی تک تو نہیں کی ہے لیکن اب ہمارے اور ان کے درمیان (حدیبیہ) میں جو ایک نیا معاہدہ ہوا ہے۔ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کریں گے؟
قیصر : کیا کبھی تم لوگوں نے ان سے جنگ بھی کی؟
ابوسفیان : ''ہاں''
قیصر : نتیجہ جنگ کیا رہا؟
ابوسفیان : کبھی ہم جیتے کبھی وہ۔
قیصر : وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ بتوں کو چھوڑو، نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامنی اختیار کرو، رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس سوال و جواب کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے ان کو خاندانی شریف بتایا اور تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے کہ ہمیشہ پیغمبر اچھے خاندانوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اوروں کی نقل اتار رہا ہے۔ تم نے اقرار کیا کہ ان کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھ لیتا کہ یہ شخص اپنے آباؤ اجداد کی بادشاہی کا طلبگار ہے۔ تم مانتے ہو کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولے تو جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا بھلا وہ خدا پر کیوں جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزور لوگوں نے ان کے دین کو قبول کرلیا ہے تو سن لو ہمیشہ ابتدا میں پیغمبروں کے متبعین مفلس اور کمزور لوگ ہی ہوتے رہے ہیں۔ تم نے یہ تسلیم کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑھتے ہی جارہے ہیں تو ایمان کا معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تم کو یہ تسلیم ہے کہ کوئی ان کے دین سے پھر کر مرتد نہیں ہورہا تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان کی شان ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ جب اس کی لذت کسی کے دل میں گھر کرلیتی ہے تو پھر وہ کبھی نکل نہیں سکتی۔ تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی غداری اور بدعہدی نہیں کی ہے تو رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کبھی کوئی دغا فریب کا کام کرتے ہی نہیں۔ تم نے ہمیں بتایا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت، شرک سے پرہیز، بت پرستی سے ممانعت، پاک دامنی، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں تو سن لو تم نے جو کچھ کہا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک ہوجائیں گے جہاں اس وقت میرے قدم ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ایک رسول کا ظہور ہونے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ رسول تم عربوں میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی بارگاہ میں پہنچ سکوں گا تو میں تکلیف اٹھا کر وہاں تک پہنچتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کے پاؤں دھوتا۔ قیصر نے اپنی اس تقریر کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا جائے۔ نامہ

مبارک کی عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبداللہ و رسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلامعلی من اتبع الھدی امابعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فانی علیک اثم الاریسین یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد ﷺ کی طرف سے یہ خط ''ہرقل'' کے نام ہے جو روم کا بادشاہ ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو خدا نہ بنائیں اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں!

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی اس سے اس کے درباری پہلے ہی انتہائی برہم اور بیزار ہو چکے تھے۔ اب یہ خط سنا۔ پھر جب قیصر نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ اے جماعت ردم۔ اگر تم اپنی فلاح اور اپنی بادشاہی کی بقا چاہتے ہو تو اس نبی کی بیعت کر لو تو درباریوں میں اس قدر ناراضگی اور بیزاری پھیل گئی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدک بدک کر دربار سے دروازوں کی طرح بھاگنے لگے مگر چونکہ تمام دروازے بند تھے اس لئے وہ لوگ باہر نہ نکل سکے۔ جب قیصر نے اپنے درباریوں کی نفرت کا یہ منظر دیکھا تو وہ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے کہا کہ ان درباریوں کو

بلاؤ۔ جب سب آ گئے تو قیصر نے کہا کہ ابھی ابھی میں نے تمہارے سامنے جو کچھ کہا اس سے میرا مقصد تمہارے دین کی پختگی کا امتحان تھا۔ تو میں نے دیکھ لیا کہ تم لوگ اپنے دین میں بہت پکے ہو۔ یہ سن کر تمام درباری قیصر کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور ابو سفیان وغیرہ دربار سے نکال دیئے گئے اور دربار برخاست ہو گیا۔ چلتے وقت ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب یقیناً ابو کبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کا معاملہ بہت بڑھ گیا۔ دیکھ لو، رومیوں کا بادشاہ ان سے ڈر رہا ہے۔ (بخاری باب کیف کان بدء الوحی ج 1، ص 4 تا 5 و مسلم ج 2 ص 97 تا 99 و مدارج ج 2 ص 221 وغیرہ)

قیصر چونکہ توراۃ و انجیل کا ماہر اور علم نجوم سے واقف تھا اس لئے وہ نبی آخر الزمان کے ظہور سے باخبر تھا اور ابوسفیان کی زبان سے حالات سن کر اس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا تھا۔ مگر سلطنت کی حرص و ہوس کی آندھیوں نے اس چراغ ہدایت کو بجھا دیا اور وہ اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا۔

خسرو پرویز کی بددماغی:

تقریباً اسی مضمون کے خطوط دوسرے بادشاہوں کے پاس بھی حضور ﷺ نے روانہ فرمائے۔ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے دربار میں جب نامہ مبارک پہنچا تو صرف اتنی سی بات پر اس کے غرور اور گھمنڈ کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اس نے کہا کہ اس خط میں محمد ﷺ نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا؟ یہ کہہ کر اس نے فرمان رسالت کو پھاڑ ڈالا اور پرزے پرزے کر کے خط کو زمین پر پھینک دیا۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ

مَزَّقَ كِتَابِيْ مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهٗ۔

ترجمہ: اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا خدا اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

چنانچہ اس کے بعد ہی خسرو پرویز کو اس کے بیٹے ''شیرویہ'' نے رات میں سوتے ہوئے اس کا شکم پھاڑ کر اس کو قتل کر دیا اور اس کی بادشاہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ حکومت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ مدارج النبوۃ ج 2، ص 225 وغیرہ و بخاری ج 1، ص 411)

نجاشی کا کردار:

نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس جب فرمان رسالت پہنچا تو اس نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس معاملہ میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ اس نجاشی نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مگر مواہب لدنیہ میں لکھا ہوا ہے کہ یہ نجاشی جس کے پاس اعلان نبوت کے پانچویں سال مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے گئے تھے اور 6 ھ میں جس کے پاس حضور ﷺ نے خط بھیجا اور 9 ھ میں جس کا انتقال ہوا اور مدینہ میں حضور ﷺ نے جس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اس کا نام "اَصحمہ" تھا اور یہ باشبہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد جو نجاشی کے تخت پر بیٹھا اس کے پاس بھی حضور ﷺ نے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ مگر اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نجاشی کا نام کیا تھا اور اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مشہور ہے کہ یہ دونوں مقدس خطوط اب تک سلاطین حبشہ کے پاس موجود ہیں اور وہ لوگ اس کا بے حد ادب و احترام کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 220)

شاہ مصر کا برتاؤ:

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے "مقوقس" مصر و اسکندریہ کے بادشاہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ نہایت ہی اخلاق کے ساتھ قاصد سے ملا اور فرمان نبوی کو بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ پڑھا۔ مگر مسلمان نہیں ہوا۔ ہاں حضور ﷺ کی خدمت میں چند چیزوں کا تحفہ بھیجا۔ دو لونڈیاں ایک حضرت "ماریہ قبطیہ" تھیں جو حضور ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں اور انہی کے شکم مبارک سے حضور ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ دوسری حضرت "سیرین" تھیں جن کو آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطاء فرما دیا۔ ان کے بطن سے حضرت حسان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن پیدا ہوئے ان دونوں لونڈیوں کے علاوہ ایک سفید گدھا جس کا نام "یعفور" تھا اور ایک سفید خچر جو دلدل کہلاتا تھا ایک ہزار مثقال سونا، ایک غلام، کچھ شہد، کچھ کپڑے بھی تھے۔

بادشاہ یمامہ کا جواب:

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ جب ''ہوزہ'' بادشاہ یمامہ کے پاس خط لے کر پہنچے تو اس نے بھی قاصد کا احترام کیا۔ لیکن اسلام قبول نہیں کیا اور جواب میں لکھا کہ آپ جو باتیں کہتے ہیں وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر آپ اپنی حکومت میں سے کچھ مجھے بھی حصہ دیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔ حضور ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا کہ اسلام ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں آیا ہے۔ اگر زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 229)

حارث غسانی کا گھمنڈ:

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے جب حارث غسانی والی غسان کے سامنے نامہ اقدس کو پیش کیا تو وہ مغرور خط کو پڑھ کر برہم ہو گیا اور اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مدینہ کے مسلمان ہر وقت اس کے حملے کے منتظر رہنے لگے اور بالآخر ''غزوۂ موتہ'' اور ''غزوہ تبوک'' کے واقعات درپیش ہوئے جن کا مفصل تذکرہ ہم آگے تحریر کریں گے۔

حضور ﷺ نے ان بادشاہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سلاطین و امراء کو دعوت اسلام کے خطوط تحریر فرمائے۔ جن میں کچھ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں نیاز مندیوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی بھیجے۔ مثلاً یمن کے شاہانہ حمیر میں سے جن جن بادشاہوں نے مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں عرضیاں بھیجیں جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ کی خدمت میں پہنچیں۔ ان بادشاہوں کے نام یہ ہیں۔

1. حارث بن عبد کلال۔
2. نعیم بن عبد کلال۔
3. نعمان حاکم زورعین ومعافر وہمدان۔
4. زرعہ۔ یہ سب یمن کے بادشاہ ہیں۔

ان کے علاوہ ''فروہ بن عمرو'' جو کہ سلطنت روم کی جانب سے گورنر تھا۔ اپنے اسلام

لانے کی خبر قاصد کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ اس طرح ''باذان'' جو بادشاہ ایران کسریٰ کی طرف سے صوبہ یمن کا صوبہ دار تھا۔ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور ایک عرضی تحریر کر کے حضور ﷺ کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ ان سب کا مفصل تذکرہ ''سیرب ابن ہشام و زرقانی و مدارج النبوۃ'' وغیرہ میں موجود ہے۔ ہم اپنی اس مختصر کتاب میں ان کا مفصل بیان تحریر کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔

سریۂ نجد:

6ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر نجد کی طرف روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لیا اور مدینہ لائے۔ جب لوگوں نے ان کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا جائے۔ چنانچہ یہ ستون میں باندھ دیئے گئے۔ پھر حضور ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ اے ثمامہ! تمہارا کیا حال ہے؟ اور تم اپنے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟ ثمامہ نے جواب دیا کہ اے محمد ﷺ میرا حال اور خیال تو اچھا ہی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی آدمی کو قتل کریں گے اور اگر مجھے اپنے انعام سے نواز کر چھوڑ دیں گے تو ایک شکر گزار کو چھوڑیں گے اور اگر آپ مجھ سے کچھ مال کے طلب گار ہوں تو بتا دیجئے۔ آپ کو مال دیا جائے گا۔ حضور ﷺ یہ گفتگو کر کے چلے گئے۔ پھر دوسرے روز بھی یہی سوال و جواب ہوا تیسرے روز بھی ہوا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ ثمامہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے باغ میں چلے گئے جو مسجد نبوی کے قریب میں ہی تھا۔ وہاں انہوں نے غسل کیا پھر مسجد نبوی میں واپس آئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم! مجھے جس قدر آپ کے چہرہ سے نفرت تھی اتنی روئے زمین پر کسی کے چہرے سے نہ تھی مگر آج آپ کے چہرہ سے مجھے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اتنی محبت کسی کے چہرہ سے نہیں ہے کوئی دین میری نظر میں اتنا ناپسند نہ تھا جتنا آپ کا دین لیکن آج کوئی دین میری نظر میں اتنا محبوب نہیں ہے جتنا آپ کا دین۔ کوئی شہر میری نگاہ میں اتنا برا نہ تھا جتنا آپ کا شہر اور اب یہ حال ہو گیا ہے کہ آپ کے شہر سے زیادہ مجھے کوئی شہر محبوب نہیں رہا۔

یارسول اللہ ﷺ! میں عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مکہ جارہا تھا کہ آپ کے لشکر نے مجھے گرفتار کرلیا۔ اب آپ میرے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا مژدہ سنایا اور پھر حکم دیا کہ تم مکہ جا کر عمرہ ادا کرو۔

جب یہ مکہ پہنچے اور طواف کرنے لگے تو قریش کے کسی کافر نے ان کو دیکھ کر کہا کہ اے ثمامہ! تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ آپ نے نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اے اہل مکہ سن لو۔ اب جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں گے۔ تم لوگوں کو ہمارے وطن سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں مل سکے گا۔ مکہ والوں کے لئے ان کے وطن ''یمامہ'' ہی سے غلہ آیا کرتا تھا۔ (بخاری ج 2، ص 627 باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامہ و مسلم ج 2، ص 93 باب ربط الاسیر و مدارج ج 2، ص 189)

ابو رافع قتل کر دیا گیا:

6ھ کے واقعات میں سے ابو رافع یہودی کا قتل بھی ہے۔ ابو رافع یہودی کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق یا سلام بن الحقیق تھا۔ یہ بہت ہی دولت مند تاجر تھا۔ لیکن اسلام کا زبردست دشمن اور بارگاہ نبوت کی شان میں نہایت ہی بدترین گستاخ اور بے ادب تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حیی بن اخطب یہودی کے ساتھ مکہ گیا اور کفار قریش اور دوسرے قبائل کو جوش دلا کر غزوہ خندق میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے دس ہزار فوج لے کر آیا تھا اور ابوسفیان کو ابھار کر اسی نے اس فوج کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حیی بن اخطب تو جنگ خندق کے بعد غزوہ بنی قریظہ میں مارا گیا تھا مگر یہ بچ نکلا تھا اور حضور ﷺ کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں تن، من، دھن سے لگا ہوا تھا۔ انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا اور یہ دونوں اکثر رسول اللہ ﷺ کے سامنے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ چونکہ قبیلہ اوس کے لوگوں حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے 3ھ میں بڑے خطرہ میں پڑ کر ایک دشمن رسول ''کعب بن اشرف یہودی'' کو قتل کیا تھا۔ اس لئے قبیلہ خزرج کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اب رسول ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ''ابو رافع'' رہ گیا ہے لہٰذا ہم لوگوں کو چاہئے کہ اس کو قتل کر ڈالیں تاکہ ہم لوگ بھی قبیلہ اوس کی طرح ایک دشمن

رسول کو قتل کرنے کا اجر و ثواب حاصل کرلیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عتیک و عبداللہ بن انیس و ابوقتادہ و حارث بن ربعی مسعود بن سنان و خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم اس کیلئے مستعد اور تیار ہوئے۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امیر فرما دیا اور ان لوگوں کو منع کر دیا کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (زرقانی علی المواهب ج 2، ص 163)

حضرت عبداللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ ابو رافع کے محل کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھ کر میری آمد کا ذکر کرتے رہو اور خود بہت ہی خفیہ تدبیروں سے رات میں اس کے محل کے اندر داخل ہو گئے اور اس کے بستر پر پہنچ کر اندھیرے میں اس کو قتل کر دیا۔ جب محل سے نکلنے لگے تو سیڑھی سے گر پڑے جس سے ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مگر انہوں نے فوراً ہی اپنی پگڑی سے اپنے ٹوٹے ہوئے پاؤں کو باندھ دیا اور کسی طرح محل سے باہر آ گئے۔ پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے مدینہ پہنچے۔ جب دربار رسالت میں حاضر ہو کر ابو رافع کے قتل کا سارا ماجرہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ "پاؤں پھیلاؤ" انہوں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے پاؤں پر پھیر دیا۔ فوراً ہی ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی اور ان کا پاؤں بالکل صحیح و سالم ہو گیا۔ (بخاری ج 1، ص 224 باب قتل النائم المشرک)

6ھ کی بعض لڑائیاں:

6ھ میں صلح حدیبیہ سے قبل چند چھوٹے چھوٹے لشکروں کو حضور ﷺ نے مختلف اطراف میں روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ کفار کے حملوں کی مدافعت کرتے رہیں۔ ان لڑائیوں کا مفصل تذکرہ زرقانی علی المواهب اور مدارج النبوۃ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے مگر ان لڑائیوں کی ترتیب اور ان کی تاریخوں میں مورخین کا بڑا اختلاف ہے۔ اس لئے ٹھیک طور پر ان کی تاریخوں کی بہت مشکل ہے۔ ان واقعات کا چیدہ چیدہ بیان حدیثوں میں موجود ہے مگر حدیثوں میں بھی ان کی تاریخیں مذکور نہیں ہیں۔ البتہ بعض قرائن و شواہد سے اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ سب صلح حدیبیہ سے قبل کے واقعات ہیں۔ ان لڑائیوں میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(i) سریہء قرطاء (ii) غزوہ بنی لحیان
(iii) سریۃ الغمر (iv) سریہء علی بجانب جموم
(v) سریہء زید بجانب عیص (vi) سریہء زید بجانب وادی القریٰ
(vii) سریہء علی بجانب بنی سعد (viii) زید بجانب ام قرفہ
(ix) سریہء ابن رواحہ (x) سریہء ابن مسلمہ
(xi) سریہء زید بجانب طرف (xii) سریہء عکل وعزینہ
(xiii) سریہء ضمری۔

ان لڑائیوں کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ ہم نے یہاں ان لڑائیوں کے مذکورہ بالا نام زرقانی علی المواہب کی فہرست سے نقل کئے ہیں۔ (فہرست زرقانی علی المواہب ج2،ص350)





باب نمبر:12

ہجرت کا ساتواں سال

غزوئہ ذات القرد:

مدینہ کے قریب ''ذات القرد'' ایک چراگاہ کا نام ہے جہاں حضور ﷺ کی اونٹنیاں چرتی تھیں عبدالرحمن بن عیینہ فرازی نے جو قبیلہء غطفان سے تعلق رکھتا تھا اپنے چند آدمیوں کے ساتھ ناگہاں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور یہ لوگ بیس اونٹنیوں کو پکڑ کر لے بھاگے مشہور تیر انداز صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اس کی خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے بلند آواز سے یہ نعرہ مارا کہ ''یا صباحاہ'' پھر اکیلے ہی ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور ان ڈاکوؤں کو تیر مار مار کر تمام اونٹنیوں کو بھی چھین لیا اور ڈاکو بھاگتے ہوئے جو تیس چادریں پھینکتے گئے تھے اور ان چادروں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ لشکر لے کر پہنچے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے ان چھاپہ ماروں کو ابھی تک پانی نہیں پینے دیا ہے یہ سب پیاسے ہیں۔ ان لوگوں کے تعاقب میں لشکر بھیج دیجئے تو یہ سب گرفتار ہو جائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اونٹنیوں کے مالک ہو چکے ہو۔ اب ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ حضرت امام بخاری کا بیان ہے کہ یہ غزوہ جنگ خیبر کے لئے روانہ ہونے سے تین دن قبل ہوا۔ (بخاری غزوۂ ذات القرد ج 2، ص 603 و مسلم ج 2، ص 113)

جنگِ خیبر

''خیبر'' مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری پر ایک شہر ہے۔ ایک انگریز سیاح نے لکھا

ہے کہ خیبر مدینہ سے تین سو بیس کلو میٹر دور ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ تھا اور یہاں عمدہ کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں۔ عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز یہی خیبر تھا۔ یہاں کے یہودی عرب میں سب سے زیادہ مالدار اور جنگجو تھے اور ان کو اپنی مالی اور جنگی طاقتوں پر بڑا ناز اور گھمنڈ بھی تھا۔ یہ لوگ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے بدترین دشمن تھے۔ یہاں یہودیوں نے بہت سے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ جن میں سے بعض کے آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے آٹھ قلعے بہت مشہور ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ کتیبہ، ناعم، شق، قموص، نطاۃ، صعب، وطیح، سلالم۔ درحقیقت یہ آٹھوں قلعے آٹھ محلوں کے مثل تھے اور انہی آٹھوں قلعوں کا مجموعہ ''خیبر'' کہلاتا تھا۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 234)

غزوہ خیبر کب ہوا؟:

تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ خیبر محرم کے مہینے میں ہوئی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ 6ھ یا 7ھ۔ غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سن ہجری کی ابتدا محرم سے کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک محرم میں 7ھ شروع ہو گیا اور بعض لوگ سنہ ھ کی ابتدا ربیع الاول سے کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت ربیع الاول میں ہوئی۔ لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک یہ محرم وصفر 6ھ کے تھے۔ واللہ اعلم۔

جنگِ خیبر کا سبب:

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جنگ خندق میں جن جن کفار عرب نے مدینہ پر حملہ کیا تھا ان میں خیبر کے یہودی بھی تھے۔ بلکہ درحقیقت وہی اس حملہ کے بانی اور سب سے بڑے محرک تھے۔ چنانچہ ''بنو نضیر'' کے یہودی جب مدینہ سے جلا وطن کئے گئے تو یہودیوں کے جو رؤسا خیبر چلے گئے تھے۔ ان میں حیی بن اخطب اور ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے تو مکہ جا کر کفار قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اُبھارا اور تمام قبائل کا دورا کر کے کفار عرب کو جوش دلا کر برانگیختہ کیا اور حملہ آوروں کی مالی امداد کے لئے پانی طرح روپیہ بہایا اور خیبر کے تمام یہودیوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے یہ دونوں سردار حملہ کرنے والوں میں شامل رہے۔ حیی بن اخطب تو جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا اور ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کو 6ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ نے

اس کے محل میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ لیکن ان سب واقعات کے بعد بھی خیبر کے یہودی بیٹھ نہیں رہے۔ بلکہ اور زیادہ انتقام کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکنے لگی۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پر پھر ایک دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا اور اس کی آبادی خیبر سے بالکل ہی متصل تھی اور خیبر کے یہودی خود بھی عرب کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہونے کے ساتھ بہت ہی جنگ باز اور تلوار کے دھنی تھے۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے ایک بڑی طاقتور فوج تیار ہو گئی اور ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پلان بنا لیا۔

مسلمان خیبر چلے:

جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودی قبیلہء غطفان کو ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو ان کی اس چڑھائی کو روکنے کے لئے سولہ سو صحابہ کرام کا لشکر ساتھ لے کر آپ خیبر روانہ ہوئے۔ مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو افسر مقرر فرمایا اور تین جھنڈے تیار کرائے۔ ایک جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک جھنڈے کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا اور خاص علم نبوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں عنایت فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا۔

حضور ﷺ رات کے وقت حدود خیبر میں اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ پہنچ گئے اور نماز فجر کے بعد شہر میں داخل ہوئے تو خیبر کے یہودی اپنے ہنسیا اور ٹوکری لے کر کھیتوں اور باغوں میں کام کاج کے لئے قلعہ سے نکلے جب انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو شور مچانے لگے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ "اللہ کی قسم! لشکر کے ساتھ محمد ﷺ ہیں"۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ

> "خیبر برباد ہو گیا۔ بلاشبہ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو کفار کی صبح بری ہو جاتی ہے"۔ (بخاری جلد 2، ص 603)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ خیبر کی طرف

متوجہ ہوئے تو صحابہ کرام بہت ہی بلند آوازوں سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے اوپر نرمی برتو۔ تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ اُس (اللہ) کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ میں حضور ﷺ کی سواری کے پیچھے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ جب آپ نے سنا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا کہ میں تم کو ایسا کلمہ نہ بتادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "کیوں نہیں یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان" تو فرمایا کہ وہ کلمہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" ہے۔ (بخاری جلد 2، ص 605)

یھودیوں کی تیاری:

یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں پہنچا دیا اور راشن کا ذخیرہ قلعہ "ناعم" میں جمع کر دیا اور فوجوں کو "نطاۃ" اور "قموص" کے قلعوں میں اکٹھا کیا، ان میں سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ "قموص" تھا اور "مرحب یہودی" جو عرب کے پہلوانوں میں ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ سلام بن مشکم یہودی گو بیمار تھا مگر وہ بھی قلعہ "نطاۃ" میں فوجیں لے کر ڈٹا ہوا تھا۔ یہودیوں کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی جو مختلف قلعوں کی حفاظت کے لئے مورچہ بندی کئے ہوئے تھی۔

محمود بن مسلمہ شھید ھوگئے:

سب سے پہلے قلعہ "ناعم" پر معرکہ آرائی اور جم کر لڑائی ہوئی حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ جنگ کی۔ مگر سخت گرمی اور لو کے تھپیڑوں کی وجہ سے ان پر پیاس کا غلبہ ہوگیا۔ وہ قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے سو گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق یہودی نے ان کو دیکھ لیا اور چھت سے ایک بہت بڑا پتھر ان کے اوپر گرا دیا۔ جس سے ان کا سر کچل گیا اور یہ شہید ہو گئے۔ اس قلعہ کو فتح کرنے میں پچاس مسلمان زخمی ہو گئے۔ لیکن قلعہ فتح ہوگیا۔

اسود راعی کی شھادت:

حضرت اسود راعی رضی اللہ عنہ اسی قلعہ کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک حبشی تھے جو خیبر کے کسی یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے جب یہودی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ آخر تم لوگ کس

سے جنگ کے لئے تیاریاں کر رہے ہو۔ یہودیوں نے کہا کہ آج ہم اس شخص سے جنگ کریں گے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سن کر ان کے دل میں حضور ﷺ کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ بکریاں لئے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے اور حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر وثواب ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی۔ انہوں نے فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ اب میں ان کو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ تم ان بکریوں کو قلعہ کی طرف ہانک دو اور ان کو کنکریوں سے مارو یہ سب خود بخود اپنے مالک کے گھر پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ انہوں نے بکریوں کو کنکریاں مار کر ہانک دیا اور وہ سب اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔

اس کے بعد یہ خوش نصیب حبشی ہتھیار پہن کر مجاہدین اسلام کی صف میں کھڑا ہو گیا اور انتہائی جوش وخروش کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ عمل قلیلاً اور اجر کثیراً۔

یعنی اس شخص نے بہت ہی کم عمل کیا اور بہت زیادہ اجر دیا گیا پھر حضور ﷺ نے ان کی لاش خیمہ میں لانے کا حکم دیا اور ان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ نے یہ بشارت سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کالے چہرہ کو حسین بنا دیا اور اس کے بدن کو خوشبودار بنا دیا اور دو حوریں اس کو جنت میں ملیں۔ اس شخص نے ایمان اور جہاد کے سوا کوئی دوسرا عمل خیر نہیں کیا نہ ایک وقت کی نماز پڑھی، نہ ایک روزہ رکھا، نہ حج وزکوٰۃ کا موقع ملا۔ مگر ایمان اور جہاد کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا بلند مرتبہ عطاء فرمایا۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 240)

اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر:

حضور ﷺ کو پہلے ہی سے یہ علم تھا کہ قبیلہ غطفان والے ضروری خیبر والوں کی مدد کو آئیں گے اس لئے آپ نے خیبر اور غطفان کے درمیان مقام ''رجیع'' میں اپنی فوجوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا اور خیموں، بار برداری کے سامانوں اور عورتوں کو بھی نہیں رکھا تھا

اور یہیں سے نکل نکل کر یہودیوں کے قلعوں پر حملہ کرتے تھے۔

(مدارج النبوۃ ج2،ص 239)

قلعہ ناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی باآسانی اور بہت جلد فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ ''قموص'' چونکہ بہت ہی مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہاں یہودیوں کی فوجیں بھی بہت زیادہ تھیں اور یہودیوں کا سب سے بڑا بہادر ''مرحب'' خود اس قلعہ کی حفاظت کرتا تھا اس لئے اس قلعہ کو فتح کرنے میں بڑی دشواری ہوئی۔ کئی روز تک یہ مہم سر نہ ہو سکی، حضور ﷺ نے اس قلعہ پر پہلے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں اسلامی فوجوں کو چڑھائی لئے بھیجا اور انہوں نے بہت ہی شجاعت اور جاں بازی کے ساتھ حملہ فرمایا۔ مگر یہودیوں نے قلعہ کی فصیل پر سے اس زور کی تیر اندازی اور سنگساری کی کہ مسلمان قلعہ کے پھاٹک تک نہ پہنچ سکے اور رات ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردست حملہ کیا اور مسلمان بڑی گرم جوشی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر دن بھر قلعہ پر حملہ کرتے رہے مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا اور کیونکر فتح ہوتا؟ فاتح خیبر ہونا تو علی حیدر کے مقدر میں لکھا تھا چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ اَيُّهُمْ يُعْطَاهَا۔

ترجمہ: کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور وہ اللہ و رسول کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔ راوی نے کہا کہ لوگوں نے یہ رات بڑے اضطراب میں گزاری کہ دیکھئے کل کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے۔

(بخاری ج 2،ص 605 غزوہ خیبر)

صبح ہوئی تو صحابہ کرام خدمت اقدس میں بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ تمنا لے کر حاضر ہوئے کہ یہ اعزاز و شرف ہمیں مل جائے۔ اس لئے کہ جس کو جھنڈا ملے گا اس کے لئے تین بشارتیں ہیں۔

1. وہ اللہ و رسول کا محب ہے۔

2. وہ اللہ و رسول کا محبوب ہے۔
3. خیبر اُس کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز مجھے بڑی تمنا تھی کہ کاش آج مجھے جھنڈا عنایت ہوتا۔ وہ یہ بھی فرماتے کہ اس موقع کے سوا مجھے کبھی بھی فوج کی سرداری اور افسری کی تمنا نہ تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام بھی اس نعمت عظمیٰ کے لئے ترس رہے تھے۔
(مسلم ج 2، ص 278، 279 باب من فضائل علی)

لیکن صبح کو اچانک یہ صدا لوگوں کے کان میں آئی کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اُن کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ آپ نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور اُن کو دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرمائی تو فوراً انہیں ایسی شفا حاصل ہوگئی کہ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر تاجدار عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنا علم نبوی جو حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہ سیاہ چادر سے تیار کیا گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں عطاء فرمایا۔ (زرقانی ج 2، ص 222)

اور ارشاد فرمایا کہ

> تم بڑے پرسکون کے ساتھ لے جاؤ اور ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ مسلمان ہو جانے کے بعد تم پر فلاں فلاں اللہ کے حقوق واجب ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ایک آدمی نے بھی تمہاری بدولت اسلام قبول کرلیا تو یہ دولت تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔
> (بخاری ج 2، ص 605 غزوہ خیبر)

حضرت علی اور مرحب کی جنگ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''قلعہ قموص'' کے پاس پہنچ کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اس دعوت کا جواب اینٹ اور پتھر اور تیر و تلوار سے دیا اور قلعہ کا رئیس اعظم ''مرحب'' خود بڑے طنطنہ کے ساتھ نکلا سر پر یمنی زرد رنگ کا ڈھاٹا

باندھے ہوئے اور اس کے اوپر پتھر کا خود پہنے ہوئے رجز کا یہ شعر پڑھتے ہوئے حملہ کے لئے آگے بڑھا کہ ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں ''مرحب'' ہوں۔ اسلحہ پوش ہوں۔ بہت ہی بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا ؎

اَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ میں کچھار کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں مرحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت اللہ کے شیر پر تلوار سے وار کیا مگر آپ نے ایسا پینترا بدلا کہ مرحب کا وار خالی گیا۔ پھر آپ نے بڑھ کر اس کے سر پر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے خود کٹا مغفر کٹا اور ذوالفقار حیدری سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور تلوار کی مار کا تڑاکہ فوج تک پہنچا اور مرحب زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ (مسلم ج2، ص115، 278)

مرحب کی لاش کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام فوج حضرت شیر اللہ پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح چمک کر گرتی تھی۔ جس سے صفیں کی صفیں الٹ گئیں اور یہودیوں کے مایہ ناز بہادر مرحب، حارث، اُسیر، عامر وغیرہ کٹ گئے۔ اسی گھمسان کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ نے آگے بڑھ کر قلعہ قموص کا پھاٹک اکھاڑ دیا اور کواڑ کو ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواریں روکتے رہے۔ یہ کواڑ اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد کو چالیس آدمی اس کو نہ اٹھا سکے۔ (زرقانی ج2، ص230)

جنگ جاری تھی کہ حضرت اللہ کے شیر نے کمالِ شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے خیبر کو فتح کر لیا اور حضرت صادق الوعد ﷺ کا فرمان صداقت کا نشان بن کر فضاؤں میں لہرانے لگا کہ

''کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ

فتح دے گا وہ اللہ و رسول کا محب بھی ہے اور اللہ و رسول کا محبوب بھی''۔

بے شک حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ اللہ اور رسول کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے خیبر کی فتح عطاء فرمائی اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فاتح خیبر کے معزز لقب سے سرفراز فرما دیا اور یہ وہ فتح عظیم ہے جس نے پورے ''جزیرۃ العرب'' میں یہودیوں کی جنگی طاقت کا جنازہ نکال دیا۔ فتح خیبر سے قبل اسلام یہودیوں اور مشرکین کے گٹھ جوڑ سے نزع کی حالت میں تھا۔ لیکن خیبر فتح ہو جانے کے بعد اسلام اس خوفناک نزع سے نکل گیا اور آگے اسلامی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی مکہ بھی فتح ہو گیا۔ اس لئے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فاتح خیبر کی ذات سے تمام اسلامی فتوحات کا سلسلہ وابستہ ہے۔

بہرحال خیبر کا قلعہ قموص بیس دن کے محاصرہ اور زبردست معرکہ آرائی کے بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ترانوے یہودی قتل ہوئے اور پندرہ مسلمان جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ (زرقانی ج2، ص228)

خیبر کا انتظام:

فتح مکہ کے بعد خیبر کی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ بنونضیر کی طرح اہل خیبر کو بھی جلا وطن کر دیں۔ لیکن یہودیوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو خیبر سے نہ نکالا جائے اور زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم یہاں کی پیداوار کا آدھا حصہ آپ کو دیتے رہیں گے۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی چنانچہ جب کھجوریں پک جاتیں اور غلہ تیار ہو جاتا حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیج دیتے وہ کھجوروں اور اناجوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتے اور یہودیوں سے فرماتے کہ اس میں سے جو حصہ تم کو پسند ہو وہ لے لو۔ یہودی اس عدل پر حیران ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ہی عدل سے قائم ہیں۔

(فتوح البلدان بلاذری ص 27 فتح خیبر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ خیبر فتح ہو جانے کے بعد یہودیوں سے حضور ﷺ نے اس طور پر صلح فرمائی کہ یہودی اپنا سونا چاندی ہتھیار سب مسلمانوں کے سپرد کر دیں اور جانوروں پر جو کچھ لدا ہوا ہے وہ یہودی اپنے پاس ہی رکھیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہودی کوئی چیز مسلمانوں سے نہ چھپائیں مگر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود حیی بن اخطب کا وہ چرمی تھیلا یہودیوں نے غائب کر دیا جس میں بنو نضیر سے جلاوطنی کے وقت وہ سونا چاندی بھر کر لایا تھا۔ جب یہودیوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو وہ جھوٹ بولے اور کہا کہ وہ ساری رقم لڑائیوں میں خرچ ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول ﷺ کو بتا دیا کہ وہ تھیلا کہاں ہے؟ چنانچہ مسلمانوں نے اس تھیلے کو برآمد کر لیا۔ اس کے بعد (چونکہ کنانہ بن ابی الحقیق نے حضرت محمود بن مسلمہ کو چھت سے پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا) اس لئے حضور ﷺ نے اس کو قصاص میں قتل کرا دیا اور اس کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 245 و ابو داؤد ج 2، ص 424 باب ما جاء فی ارض خیبر)

حضرت صفیہ کا نکاح:

قیدیوں میں حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ بنو نضیر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنو نضیر کا رئیس اعظم تھا۔ جب سب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت فرمائیے۔ آپ نے ان کو اختیار دے دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ بعض صحابہ نے اس پر گزارش کی کہ یارسول اللہ!

أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّـةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ النَّضِيْرِ لاَ تَصْلُحُ اِلاَّ لَکَ۔ (ابو داؤد ج 2، ص 430 باب ما جاء فی سھم الصفی)

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ نے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کر دیا۔ وہ قریظہ اور بنو نضیر کی رئیسہ ہے آپ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں۔

یہ سن کر آپ نے حضرت دحیہ کلبی اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور حضرت

وحیہ سے فرمایا کہ تم اس کے سوا کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ اس کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے آپ نے ان سے نکاح فرمالیا اور تین دن تک منزل صہبا میں ان کو اپنے قیمہ میں سرفراز فرمایا اور صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ کھلایا۔ (بخاری جلد 1، ص 298 باب ھل یسا فربا لجاریہ و بخاری جلد 2، ص 761 باب اتخاذ ذاالسراری و مسلم جلد 1، ص 458 باب فضل اعتاق امتہ)

حضور کو زہر دیا گیا:

فتح کے بعد چند روز حضور ﷺ خیبر میں ٹھہرے یہودیوں کو مکمل امن و امان عطاء فرمایا اور قسم قسم کی نوازشوں سے نوازا مگر اس بد باطن قوم کی فطرت میں اس قدر خباثت بھری ہوئی تھی کہ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی "زینب" نے حضور ﷺ کی دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ خدا کے حکم سے گوشت کی بوٹی نے آپ کو زہر کی خبر دی اور آپ نے ایک ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ایک صحابی حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ نے شکم سیر کھا لیا اور زہر کے اثر سے ان کی شہادت ہوگئی اور حضور ﷺ کو بھی اس زہریلے لقمہ سے عمر بھر تابو میں تکلیف رہی۔ آپ نے جب یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان ظالموں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور کہا کہ ہم نے اس نیت سے آپ کو زہر کھلایا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ پر اس زہر کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ ورنہ ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ آپ نے اپنی ذات کے لئے تو کبھی کسی سے انتقام لیا ہی نہیں اس لئے آپ نے زینب کو کچھ بھی نہیں فرمایا۔ مگر جب حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ کی اسی زہر سے وفات ہوگئی تو ان کے قصاص میں زینب قتل کی گئی۔ (بخاری ج 2، ص 242 و مدارج جلد 2، ص 251)

حضرت جعفر حبشہ سے آگئے:

حضور ﷺ فتح خیبر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے آگئے۔ حضور ﷺ نے فرط محبت سے ان کی پیشانی چوم لی اور ارشاد فرمایا کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر کے آنے سے۔ (زرقانی ج 2، ص

(246

ان لوگوں کو حضور ﷺ نے ''صاحب الہجرتین'' (دو ہجرتوں والے) کا لقب عطاء فرمایا کیونکہ یہ لوگ مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے۔ پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور باوجود یہ کہ یہ لوگ جنگ خیبر میں شامل نہ ہو سکے مگر ان لوگوں کو آپ نے مال غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا۔

خیبر میں اعلان مسائل:

جنگ خیبر کے موقع پر مندرجہ ذیل فقہی مسائل کی حضور ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

1. پنجہ دار پرندوں کو حرام فرمایا۔
2. تمام درندہ جانوروں کی حرمت کا اعلان فرما دیا۔
3. گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔
4. چاندی سونے کی خرید و فروخت میں کمی بیشی کے ساتھ خریدنے اور بیچنے کو حرام فرمایا اور حکم دیا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے اور سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچنا ضروری ہے اگر کمی بیشی ہوگی تو وہ سود ہوگا جو حرام ہے۔
5. اب تک یہ حکم تھا کہ لونڈیوں سے ہاتھ آتے ہی صحبت کرنا جائز تھا لیکن اب ''استبرائ'' ضروری قرار دے دیا گیا یعنی اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ورنہ ایک مہینہ ان سے صحبت جائز نہیں ''عورتوں سے متعہ کرنا بھی اسی غزوہ میں حرام کر دیا گیا۔'' (زرقانی ج 2، ص 233 تا 238)

وادی القری کی جنگ:

خیبر کی لڑائی سے فارغ ہو کر حضور اکرم ﷺ ''وادی القریٰ'' تشریف لے گئے جو مقام ''تیمائ'' اور ''فدک'' کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں یہودیوں کی چند بستیاں آباد تھیں۔ حضور ﷺ جنگ کے ارادہ سے یہاں نہیں آئے تھے مگر یہاں کے یہودی چونکہ جنگ کے لئے تیار تھے اس لئے انہوں نے حضور ﷺ پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کے ایک غلام جن کا نام حضرت مدعم رضی اللہ عنہ تھا یہ اونٹ کا کجاوہ اتار رہے کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جس کا جواب ان بدبختوں نے تیر و تلوار سے دیا اور باقاعدہ صف

بندی کر کے مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مجبوراً مسلمانوں نے بھی جنگ شروع کر دی، چار دن تک نبی اکرم ﷺ ان یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر یہ لوگ برابر لڑتے ہی رہے آخر دس یہودی قتل ہو گئے اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد اہل خیبر کی شرطوں پر ان لوگوں نے بھی صلح کر لی کہ مقامی پیداوار کا آدھا حصہ مدینہ بھیجتے رہیں گے۔

جب خیبر اور وادی القریٰ کے یہودیوں کا حال معلوم ہو گیا تو ''تیمائ'' کے یہودیوں نے بھی جزیہ دے کر حضور ﷺ سے صلح کر لی۔ وادی القریٰ میں حضور ﷺ چار دن مقیم رہے۔ (مدارج النبوۃ ج 2،ص 262 و زرقانی ج 2،ص 248)

فدک کی صلح:

جب ''فدک'' کے یہودیوں کو خیبر اور وادی القریٰ کے معاملہ کی اطلاع ملی تو ان لوگوں نے کوئی جنگ نہیں کی بلکہ دربار نبوت میں قاصد بھیج کر یہ درخواست کی کہ خیبر اور وادی القریٰ والوں سے جن شرطوں پر آپ نے صلح کی ہے اسی طرح کے معاملہ پر ہم سے بھی صلح کر لی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور ان سے صلح ہو گئی لیکن یہاں چونکہ کوئی فوج نہیں بھیجی گئی اس لئے اس بستی میں مجاہدین کو کوئی حصہ نہیں ملا بلکہ یہ خاص حضور ﷺ کی ملکیت قرار پائی اور خیبر اور وادی القریٰ کی زمینیں تمام مجاہدین کی ملکیت ٹھہریں۔ (زرقانی ج 2،ص 248)

عمرۃ القضاء:

چونکہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ آئندہ سال حضور ﷺ مکہ آ کر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن مکہ میں ٹھہریں گے اس دفعہ کے مطابق ماہ ذوالقعدہ 7ھ میں آپ نے عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ روانہ ہونے کا عزم فرمایا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ گزشتہ سال حدیبیہ میں شریک تھے وہ سب میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو جنگ خیبر میں شہید ہوئے یا وفات پا چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

حضور ﷺ کو چونکہ کفار مکہ پر بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے عہدہ کو پورا کریں گے اس لئے آپ جنگ کی پوری تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بوقت روانگی حضرت ابورہم غفاری

رضی اللہ عنہ کو آپ نے مدینہ پر حاکم بنا دیا اور دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ جن میں ایک سو گھوڑوں پر سوار تھے۔ آپ مکہ کے لئے روانہ ہوئے ساٹھ اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے جب کفار مکہ کو خبر لگی کہ حضور ﷺ ہتھیاروں اور سامان جنگ کے ساتھ مکہ آرہے ہیں تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے چند آدمیوں کو صورت حال کی تحقیقات کے لئے ''مرالظہر ان'' تک بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو اسپ سواروں کے افسر تھے قریش کے قاصدوں نے ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے اطمینان دلایا کہ نبی ﷺ صلح نامہ کی شرط کے مطابق بغیر ہتھیار کے مکہ میں داخل ہوں گے یہ سن کر کفار قریش مطمئن ہو گئے۔

چنانچہ حضور ﷺ جب مقام ''یاجج'' میں پہنچے جو مکہ سے آٹھ میل دور ہے تو تمام ہتھیاروں کو اس جگہ رکھ دیا اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں چند صحابہ کرام کو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لئے متعین فرما دیا اور اپنے ساتھ ایک تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں رکھا اور صحابہ کرام کے مجمع کے ساتھ ''لبیک'' پڑھتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے جب مکہ میں داخل ہونے لگے تو دربار نبوت کے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے رجز کے یہ اشعار جوش و خروش کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے کہ ؎

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ
اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

ترجمہ: اے کافروں کے بیٹو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج جو تم نے اترے سے روکا تو ہم تلوار چلائیں گے۔

ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ
وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

ترجمہ: ہم تلوار کا ایسا وار کریں گے جو سر کو اس کی خواب گاہ سے الگ کر دے اور دوست کی یاد اس کے دوست کے دل سے بھلا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا اے عبداللہ بن رواحہ! رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ

اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ یہ اشعار کفار کے حق میں تیروں سے بڑھ کر ہیں۔

(شمائل ترمذی ص 17 و زرقانی جلد 2، ص 255 تا 257)

جب رسول اکرم ﷺ خاص حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو کچھ کفار قریش مارے جلن کے ان منظر کی تاب نہ لا سکے اور پہاڑوں پر چلے گئے مگر کچھ کفار اپنے دارالندوہ (کمیٹی گھر) کے پاس کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بادۂ توحید و رسالت سے مست ہونے والے مسلمانوں کے طواف کا نظارہ کرنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان بھلا کیا طواف کریں گے؟ ان کو بھوک اور مدینہ کے بخار نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ حضور ﷺ نے مسجد حرام میں پہنچ کر ''اضطباع'' کر لیا یعنی چادر کو اس طرح اوڑھ لیا کہ آپ کا داہنا شانہ اور بازو کھل گیا اور آپ نے فرمایا کہ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو ان کفار کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ شروع کے تین پھیروں میں شانوں کو ہلا ہلا کر اور خوب اکڑتے ہوئے چل کر طواف کیا۔ اس کو عربی زبان میں ''رمل'' کہتے ہیں چنانچہ یہ سنت آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی کہ ہر طواف کعبہ کرنے والا شروع طواف کے تین پھیروں میں ''رمل'' کرتا ہے۔ (بخاری جلد 1، ص 218 باب کیف کان بدء الرمل)

حضرت حمزہ کی صاحبزادی:

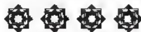
تین دن کے بعد کفار مکہ کے چند سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ شرط پوری ہو چکی اب آپ لوگ مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں کفار کا پیغام سنایا تو آپ اسی وقت مکہ سے روانہ ہو گئے چلتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک چھوٹی صاحبزادی جن کا نام ''امامہ'' تھا۔ حضور ﷺ کو چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔ حضور ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی یہ یتیم چھوٹی بچی مکہ میں رہ گئی تھیں۔ جس وقت یہ بچی آپ کو پکارتی ہوئی دوڑی آئیں تو حضور ﷺ کو اپنے شہید چچا جان کی اس یادگار کو دیکھ کر پیار آ گیا۔ اس بچی نے آپ کو بھائی جان کہنے کی بجائے چچا جان اس رشتہ سے کہا کہ آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضائی بھائی ہیں کیونکہ آپ نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے

حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا جب یہ صاحبزادی قریب آئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو اپنی گود میں اٹھا لیا تھا لیکن ان کی پرورش کے لئے تین دعویٰ دار کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ یارسول اللہ! ﷺ یہ میری چچا زاد بہن ہے اور میں نے اس کو سب سے پہلے اپنی گود میں اٹھا لیا ہے اس لئے مجھ کو اس کی پرورش کا حق ملنا چاہئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ یہ میرے دینی بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی ہے اس لئے میں اس کی پرورش کروں گا۔ تینوں صاحبان کا بیان سن کر حضور ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ''خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے'' لہٰذا یہ لڑکی حضرت جعفر کی پرورش میں رہے گی پھر تینوں صاحبوں کی دلداری و دل جوئی کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں'' اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''اے جعفر! تم سیرت وصورت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ اے زید! تم میرے بھائی اور میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام ہو)''۔

(بخاری جلد 2، ص 610 عمرۃ القضاءٰ)

حضرت میمونہ کا نکاح:

اسی عمرۃ القضاء کے سفر میں حضور ﷺ نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ کی چچی ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ عمرۃ القضاء سے واپسی میں جب آپ مقام ''سرف'' میں پہنچے تو ان کو اپنے خیمہ میں رکھ کر صحبت سے سرفراز فرمایا اور عجیب اتفاق کہ اس واقعہ سے چوالیس برس کے بعد اسی مقام ''سرف'' میں حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور ان کی قبر شریف بھی اسی مقام میں ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ ان کی وفات کا سال 51ھ ہے۔ مفصل بیان انشاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گا۔



باب نمبر:13

ہجرت کا آٹھواں سال

ہجرت کا آٹھواں سال بھی حضور سرور کائنات ﷺ کی مقدس حیات کے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے۔ ہم ان میں سے یہاں چند اہمیت وشہرت والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جنگِ موتہ:

''موتہ'' ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں 8ھ میں کفر و اسلام کا وہ عظیم الشان معرکہ ہوا جس میں ایک لاکھ لشکر کفار سے صرف تین ہزار جان نثار مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسی معرکہ آرائی کی کہ یہ لڑائی تاریخ اسلام میں ایک تاریخی یادگار بن کر قیامت تک باقی رہے گی اور اس جنگ میں صحابہ کرام کی بڑی بڑی اولوالعزم ہستیاں شرفِ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔

اس جنگ کا سبب:

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے ''بصریٰ'' کے بادشاہ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا کر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ راستہ میں ''بلقاء'' کے بادشاہ شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کا باج گزار تھا۔ حضور ﷺ کے اس قاصد کو نہایت بیدردی کے ساتھ رسی میں باندھ کر قتل کر دیا جب بارگاہِ رسالت میں اس حادثہ کی اطلاع پہنچی تو قلب مبارک پر انتہائی رنج وصدمہ پہنچا۔ اس وقت آپ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے سفید رنگ کا جھنڈا باندھ کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور ان کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر سپہ سالار ہوں گے اور جب وہ بھی شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو اس جھنڈے کے علمبردار حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوں گے (رضی اللہ عنہم) ان کے بعد لشکر اسلام جس کو منتخب کرے وہ سپہ سالار ہوگا۔

اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے خود حضور ﷺ مقام ''ثنیۃ الوداع'' تک تشریف لے گئے اور لشکر کے سپہ سالار کو حکم فرمایا کہ تم ہمارے قاصد حضرت حارث بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت گاہ میں جاؤ جہاں اس جاں نثار نے ادائے فرض میں اپنی جان دی ہے۔ پہلے وہاں کے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو پھر وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں ورنہ تم اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جہاد کرو۔ جب لشکر چل پڑا تو مسلمانوں نے بلند آواز سے یہ دعا دی کہ اللہ سلامت اور کامیاب واپس لائے۔

جب یہ فوج مدینہ سے کچھ دور آگے نکل گئی تو خبر ملی کہ خود قیصر روم مشرکین کی ایک لاکھ فوج لے کر بلقاء کی سرزمین میں خیمہ زن ہو گیا ہے۔ یہ خبر پا کر امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دے دیا اور ارادہ کیا کہ بارگاہ رسالت میں اس کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد فتح یا مال غنیمت نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلوب تو شہادت ہے۔ کیونکہ ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!

اور یہ مقصد بلند ہر وقت اور ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر ہر مجاہد جوشِ جہاد میں بے خود ہو گیا اور سب کی زبان پر یہی ترانہ تھا کہ ؎

بڑھتے چلو مجاہدو، بڑھتے چلو مجاہدو

غرض یہ مجاہدینِ اسلام موتہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ واقعی ایک بہت بڑا لشکر ریشمی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے بے پناہ تیاریوں کے ساتھ جنگ کے لئے کھڑا ہے۔ ایک لاکھ سے زائد لشکر کا بھلا تین ہزار سے مقابلہ ہی کیا؟ مگر مسلمان اللہ کے بھروسا پر مقابلہ کے لئے ڈٹ گئے۔

معرکہ آرائی کا منظر:

سب سے پہلے مسلمانوں کے امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کفار کے لشکر کو اسلام کی دعوت دی۔ جس کا جواب کفار نے تیروں کی مار اور تلواروں کے وار سے دیا۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمان بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور لشکرِ اسلام کے سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر کر پاپیادہ میدانِ جنگ میں کود پڑے اور مسلمانوں نے بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا لیکن اس گھمسان کی لڑائی میں کافروں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں اور برچھیوں سے چھید ڈالا اور وہ جوانمردی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے فوراً ہی جھپٹ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پرچمِ اسلام کو اٹھا لیا۔ مگر ان کو ایک رومی مشرک نے ایسی تلوار ماری کہ یہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ ان کے بدن پر نیزوں اور تلواروں کے نوے سے کچھ زائد زخم تھے۔ لیکن کوئی زخم ان کی پیٹھ کے پیچھے نہیں لگا تھا۔ بلکہ سب کے سب زخم سامنے ہی کی جانب لگے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علمِ اسلام ہاتھ میں لیا۔ فوراً ہی ان کے چچا زاد بھائی نے گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی پیش کی اور عرض کیا کہ بھائی جان! آپ نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو کھا لیجئے۔ آپ نے ایک ہی مرتبہ دانت سے نوچ کر کھایا تھا کہ کفار کا بے پناہ ہجوم آپ پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے ہڈی پھینک دی اور تلوار نکال کر دشمنوں کے

نرغہ میں گھس کر رجز کے اشعار پڑھتے ہوئے انتہائی دلیری اور جاں بازی کے ساتھ لڑنے لگے مگر زخموں سے نڈھال ہوکر زمین پر گر پڑے اور شربت شہادت سے سیراب ہو گئے۔

(بخاری ج 2،ص 611 غزوہ موتہ زرقانی جلد 2،ص 271 تا 274)

اب لوگوں کے مشورہ سے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جھنڈے کے علمبردار بنے اور اس قدر شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ نوتلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ سے گر پڑیں اور اپنی جنگی مہارت اور کمال ہنر مندی سے اسلامی فوج کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے۔

(بخاری جلد 2،ص 611 غزوہ موتہ)

اس جنگ میں جو بارہ معزز صحابہ کرام شہید ہوئے ان کے مقدس نام یہ ہیں۔

i- حضرت زید بن حارثہ　ii- حضرت جعفر بن ابی طالب

iii- حضرت عبداللہ بن رواحہ　iv- حضرت مسعود بن اوس

v- حضرت وہب بن سعد　vi- حضرت عباد بن قیس

vii- حضرت حارث بن نعمان　viii- حضرت سراقہ بن عمر

ix- حضرت ابوکلیب بن عمر　x- حضرت جابر بن عمر

xi- حضرت عمر بن سعد　xii- ہوبجہ ضبی (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(زرقانی جلد 2،ص 273)

اسلامی لشکر نے بہت سے کفار کو قتل کیا اور کچھ مال غنیمت بھی حاصل کیا اور سلامتی کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

نگاہ نبوت کا معجزہ:

جنگ موتہ کی معرکہ آرائی میں جب گھمسان کا رن پڑا تو حضور اقدس ﷺ نے مدینہ سے میدان جنگ کو دیکھ لیا اور آپ کی نگاہوں سے تمام حجابات اس طرح اٹھ گئے کہ میدان جنگ کی ایک ایک سرگزشت کو آپ کی نگاہ نبوت نے دیکھا۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت زید اور حضرت جعفر و حضرت عبداللہ بن واحہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں کی خبر آپ نے میدان جنگ سے خبر آنے سے قبل ہی اپنے اصحاب کو سنا دی۔

چنانچہ آپ نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا کہ زید نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ علمبردار بنے اور وہ بھی شہید ہو گئے یہاں تک کہ جھنڈے کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کو یہ خبریں سناتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری جلد 2، ص 611 غزوۂ موتہ)

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ کی خبر لے کر دربارِ نبوت میں پہنچے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے وہاں کی خبر سناؤ گے؟ یا میں تمہیں وہاں کی خبر سناؤں۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہنے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ آپ ہی سنایئے جب آپ نے وہاں کا پورا پورا حال و ماحول سنایا تو حضرت یعلیٰ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں بیان کروں۔ (زرقانی جلد 2، ص 276)

حضرت جعفر شہید رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل کاجل سے آراستہ کر کے آٹا گوندھ لیا تھا کہ بچوں کے لئے روٹیاں پکاؤں کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے سامنے لاؤ جب میں نے بچوں کو پیش کیا تو آپ بچوں کو سونگھنے اور چومنے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار رخسار انوار پر بہنے لگی تو میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں! وہ لوگ آج ہی شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر میری چیخ نکل گئی اور میرا گھر عورتوں سے بھر گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ اپنے کاشانہ نبوت میں تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کراؤ۔ (زرقانی جلد 2، ص 277)

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ کے مسلمان اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی دوڑتے ہوئے مجاہدین اسلام کی ملاقات

کے لئے گئے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ کے شہداء کرام کا ایسا پردرد مرثیہ سنایا کہ تمام سامعین رونے لگے۔ (زرقانی جلد 2، ص 677)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ شہادت کے وقت کٹ کر گر پڑے تھے تو حضور ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو ان کے دونوں ہاتھوں کے بدلے دو بازو عطاء فرمائے ہیں جن سے اڑ اڑ کر وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ (زرقانی جلد 2، ص 274)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین" یعنی اے دو بازوؤں والے کے فرزند! تم پر سلام ہو۔

(بخاری جلد 2، ص 611 غزوۂ موتہ)

جنگ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان چند چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو حضور ﷺ نے کفار کی مداخلت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا۔ ان میں سے بعض لشکروں کے ساتھ کفار کا ٹکراؤ بھی ہوا۔ جن کا مفصل تذکرہ زرقانی و مدارج النبوۃ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے ان سریوں کے نام یہ ہیں۔

ذات السلاسل، سریۃ الخبط، سریہ ابو قتادہ (نجد) سریہ ابو قتادہ (خضم) مگر ان سریوں میں "سریۃ الخبط" زیادہ مشہور ہے۔ جس کا مختصر بیان یہ ہے۔

سریتہ الخبط:

اس سریہ کو حضرت امام بخاری نے "غزوہ سیف البحر" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رجب 8ھ میں حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے لشکر پر امیر بنا کر ساحل سمندر کی طرف روانہ فرمایا تا کہ یہ لوگ قبیلہ جہینہ کے کفار کی شرارتوں پر نظر رکھیں اس لشکر میں خوراک کی اس قدر کمی پڑ گئی کہ امیر لشکر مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور راشن میں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور لوگ بھوک سے بے چین ہو کر درختوں کے پتے کھانے لگے اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مورخین نے اس سریہ کا نام "سریہ الخبط" یا

''جیش الخبط'' رکھا ہے۔ ''خبط'' عربی زبان میں درخت کے پتوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ مجاہدین اسلام نے اس سریہ میں درختوں کے پتے کھا کر جان بچائی۔ اس لئے یہ سریۃ الخبط کے نام سے مشہور ہوگیا۔

ایک عجیب الخلقت مچھلی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو اس سفر میں تقریباً ایک مہینہ رہنا پڑا اور جب بھوک کی شدت سے ہم لوگ درختوں کے پتے کھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہمارے رزق کا یہ سامان پیدا فرما دیا کہ سمندر کی موجوں نے ایک اتنی بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی جو ایک پہاڑی کے مانند تھی چنانچہ تین سو صحابہ اٹھارہ دنوں تک اس مچھلی کا گوشت کھاتے رہے اور اس کی چربی اپنے بدن پر ملتے رہے اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر مدینہ تک لائے اور جب یہ لوگ بارگاہِ نبوت میں پہنچے اور حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے رزق کا سامان ہوا تھا۔ پھر آپ نے اس مچھلی کا گوشت طلب فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیاں زمین میں گاڑ کر کھڑی کر دیں تو کجاوہ بندھا ہوا اونٹ اس محراب کے اندر سے گزر گیا۔

(بخاری جلد 2، ص 625 غزوہ سیف البحر و زرقانی جلد 2، ص 280)

فتح مکہ

(رمضان مبارک 8ھ مطابق جنوری 630ئ)

رمضان 8ھ تاریخ نبوت کا نہایت ہی عظیم الشان عنوان ہے اور سیرت مقدسہ کا یہ وہ سنہرا باب ہے کہ جس کی آب و تاب سے ہر مومن کا قلب قیامت تک مسرتوں کا آفتاب بنا رہے گا کیونکہ تاجدار دو عالم ﷺ نے اس تاریخ سے آٹھ سال قبل انتہائی رنجیدگی کے عالم میں اپنے یارِ غار کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرما کر اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ دیا تھا اور مکہ سے نکلتے وقت اللہ کے مقدس گھر خانہ کعبہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ ''اے مکہ! اللہ کی قسم! تو

میری نگاہِ محبت میں تمام دنیا کے شہروں سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا لیکن آٹھ برس کے بعد یہی وہ مسرت خیز تاریخ ہے کہ آپ نے ایک فاتح اعظم کی شان وشوکت کے ساتھ اسی شہر مکہ میں نزول اجلال فرمایا اور کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر اپنے سجدوں کے جمال وجلال سے اللہ کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمایا''۔

لیکن ناظرین کے ذہنوں میں یہ سوال سر اٹھاتا ہوگا کہ جب کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں تحریر کیا جاچکا تھا کہ دس برس تک فریقین کے مابین کوئی جنگ نہ ہوئی تو پھر آخر وہ کونسا ایسا سبب نمودار ہو گیا کہ صلح نامہ کے فقط دو سال ہی بعد تاجدار دو عالم ﷺ کو اہل مکہ کے سامنے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش آگئی اور آپ ایک عظیم لشکر کے ساتھ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب کفار مکہ کی ''عہد شکنی'' اور حدیبیہ کے صلح نامہ سے غداری ہے۔

کفار قریش کی عہد شکنی:

صلح حدیبیہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک یہ شرط بھی درج تھی کہ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرلے اور جو حضرت محمد ﷺ سے معاہدہ کرنا چاہے وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرلے۔

چنانچہ اسی بنا پر قبیلہ بنی بکر نے قریش سے باہمی امداد کا معاہدہ کرلیا اور قبیلہ بنی خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے امداد باہمی کا معاہدہ کرلیا۔ یہ دونوں قبیلہ مکہ کے قریب ہی آباد تھے لیکن ان دونوں میں عرصہ دراز سے سخت عداوت اور مخالفت چلی آرہی تھی۔

ایک مدت سے تو کفار قریش اور دوسرے قبائل عرب کے کفار مسلمانوں سے جنگ کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہے تھے لیکن صلح حدیبیہ کی بدولت جب مسلمانوں کی جنگ سے کفار قریش اور دوسرے قبائل کفار کو اطمینان ملا تو قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ بنی خزاعہ سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینا چاہا اور اپنے حلیف کفار قریش سے مل کر بالکل اچانک طور پر قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس حملہ میں کفار قریش کے تمام

رؤساء یعنی عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن اُمیہ و سہیل بن عمرو وغیرہ بڑے بڑے سرداروں نے علانیہ بنی خزاعہ کو قتل کیا۔ بے چارے بنی خزاعہ اس خوفناک ظالمانہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی جان بچانے کے لئے حرم کعبہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ بنی بکر کے عوام نے تو حرم میں تلوار چلانے سے ہاتھ روک لیا اور حرم الٰہی کا احترام کیا۔ لیکن بنی بکر کا سردار ''نوفل'' اس قدر جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ حرم میں بھی بنی خزاعہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرتا رہا اور چلا چلا کر اپنی قوم کو للکارتا رہا کہ پھر یہ موقع کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا چنانچہ ان درندہ صفت خونخوار انسانوں نے حرم الٰہی کے احترام کو بھی خاک میں ملا دیا اور حرم کعبہ کے حدود میں نہایت ہی ظالمانہ طور پر بنی خزاعہ کا خون بہایا اور کفار قریش نے بھی اس قتل و غارت اور کشت و خون میں خوب خوب حصہ لیا۔ (زرقانی جلد 2، ص 289)

ظاہر ہے کہ قریش نے اپنی اس حرکت سے حدیبیہ کے معاہدہ کو عملی طور پر توڑ ڈالا۔ کیونکہ بنی خزاعہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کر کے آپ کے حلیف بن چکے تھے۔ اس لئے بنی خزاعہ پر حملہ کرنا، یہ رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے کے برابر تھا۔ اس حملہ میں بنی خزاعہ کے تئیس آدمی قتل ہو گئے۔

اس حادثہ کے بعد قبیلۂ بنی خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا وفد لے کر فریاد کرنے اور امداد طلب کرنے کے لئے مدینہ بارگاہ رسالت میں پہنچے اور یہی فتح مکہ کی تمہید ہوئی۔

تاجدار دو عالم سے استعانت:

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ کا شانہ نبوت میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک دم بالکل ناگہاں آپ نے بلند آواز سے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ لبیک، لبیک (میں تمہارے لئے حاضر ہوں) پھر تین مرتبہ بلند آواز سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نصرت، نصرت، نصرت (تمہیں مدد مل گئی) جب آپ وضو خانہ سے نکلے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تنہائی میں کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے میمونہ! غضب ہو گیا۔ میرے حلیف بنی خزاعہ پر بنی بکر اور کفار قریش نے حملہ کر دیا ہے اور اس مصیبت و بے کسی کے وقت میں بنی خزاعہ

نے وہاں سے چلا چلا کر مجھے مدد کے لئے پکارا ہے اور مجھ سے مدد طلب کی ہے اور میں نے ان کی پکار سن کر ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے ان کو جواب دیا ہے۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے تیسرے دن جب حضور اقدس ﷺ نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز سے فارغ ہوئے تو دفعتہ بنی خزاعہ کے مظلومین نے رجز کے ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا اور حضور اکرم ﷺ اور اصحاب کرام نے ان کی اس پر درد اور رقت انگیز فریاد کو بغور سنا۔ آپ بھی اس رجز کے چند اشعار کو ملاحظہ فرمایئے۔

يَارَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا
حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الْاَتْلَدَا

ترجمہ: اے اللہ! میں محمد ﷺ کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہو چکا ہے۔

فَانْصُرْ هَدٰكَ اللّٰهُ نَصْرًا اَبَدًا
وَادْعُ عِبَادَاللّٰهِ يَاْ تُوْمَدَدَا

ترجمہ: تو اللہ آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔ آپ ہماری بھرپور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو بلایئے۔ وہ سب امداد کے لئے آئیں گے۔

فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا
اِنْ سِيْمَ خَسْفًا وَجْهُهٗ تَرَبَّدَا

ترجمہ: ان مدد کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ بھی غضب کی حالت میں ہوں کہ اگر انہیں ذلت کا داغ لگے تو ان کا تیور بدل جائے۔

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا
وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّ سُجَّدَا

ترجمہ: ان لوگوں (بنی بکر و قریش) نے "مقام وتیر" میں ہم سوتے ہوؤں پر شب خون مارا اور رکوع و سجدہ کی حالت میں بھی ہم لوگوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

اِنَّ قُرَیْشًا اَخْلَفُوْکَ الْمُوْعِدَا
وَ نَقَضُوْا مِیْثَاقَکَ الْمُوَکَّدَا

ترجمہ: یقینا قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور آپ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے۔

ان اشعار کو سن کر حضور ﷺ نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ مت گھبراؤ میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں۔ (زرقانی جلد 2،ص 290)

حضور کی امن پسندی:

اس کے بعد حضور ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک شرط قریش منظور کر لیں۔

1. بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہادیا جائے۔
2. قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہوجائے۔
3. اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب حضور ﷺ کے قاصد نے ان شرطوں کو قریش کے سامنے رکھا تو قرطہ بن عبد عمرو نے قریش کا نمائندہ بن کر جواب دیا کہ ''نہ ہم مقتولوں کے خون کا معاوضہ دیں گے نہ اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی حمایت چھوڑیں گے۔ ہاں تیسری شرط ہمیں منظور ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا''۔ لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنے اس جواب پر ندامت ہوئی۔ چنانچہ چند رؤسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور یہ کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو پھر سمجھ لو کہ یقینا محمد ﷺ ہم پر حملہ کر دیں گے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میری بیوی ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مقام ''حجون'' سے مقام ''خندمہ'' تک ایک خون کی نہر بہتی ہوئی آئی ہے۔ پھر ناگہاں وہ خون غائب ہوگیا۔ قریش نے اس خواب کو بہت ہی منحوس سمجھا اور خوف و دہشت سے سہم گئے اور ابوسفیان پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً مدینہ جا کر معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرے۔ (زرقانی جلد 2، ص 292)

ابوسفیان کی کوشش:

اس کے بعد بہت تیزی کے ساتھ ابوسفیان مدینہ گیا اور پہلے اپنی لڑکی حضرت ام المومنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچا اور بستر پر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے بستر اٹھا لیا ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ بیٹی تم نے بستر کیوں اٹھا لیا؟ کیا بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھ کو بستر کے قابل نہیں سمجھا؟ ام المومنین نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور تم مشرک اور نجس ہو۔ اس لئے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھو۔ یہ سن کر ابوسفیان کے دل پر چوٹ لگی اور وہ رنجیدہ ہو کر وہاں سے چلا آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقصد بیان کیا۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس گیا۔ ان سب حضرات نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب ابوسفیان پہنچا تو وہاں حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ابوسفیان نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اے علی! تم قوم میں بہت ہی رحم دل ہو ہم ایک مقصد لے کر یہاں آئے ہیں کیا ہم یوں ہی ناکام چلے جائیں۔ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تم محمد ﷺ سے ہماری سفارش کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوسفیان! ہم لوگوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ارادہ اور ان کی مرضی میں کوئی مداخلت کر سکیں۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے فاطمہ! یہ تمہارا پانچ برس کا بچہ (امام حسن) ایک مرتبہ اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے دونوں فریق میں صلح کرا دی تو آج سے یہ بچہ عرب کا سردار کہہ کر پکارا جائے گا۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ بچوں کا اعلان معاملات میں کیا دخل؟ بالآخر ابوسفیان نے کہا کہ اے علی! معاملہ بہت کٹھن نظر آتا ہے کوئی تدبیر بتاؤ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں تم کو کوئی مفید رائے تو نہیں دے سکتا لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو تم خود ہی لوگوں کے سامنے اعلان کر دو کہ میں نے حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کر دی ابوسفیان نے کہا کہ کیا میرا یہ اعلان کچھ مفید ہو سکتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یک طرفہ اعلان ظاہر ہے کہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تمہارے پاس اس کے سوا اور کوئی

چارہ کار ہی کیا ہے؟ ابوسفیان وہاں سے مسجد نبوی میں آیا اور بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر دیا کہ میں نے ...... حدیبیہ کی تجدید کر دی مگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

ابوسفیان یہ اعلان کر کے مکہ روانہ ہو گیا جب مکہ پہنچا تو قریش نے پوچھا کہ مدینہ میں کیا ہوا؟ ابوسفیان نے ساری داستان بیان کر دی۔ تو قریش نے سوال کیا کہ جب تم نے اپنی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کیا تو کیا محمد ﷺ نے اس کو قبول کر لیا؟ ابوسفیان نے کہا کہ "نہیں" یہ سن کر قریش نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یہ نہ تو صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔

(زرقانی جلد 2،ص 292 تا 293)

اس کے بعد حضور ﷺ نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرما دیا کہ جنگ کے ہتھیار درست کریں اور اپنے حلیف قبائل کو جنگی تیاریوں کے لئے حکم نامہ بھیج دیا۔ مگر کسی کو حضور ﷺ نے یہ نہیں بتایا کہ کس سے جنگ کا ارادہ ہے؟ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ جنگی ہتھیار نکال رہی ہیں تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا حضور ﷺ نے حکم دیا ہے؟ عرض کیا "جی ہاں" پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "واللہ مجھے یہ معلوم نہیں"۔ (زرقانی جلد 2،ص 291)

غرض انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ حضور ﷺ نے جنگ کی تیاری فرمائی اور مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط:

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو ایک معزز صحابی تھے انہوں نے قریش کو ایک خط اس مضمون کا لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ۔ اس خط کو انہوں نے ایک عورت کے ذریعہ مکہ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطاء فرمایا تھا۔آپ نے اپنے اس علم غیب کی بدولت یہ جان لیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے کیا کارروائی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو فوراً ہی روانہ فرمایا کہ تم لوگ ''روضہء خاخ'' میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس سے وہ خط چھین کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ یہ تینوں اصحاب کبار تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر ''روضہء خاخ'' میں پہنچے اور عورت کو پالیا۔ جب اس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہہ سکتے۔ نہ ہم لوگ جھوٹے ہیں لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے ورنہ ہم تجھ کو ننگی کر کے تلاشی لیں گے۔ جب عورت مجبور ہو گئی تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔ جب یہ لوگ خط لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے تو آپ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں۔ نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے نہ مرتد ہوا ہوں میرے اس خط کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مکہ میں میرے بیوی بچے ہیں مگر مکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو میرے بیوی بچوں کی خبر گیری و نگہداشت کرے میرے سوا اور دوسرے مہاجرین کے عزیز و اقارب مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ خط لکھ کر قریش پر ایک اپنا ایک احسان رکھ دیا ہے تاکہ میں ان کی ہمدردی حاصل کرلوں اور وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ یا رسول اللہ ﷺ میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کافروں کو شکست دے گا اور میرے اس خط سے کفار کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو سن کر ان کے عذر کو قبول فرمالیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خط کو دیکھ کر اس قدر طیش میں آگئے کہ آپے سے باہر ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ دوسرے صحابہ کرام بھی غیظ و غضب سے بھر گئے۔ لیکن رحمت عالم ﷺ کی جبین رحمت پر اک ذرا شکن بھی نہیں آئی اور آپ نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تمہیں خبر نہیں کہ حاطب اہل بدر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرما دیا ہے کہ "تم جو چاہو کرو۔ تم سے کوئی مواخذہ نہیں" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ یہ کہہ کر بالکل خاموش ہو گئے کہ "اللہ اور اس کے رسول کو ہم سب سے زیادہ علم ہے" اسی موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ۔

(ممتحنہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

بہرحال حضور ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو معاف فرما دیا۔

(بخاری جلد 2، ص 612 غزوہ الفتح)

مکہ پر حملہ:

غرض 10 رمضان 8 ھ کو رسول اکرم ﷺ مدینہ سے دس ہزار کا لشکر پر انوار ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح مکہ میں آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار کا لشکر رہا ہو۔ پھر راستہ میں بعض قبائل اس لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو مکہ پہنچ کر اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی ہو۔ بہرحال مدینہ سے چلتے وقت حضور ﷺ اور تمام صحابہء کبار روزہ دار تھے جب آپ "مقام کدید" میں پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپ نے دن میں پانی نوش فرمایا اور سب کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے اصحاب نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔

(بخاری جلد 2، ص 613 و زرقانی جلد 2، ص 300 و سیرت ابن ہشام جلد 2، ص 400)

حضرت عباس وغیرہ سے ملاقات:

جب حضور ﷺ مقام "جحفہ" میں پہنچے تو وہاں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس

رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ مسلمان ہو کر آئے تھے بلکہ اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور حضور ﷺ کی مرضی سے مکہ میں مقیم تھے اور حجاج کو زمزم پلانے کے معزز عہدہ پر فائز تھے اور آپ کے ساتھ میں حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ جو ام المومنین حضرت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی بھی ہیں۔ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان دونوں صاحبوں کی حاضری کا حال جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان دونوں صاحبوں کی ملاقات سے انکار فرما دیا۔ کیونکہ ان دونوں نے حضور ﷺ کو بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی تھیں۔ خصوصاً ابوسفیان بن الحارث آپ کے چچا زاد بھائی جو اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے انتہائی جاں نثاروں میں سے تھے مگر اعلان نبوت کے بعد انہوں نے اپنے قصیدوں میں اتنی شرمناک اور بیہودہ ہجو حضور ﷺ کی کر ڈالی تھی کہ آپ کا دل زخمی ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ ان دونوں سے انتہائی ناراض و بیزار تھے مگر حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کا قصور معاف کرنے کے لئے بہت ہی پرزور سفارش کی اور ابوسفیان بن الحارث نے یہ کہہ دیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے میرا قصور نہ معاف فرمایا تو میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر عرب کے ریگستان میں چلا جاؤں گا تا کہ وہاں بغیر دانہ پانی کے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر میں اور میرے سب بچے مر کر فنا ہو جائیں۔ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی پھوپھی کا بیٹا تمام انسانوں سے زیادہ بدنصیب رہے گا؟ کیا ان دونوں کو آپ کی رحمت سے کوئی حصہ نہیں نصیب رہے گا؟ جان چھڑکنے والی بیوی کے ان دردانگیز کلمات سے رحمتہ اللعالمین کے رحمت بھرے دل میں رحم و کرم ان عفو و درگزر کے سمندر موجیں مارنے لگے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم دونوں اچانک بارگاہ رسالت میں جا کر کھڑے ہو جاؤ اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا وہی تم دونوں بھی کہو کہ

لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔

ترجمہ: کیا یقیناً آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دی ہے اور بلاشبہ خطا وار

ہیں۔

چنانچہ ان دونوں صاحبان نے دربار رسالت میں ناگہاں حاضر ہو کر یہی کہا ایک دم رحمت عالم ﷺ کی جبین رحمت پر رحم و کرم کے ہزاروں ستارے چمکنے لگے اور آپ نے ان کے جواب میں بعینہٖ وہی جملہ اپنی زبان رحمت نشان سے ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے جواب میں فرمایا تھا کہ

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔
(یوسف)

ترجمہ: آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اللہ تمہیں بخش دے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔

جب قصور معاف ہو گیا تو ابو سفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے تاجدارِ دو عالم ﷺ کی مدح میں اشعار لکھے اور زمانہ جاہلیت کے دور میں جو کچھ آپ کی ہجو میں لکھا تھا اس کی معذرت کی اور اس کے بعد عمر بھر نہایت سچے اور ثابت قدم مسلمان رہے مگر حیاء کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھاتے تھے اور حضور ﷺ بھی ان کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ابو سفیان بن الحارث میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام ثابت ہوں گے۔

(زرقانی ج 2، ص 301 تا 302 و سیرت ابن ہشام جلد 2، ص 400)

میلوں تک آگ ہی آگ:

مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ''مرالظہران'' میں پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور حضور ﷺ نے فوج کو حکم دیا کہ ہر مجاہد اپنا الگ الگ چولھا جلائے۔ دس ہزار مجاہدین نے جو الگ الگ چولھے جلائے تو ''مرالظہران'' کے پورے میدان میں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

قریش کے جاسوس:

گو قریش کو معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ سے فوجیں آ رہی ہیں۔ مگر صورت حال کی تحقیق کے لئے قریش نے ابو سفیان بن حرب حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء کو اپنا

جاسوس بنا کر بھیجا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بے حد فکر مند ہو کر قریش کے انجام پر افسوس کر رہے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اتنے عظیم لشکر کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس ارادہ سے مکہ چلے کہ قریش کو اس خطرہ سے آگاہ کر کے انہیں آمادہ کریں کہ چل کر حضور ﷺ سے معافی مانگ کر صلح کر لو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

(زرقانی جلد 2،ص 304)

مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ قریش کو یہ خبر مل گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں مگر انہیں یہ پتا نہ تھا کہ آپ کا لشکر "مرالظہران" تک آ گیا ہے۔ اس لئے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء اس تلاش و جستجو میں نکلے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر کہاں ہے؟ جب یہ تینوں مرالظہران کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلوں تک آگ ہی آگ جل رہی ہے یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران رہ گئے اور ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ میں نے تو زندگی میں کبھی اتنی دور تک پھیلی ہوئی آگ اس میدان میں جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔ آخر یہ کون سا قبیلہ ہے؟

بدیل بن ورقاء نے کہا کہ بنی خزاعہ معلوم ہوتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں بنی خزاعہ اتنی کثیر تعداد میں کہاں ہیں جو ان کی آگ سے مرالظہران کا پورا میدان بھر جائے گا۔

(بخاری جلد 2،ص 613)

بہر حال حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ان تینوں سے ملاقات ہو گئی اور ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اور یہ آگ کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کی آگ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم میرے خچر پر پیچھے سوار ہو جاؤ ورنہ اگر مسلمانوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ابھی تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ جب یہ لوگ لشکر گاہ میں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند مسلمانوں نے جو لشکر گاہ کا پہرہ دے رہے تھے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور ابوسفیان کو دیکھتے ہیں ان کی زبان سے نکلا کہ "ارے یہ تو اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے"۔ دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ ابوسفیان ہاتھ آ گیا ہے۔ اگر

اجازت ہوتو ابھی اس کا سر اڑا دوں۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ان تینوں مشرکوں کو ساتھ لئے ہوئے دربار رسول میں حاضر ہو گئے اور ان لوگوں کی جان بخشی کی سفارش پیش کر دی اور یہ کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے ان سبھوں کو امان دے دی ہے۔

ابوسفیان کا اسلام: ابوسفیان بن حرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ مکہ میں رسول کریم ﷺ کو سخت سے سخت ایذائیں دینی، مدینہ پر بار بار حملہ کرنا، قبائل عرب کو اشتعال دلا کر حضور ﷺ کے قتل کی بارہا سازشیں یہودیوں اور تمام کفار عرب سے ساز باز کر کے اسلام اور ربانی اسلام کے خاتمہ کی کوششیں یہ وہ ناقابل معافی جرائم تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کا قتل بالکل درست و جائز اور برمحل ہے لیکن رسول کریم جن کو قرآن نے "رؤف و رحیم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ان کی رحمت پکار پکار کر ابوسفیان کے کان میں کہہ رہی تھیں کہ اے مجرم! مت ڈر یہ دنیا کے سلاطین کا دربار نہیں ہے بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہ رحمت ہے بخاری شریف کی روایت تو یہی ہے کہ ابوسفیان بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے جان بچ گئی۔ (بخاری جلد 2، ص 613 باب این رکز النبی رایۃ)

مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نے تو فوراً رات ہی میں اسلام قبول کر لیا مگر ابوسفیان نے صبح کو کلمہ پڑھا۔ (زرقانی جلد 2، ص 304)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور ﷺ کے درمیان ایک مکالمہ ہوا اور اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ مکالمہ یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ : کیوں اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ اللہ ایک ہے۔

ابوسفیان : کیوں نہیں۔ کوئی اور اللہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ ﷺ : کیا اس میں تمہیں کوئی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابوسفیان : ہاں۔ اس میں تو ابھی مجھے کچھ شبہ ہے۔

مگر اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزم تھا لیکن

بعد میں بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے کفار سے جنگ کی اور اسی میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔ پھر یہ جنگ یرموک میں بھی جہاد کے لئے گئے۔

(سیرت ابن ہشام ج 2، ص 403 و زرقانی ج 2، ص 313)

لشکر اسلام کا جاہ و جلال:

مجاہدین اسلام کا لشکر جب مکہ کی طرف بڑھا تو حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ابوسفیان کو کسی ایسے مقام پر کھڑا کر دیں کہ یہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ چنانچہ جہاں راستہ کچھ تنگ تھا ایک بلند جگہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسلامی لشکر سمندر کی موجوں کی طرف اُمنڈتا ہوا روانہ ہوا اور قبائل عرب کی فوجیں ہتھیار سج سج کر یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے گزرنے لگیں۔ سب سے پہلے قبیلۂ غفار کا باوقار پرچم نظر آیا۔ ابوسفیان نے سہم کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ قبیلۂ غفار کے شہسوار ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے قبیلۂ غفار سے کیا مطلب ہے؟ پھر جہینہ پھر سعد بن ندیم، پھر سلیم کے قبائل کی فوجیں زرق برق ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے پرچم لہراتے اور تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے سامنے سے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر فوج کا جلال دیکھ کر مرعوب ہو جاتے تھے اور عباس رضی اللہ عنہ سے ہر فوج کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے کہ یہ کون ہیں؟ یہ کن لوگوں کا لشکر ہے؟ اس کے بعد انصار کا لشکر پر انوار اتنی عجیب شان اور ایسی نرالی آن بان سے چلا کہ دیکھنے والوں کے دل دہل گئے۔ ابوسفیان نے اس فوج کی شان و شوکت سے حیران ہو کر کہا کہ اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ''انصار'' ہیں ناگہاں انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لئے ہوئے ابوسفیان کے قریب سے گزرے اور جب ابوسفیان کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ اے ابوسفیان!

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَۃُ۔

ترجمہ: آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے۔ آج کعبہ میں خونریزی حلال کر دی جائے گی۔

ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! سن لو۔ آج قریش کی ہلاکت تمہیں مبارک ہو۔ پھر ابوسفیان کو چین نہیں آیا تو پوچھا کہ بہت دیر ہو گئی۔ ابھی تک میں نے محمد ﷺ کو نہیں دیکھا کہ وہ کون سے لشکر میں ہیں۔ اتنے میں حضور تاجدار دو عالم ﷺ پرچم نبوت کے سائے میں اپنے نورانی لشکر کے ہمراہ پیغمبرانہ جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ابوسفیان نے جب شہنشاہ کونین کو دیکھا تو چلا کر کہا کہ اے حضور! کیا آپ نے سنا؟ کہ سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان بولے کہ انہوں نے کہا ہے کہ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا۔ آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج تو کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے اتنی غلط بات کیوں کہہ دی آپ نے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ابوسفیان نے بارگاہِ رسول میں یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ ابھی ابھی سعد بن عبادہ یہ کہتے ہوئے گئے ہیں کہ

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃَ۔

ترجمہ: آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔

تو حضور ﷺ نے خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا۔ بلکہ اے ابوسفیان

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃَ۔

ترجمہ: آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔ (زرقانی جلد 2، ص 306)

پھر فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ بانی کعبہ کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے مکہ کی سرزمین میں نزول اجلال فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جھنڈا مقام ''حجون'' کے پاس گاڑا جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری فرمایا کہ وہ فوجوں کے ساتھ مکہ کے بالائی حصہ یعنی ''کدا'' کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔
(بخاری جلد 2، ص 613 باب این رکز النبی رایۃ وزرقانی جلد 2، ص 304 تا 306)

فاتح مکہ کا پہلا فرمان:

تاجدار دوعالم ﷺ نے مکہ کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان جاری فرمایا وہ یہ اعلان تھا کہ جس کے لفظ لفظ میں رحمتوں کے دریا موجیں مار رہے ہیں۔

''جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کے لئے امان ہے۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے گا اس کے لئے امان ہے۔ جو کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے''۔

اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ ابو سفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لئے کوئی ایسی امتیازی بات فرما دیجئے کہ اس کا سر فخر سے اونچا ہو جائے تو آپ نے فرمادیا کہ

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے''۔

اس کے بعد ابوسفیان مکہ میں بلند آواز سے پکار پکار کر اعلان کرنے لگا کہ اے قریش! محمد ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں کہ اس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں ہے جو ابوسفیان کے گھر میں داخ ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔ ابو سفیان کی زبان سے یہ کم ہمتی کی بات سن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ جل بھن کر کباب ہوگئی اور طیش میں آ کر ابوسفیان کی مونچھ پکڑ لی اور چلا کر کہنے لگی کہ اے بنی کنانہ اس کم بخت کو قتل کر دو یہ کیسی بزدلی اور کم ہمتی کی بات بک رہا ہے۔ ہند کی اس چیخ و پکار کی آواز سن کر تمام بنو کنانہ کا خاندان ابوسفیان کے مکان میں جمع ہو گیا اور ابوسفیان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس وقت غصہ اور طیش کی باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا میں پورے اسلامی لشکر کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر آیا ہوں اور میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ہم لوگوں سے محمد ﷺ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خیریت ہے کہ انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ جو ابوسفیان کے مکان میں چلا جائے اس کے لئے امان ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ لوگ میرے مکان میں آ کر پناہ لے لیں۔ ابوسفیان کے خاندان والوں نے کہا تیرے مکان میں بھلا کتنے انسان آسکیں گے؟ ابوسفیان نے بتایا کہ محمد ﷺ نے ان لوگوں کو بھی امان دے دی ہے جو اپنے دروازے بند کر لیں، یا مسجد حرام میں داخل ہو جائیں، یا ہتھیار ڈال دیں۔ ابوسفیان کا یہ بیان سن کر کوئی ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا۔ کوئی مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ کوئی اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

(زرقانی جلد 2،ص 213)

حضور ﷺ کے اس اعلان رحمت نشان یعنی مکمل امن و امان کا فرمان جاری کر دینے کے بعد ایک قطرہ خون بہنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔لیکن عکرمہ بن ابوجہل و صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو اور جماش بن قیش نے مقام ''خندمہ'' میں مختلف قبائل کے اوباش کو جمع کیا تھا۔ان لوگوں نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی فوج سے دو آدمیوں حضرت کرز بن جابر فہری اور حبیش بن اشعر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا اور اسلامی لشکر پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ بخاری کی روایت میں انہی دو حضرات کی شہادت کا ذکر ہے مگر زرقانی وغیرہ کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ تین صحابہ کرام کو کفار قریش نے قتل کر دیا۔ دو وہ جو اوپر ذکر کئے گئے اور ایک حضرت سلمہ بن المیلا رضی اللہ عنہ اور بارہ یا تیرہ کفار بھی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

(بخاری جلد 2،ص 613 و زرقانی جلد 2،ص 310)

حضور ﷺ نے جب دیکھا کہ تلواریں چمک رہی ہیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ میں نے تو خالد بن الولید کو جنگ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر یہ تلواریں کیسی چل رہی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پہل کفار کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس لیے لڑنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ قضاء الٰہی یہی تھی اور اللہ نے جو چاہا وہی بہتر ہے۔ (زرقانی جلد 2،ص 310)

تاجدار دو عالم کا مکہ میں داخلہ:

حضور ﷺ جب فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہونے لگے تو آپ اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار تھے۔ ایک سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور بخاری میں ہے کہ آپ کے سر پر ''مغفر'' تھا۔ آپ کے ایک جانب حضرت ابوبکر صدیق اور دوسری جانب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تھے اور آپ کے چاروں طرف جوش میں بھرا ہوا اور ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا جس کے درمیان کوکبۂ نبوی تھا اس شان و شوکت کو دیکھ کر ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! تمہارا بھتیجا تو بادشاہ ہو گیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تیرا برا ہو اے ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں ہے بلکہ یہ ''نبوت'' ہے۔ اس شاہانہ جلوس کے جاہ و جلال کے باوجود شہنشاہ

رسالت کی شان تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے اس طرح سر جھکائے ہوئے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگ جاتا تھا۔ آپ کی یہ کیفیت تواضع اللہ تعالیٰ قدوس کا شکر ادا کرنے اور اس کی بارگاہ عظمت میں اپنے عجز و نیاز مندی کا اظہار کرنے کے لئے تھی۔

(زرقانی جلد 2، ص 321,320)

مکہ میں حضور کی قیام گاہ:

بخاری کی روایت ہے کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں غسل فرمایا پھر آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔ یہ نماز بہت ہی مختصر طور پر ادا فرمائی لیکن رکوع و سجدہ مکمل طور پر ادا فرماتے رہے۔ (بخاری جلد 2، ص 615 باب منزل النبی یوم الفتح)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے حضرت بی بی ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرم دامنگیر ہوتی ہے کہ اس کو آپ کے سامنے پیش کردوں۔ ارشاد فرمایا کہ ''لاؤ'' پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے ان خشک روٹیوں کو توڑا اور پانی میں بھگو کر نرم کیا اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ان روٹیوں کے سالن کے لئے نمک پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی سالن ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''سرکہ'' لاؤ۔ آپ نے سرکہ کو روٹی پر ڈالا اور کھا کر اللہ کا شکر بجالائے پھر فرمایا کہ ''سرکہ بہترین سالن ہے'' اور جس گھر میں سرکہ ہوگا اس گھر والے محتاج نہ ہوں گے۔ پھر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ علیہ وسلم! میں نے حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی) اور زہیر بن امیہ کو امن دے دی ہے۔ لیکن میرے بھائی حضرت علی ان دونوں کو اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت خالد بن الولید کی فوج سے جنگ کی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ام ہانی! جس کو تم نے امان دے دی اس کے لئے ہماری طرف سے بھی امان ہے۔

(زرقانی جلد 2، ص 326)

بیت اللہ میں داخلہ:

حضور ﷺ کا جھنڈا ''حجون'' میں جس کو آج کل جنۃ المعلی کہتے ہیں۔ ''مسجد الفتح'' کے قریب میں گاڑا گیا پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور حضرت اسامہ بن زید کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ حجبی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے مسجد حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور کعبہ کا طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ (بخاری جلد 2، ص 614 وغیرہ)

یہ انقلاب زمانہ کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا لقب ''بت شکن'' ہے۔ ان کی یادگار خانہ کعبہ کے اندرون حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی۔ فاتح مکہ ﷺ کا حضرت خلیل کا جانشین جلیل ہونے کی حیثیت سے فرض اولین تھا کہ یادگار خلیل کو بتوں کی نجس اور گندی آلائشوں سے پاک کریں۔ چنانچہ آپ خود بہ نفس نفیس ایک چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو چھڑی کی نوک سے ٹھونکے مار مار کر گراتے جاتے تھے اور جاء الحق و زھق الناطل۔ ان الباطل کان زھوقا کی آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے، یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔ (بخاری جلد 2، ص 614 فتح مکہ وغیرہ)

پھر ان بتوں کو جو عین کعبہ کے اندر تھے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ وہ سب نکالے جائیں۔ چنانچہ وہ سب بت نکال باہر کئے گئے۔ انہی بتوں میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مار ڈالے۔ ان کافروں کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال نہیں کھولا۔ جب تک ایک ایک بت کعبہ کے اندر سے نہ نکل گیا۔ آپ نے کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھا جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہو گیا تو آپ اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی اس کے بعد باہر

تشریف لائے۔ (بخاری جلد 1، ص 218 باب من کبر فی نواحی الکعبۃ و بخاری جلد 2، ص 614 فتح مکہ وغیرہ)

کعبہ مقدسہ کے اندر سے جب آپ باہر نکلے تو عثمان بن طلحہ کو بلا کر کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں عطاء فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ

خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا یَنْزِعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ۔

ترجمہ: لو یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم لوگوں میں رہے گی یہ کنجی تم سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔ (زرقانی جلد 2، ص 239)

شہنشاہ رسالت کا دربار عام:

اس کے بعد تاجدار دو عالم ﷺ نے شہنشاہ اسلام کی حیثیت سے حرم الٰہی میں سب سے پہلا دربار عام منعقد فرمایا جس میں افواج اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے خواص و عوام کا ایک زبردست ازدھام تھا۔ اس شہنشاہی خطبہ میں آپ نے صرف اہل مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم سے خطاب فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ

"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے (حضور علیہ السلام) کی مدد کی اور کفار کے تمام لشکروں کو تنہا شکست دے دی۔ تمام فخر کی باتیں تمام پرانے خونوں کا بدلہ۔ تمام پرانے خون بہا اور جاہلیت کی رسمیں سب میرے پیروں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا یہ دو اعزاز اس سے مستثنٰی ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور خاندانوں کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں"۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے لئے قبیلے اور خاندان بنا دیئے تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو لیکن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ بے شک اللہ نے شراب کی خرید و فروخت کو حرام فرما دیا ہے''۔

(سیرب ابن ہشام جلد 2، ص 412 مختصراً و بخاری وغیرہ)

کفارِ مکہ سے خطاب:

اس کے بعد شہنشاہِ کونین ﷺ نے اس ہزاروں کے مجمع میں ایک گہری نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ سر جھکائے، نگاہیں نیچی کئے ہوئے لرزاں و ترساں اشرافِ قریش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان ظالموں اور جفا کاروں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستوں میں کانٹے بچھائے تھے وہ لوگ بھی تھے جو بار ہا آپ پر پتھروں کی بارش کر چکے تھے وہ خونخوار بھی تھے۔ جنہوں نے بار بار آپ پر قاتلانہ حملے کئے تھے وہ بے رحم و بے درد بھی تھے۔ جنہوں نے آپ کے دندان مبارک شہید اور آپ کے چہرۂ انور کو لہولہان کر ڈالا تھا۔ وہ اوباش بھی تھے جو برس ہا برس تک اپنی بہتان تراشیوں اور شرمناک گالیوں سے آپ کے قلب مبارک کو زخمی کر چکے تھے وہ سفاک و درندہ صفت بھی تھے جو آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلہ گھونٹ چکے تھے۔ وہ ظلم و ستم کے مجسمے اور پاپ کے پتلے بھی تھے جنہوں نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا تھا اور ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے بھی تھے جن کی تشنہ لبی اور پیاس خون نبوت کے سوا کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی تھی وہ جفا کار و خونخوار بھی تھے جن کے جارحانہ حملوں اور ظالمانہ یلغار سے بار بار مدینہ منورہ کے در و دیوار دہل چکے تھے۔ حضور ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کی ناک، کان کاٹنے والے ان کی آنکھیں پھوڑنے والے، ان کا جگر چبانے والے بھی اس مجمع میں موجود تھے وہ ستمگار جنہوں نے شمع نبوت کے جاں نثار پروانوں حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت

خباب، حضرت خبیب، حضرت زید بن وشنہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کو رسیوں سے باندھ باندھ کر کوڑے مار مار کر جلتی ہوئی زیتون پر لٹایا تھا کسی کو آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر سلایا تھا۔ کسی کو چٹائیوں میں لپیٹ لپیٹ کر ناکوں میں دھوئیں دیئے تھے سینکڑوں بار گلا گھونٹا تھا۔ یہ تمام جور و جفا اور ظلم و ستمگاری کے پیکر، جن کے جسم کے رونگٹے رونگٹے اور بدن کے بال بال ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کے وبال سے خوفناک جرموں اور شرمناک مظالم کے پہاڑ بن چکے تھے۔ آج یہ سب کے سب دس بارہ ہزار مہاجرین و انصار کے لشکر کی حراست میں مجرم بنے ہوئے کھڑے کانپ رہے تھے اور اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آج ہماری لاشوں کو کتوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیلوں اور کوؤں کو کھلا دی جائیں گی اور انصار و مہاجرین کی غضب ناک فوجیں ہمارے بچے بچے کو خاک و خون میں ملا کر ہماری نسلوں کو نیست و نابود کر ڈالیں گی اور ہماری بستیوں کو تاخت و تاراج کر کے تہس نہس کر ڈالیں گی ان مجرموں کے سینوں میں خوف و ہراس کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ دہشت اور ڈر سے ان کے بدنوں کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، دل دھڑک رہے تھے، کلیجے منہ میں آ گئے تھے اور عالم یاس میں انہیں زمین سے آسمان تک دھوئیں ہی دھوئیں کے خوفناک بادل نظر آ رہے تھے۔ اسی مایوسی اور ناامیدی کی خطرناک فضا میں ایک دم شہنشاہِ رسالت کی نگاہِ رحمت ان پاپیوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان مجرموں سے آپ نے پوچھا کہ

"بولو۔ تم کو کچھ معلوم ہے؟ کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں"۔

اس دہشت انگیز اور خوفناک سوال سے مجرمین حواس باختہ ہو کر کانپ اٹھے لیکن جبین رحمت کے پیغمبرانہ تیور کو دیکھ کر امید و بیم کے محشر میں لرزتے ہوئے سب یک زبان ہو کر بولے کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔

ترجمہ: آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔

سب کی للچائی ہوئی نظریں جمال نبوت کا منہ تک رہی تھیں اور سب کے کان شہنشاہِ نبوت کا فیصلہ کن جواب سننے کے منتظر تھے کہ ایک دم دفعتہ فاتح مکہ نے اپنے

کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآئُ۔

(زرقانی ج2،ص328)

ترجمہ: آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمان رسالت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرط ندامت سے اشکبار ہو گئیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے جذبات شکریہ کے آثار آنسوؤں کے دھار بن کر ان کے رخسار پر مچلنے لگے اور کفار کی زبانوں پر لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ کے نعروں سے حرم کعبہ کے در و دیوار پر ہر طرف انوار کی بارش ہونے لگی۔ ناگہاں بالکل ہی اچانک اور دفعتہ ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا کہ سماں ہی بدل گیا۔ فضا ہی پلٹ گئی اور یک دم ایسا محسوس ہونے لگا کہ ؎

جہاں تاریک تھا، بے نور تھا اور سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

کفار نے مہاجرین کی جائیدادوں، مکانوں، دوکانوں پر غاصبانہ جمالیا تھا۔ اب وقت تھا کہ مہاجرین کو ان کے حقوق دلائے جاتے اور ان سب جائیدادوں، مکانوں و دکانوں اور سامانوں کو مکہ کے غاصبوں کے قبضوں سے واگزار کر کے مہاجرین کے سپرد کئے جاتے لیکن شہنشاہ رسالت نے مہاجرین کو حکم دے دیا کہ وہ اپنی کل جائیدادیں خوشی خوشی مکہ والوں کو ہبہ کر دیں۔

اللہ اکبر! اے اقوام عالم کی تاریخی داستانو! بتاؤ کیا دنیا کے کسی فاتح کی کتاب زندگی میں کوئی ایسا حسین وزریں ورق ہے؟ اے دھرتی! اللہ کے لئے بتا؟ اے آسمان! اللہ بول۔ کیا تمہارے درمیان کوئی فاتح گزرا ہے؟ جس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا ہو؟ اے چاند اور سورج کی چمکتی اور دوربین نگاہو! کیا تم نے لاکھوں برس کی گردش لیل و نہار میں کوئی ایسا تاجدار دیکھا ہے تم اس کے سوا اور کیا کہو گے؟ کہ یہ نبی جمال و جلال کا وہ بے مثال شاہکار ہے کہ شاہان عالم کے لئے اس کا تصور بھی محال ہے۔ اس لئے ہم تمام دنیا کو چیلنج کے ساتھ دعوتِ نظارہ دیتے ہیں کہ ؎

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شان ورَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ دیکھئے

دوسرا خطبہ:

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم کعبہ کے احکام و آداب کی تعلیم دی کہ حرم میں کسی کا خون بہانا، جانوروں کا مارنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا، اذخر کے سوا کوئی گھاس کاٹنا حرام ہے اور اللہ نے گھڑی بھر کے لئے اپنے رسول کو حرم میں جنگ کرنے کی اجازت دی پھر قیامت تک کے لئے کسی کو حرم میں جنگ کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ نے اس کا حرم بنا دیا ہے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس شہر میں خونریز حلال کی گئی نہ میرے بعد قیامت تک کسی کے لئے حلال کی جائے گی۔

(بخاری جلد 2، ص 117 فتح مکہ)

انصار کو فراق رسول کا ڈر:

انصار نے قریش کے ساتھ جب رسول اللہ ﷺ کے اس کریمانہ حسن سلوک کو دیکھا اور حضور ﷺ کچھ دنوں تک مکہ میں ٹھہر گئے تو انصار کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ پر اپنی قوم اور وطن کی محبت غالب آگئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ مکہ میں اقامت فرمالیں اور ہم لوگ آپ سے دور ہو جائیں جب حضور ﷺ کو انصار کے اس خیال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ! اے انصار!

اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ۔

(سیرت ابن ہشام ج 2، ص 416)

ترجمہ: اب تو ہماری زندگی اور وفات تمہارے ساتھ ہے۔

یہ سن کر فرط مسرت سے انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور سب نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم لوگوں نے جو کچھ دل میں خیال کیا یا زبان سے کہا اس کا سبب آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ ہمارا جذبہ عشق ہے۔ کیوں کہ آپ کی جدائی کا تصور ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

(زرقانی جلد 2، ص 333 وسیرت ابن ہشام جلد 2، ص 416)

کعبہ کی چھت پر اذان:

جب نماز کا وقت آیا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ جس وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کی ایمان افروز صدا بلند ہوئی تو حرم کے حصار اور کعبہ کے در و دیوار پر ایمانی زندگی کے آثار نمودار ہو گئے۔ مگر مکہ کے وہ نو مسلم جو ابھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر ان کے دلوں میں غیرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عتاب بن اسید نے کہا کہ اللہ نے میرے باپ کی لاج رکھ لی کہ اس آواز کو سننے سے پہلے ہی اس کو دنیا سے اٹھا لیا اور ایک دوسرے سردار قریش کے منہ سے نکلا کہ "اب جینا بے کار ہے"۔

(اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید جلد 2، ص 451 و زرقانی جلد 2، ص 346)

مگر اس کے بعد حضور ﷺ کے فیض صحبت سے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے دل میں نور ایمان کا سورج چمک اٹھا اور وہ صادق الایمان مسلمان بن گئے۔ چنانچہ مکہ سے روانہ ہوتے وقت حضور ﷺ نے انہی کو مکہ کا حاکم بنا دیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 2، ص 413 و 440)

بیعت اسلام:

اس کے بعد حضور ﷺ کوہِ صفا کی پہاڑی کے نیچے ایک بلند مقام پر بیٹھے اور لوگ جوق در جوق آکر آپ کے دست حق پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ مردوں کی بیعت ختم ہو چکی تو عورتوں کی باری آئی حضور ﷺ ہر بیعت کرنے والی عورت سے جب وہ تمام شرائط کا اقرار کر لیتی تو آپ اس سے فرما دیتے تھے کہ "قدبایعتک" میں نے تجھ سے بیعت لے لی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! آپ کے ہاتھ نے بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ صرف کلام ہی سے بیعت فرما لیتے تھے۔ (بخاری جلد 1، ص 375 کتاب الشروط)

انہی عورتوں میں نقاب اوڑھ کر ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بھی بیعت کے لئے آئیں جو حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ وہی ہند ہیں جنہوں نے جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شکم چاک کر کے ان کے جگر کو نکال کر چبا ڈالا تھا اور ان کے کان، ناک کو کاٹ کر اور آنکھ کو نکال کر ایک دھاگہ میں پرو کر گلے کا ہار بنایا تھا۔ جب یہ بیعت کے لئے آئیں تو حضور ﷺ

سے نہایت دلیری کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کا مکالمہ حسب ذیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ : تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔

ہند بنت عتبہ : یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں کیا۔ لیکن ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ : چوری مت کرنا۔

ہند بنت عتبہ : میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ : اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند بن عتبہ : ہم نے تو بچوں کو پالا تھا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو آپ نے جنگ بدر میں ان کو مار ڈالا۔ اب آپ جانیں اور وہ جانیں۔

(طبری جلد 3، ص 643 مختصراً)

بہرحال حضرت ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند بنت عتبہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہما) لہٰذا ان دونوں کے بارے میں بدگمانی یا ان دونوں کی شان میں بدزبانی روافض کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ان دونوں کا شمار صحابہ اور صحابیات کی فہرست میں ہے۔

ابتداء میں گو ان دونوں کے ایمان میں کچھ تذبذب رہا ہو مگر بعد میں یہ دونوں صادق الایمان مسلمان ہو گئے اور ایمان ہی پر ان دونوں کا خاتمہ ہوا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ بارگاہ نبوت میں آئیں اور یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا مگر اب میرا یہ حال ہے کہ روئے زمین پر آپ کے گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں۔

(بخاری جلد 1، ص 539 باب ذکر ہند بنت عتبہ)

اسی طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محدث ابن عساکر کی ایک روایت ہے یہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور ﷺ کے سامنے سے نکلے تو انہوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ کون سی طاقت ان کے پاس ایسی ہے کہ یہ ہم پر غالب رہتے ہیں تو حضور ﷺ نے ان کے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا اور

قریب آ کر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ہم اللہ کی طاقت سے غالب آ جاتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ ''میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں'' اور محدث حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ ''کاش میں ایک فوج جمع کر کے دوبارہ ان سے جنگ کرتا'' ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ''اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل و خوار کر دے گا''۔ یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ توبہ استغفار کرنے لگا اور عرض کیا کہ مجھے اس وقت آپ کی نبوت کا یقین حاصل ہو گیا کیونکہ آپ نے میرے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا۔ (زرقانی جلد 2، ص 346)

یہ بھی روایت ہے کہ جب سب سے پہلے حضور ﷺ نے ان پر اسلام پیش فرمایا تھا تو انہوں نے کہا کہ ''پھر میں اپنے معبود عزیٰ کو کیا کروں گا؟'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برجستہ فرمایا تھا کہ ''تم عزیٰ پر پاخانہ پھیر دینا'' چنانچہ حضور ﷺ نے جب عزیٰ کو توڑنے کے لئے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو ساتھ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے معبود عزیٰ کو توڑ ڈالا۔ یہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے اور ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ عزیٰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توڑا تھا۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی جلد 2، ص 349)

بت پرستی کا خاتمہ:

گزشتہ اوراق میں ہم تحریر کر چکے ہیں کہ خانہ کعبہ کے تمام بتوں اور دیواروں کی تصاویر کو توڑ پھوڑ کر اور مٹا کر مکہ کو تو حضور ﷺ نے بت پرستی کی لعنت سے پاک کر ہی دیا تھا لیکن مکہ کے اطراف میں بھی بت پرستی کے چند مراکز تھے یعنی لات، منات، سواع، عزیٰ یہ چند بڑے بڑے بت تھے جو مختلف قبائل کے معبود تھے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر بت پرستی کے سارے طلسم کو تہس نہس کر دیا اور مکہ نیز اس کے اطراف و جوانب کے تمام بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ (زرقانی جلد 2، ص 347 تا 349)

اس طرح بانئ کعبہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے مورث اعلیٰ کے مشن کو مکمل فرما دیا اور درحقیقت فتح مکہ کا سب سے بڑا یہی مقصد تھا کہ شرک و بت پرستی کا خاتمہ اور توحید اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو جائے۔ چنانچہ یہ عظیم مقصد بحمدہ تعالیٰ بدرجہ اتم حاصل ہو گیا کہ ؎

آنجا کہ بود نعرہ کفار و مشرکاں
اکنوں خروشِ نعرہ اللہ اکبر است

چند ناقابل معافی مجرمین:

جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ مگر چند ایسے مجرمین تھے جن کے بارے میں تاجدار دو عالم ﷺ نے یہ فرمان جاری فرما دیا کہ یہ لوگ اگر اسلام نہ قبول کریں تو یہ لوگ جہاں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں خواہ وہ غلافِ کعبہ ہی میں کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان مجرموں میں سے بعض نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض قتل ہو گئے۔ ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے۔

1. عبدالعزیٰ بن خطل: یہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کو حضور ﷺ نے زکوٰۃ کے جانور وصول کرنے کے لئے بھیجا اور ساتھ میں ایک دوسرے مسلمان کو بھی بھیج دیا۔ کسی بات پر دونوں کی تکرار ہو گئی تو اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور قصاص کے ڈر سے تمام جانوروں کو لے کر مکہ بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن یہ بھی ایک نیزہ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن مسلم افواج کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھا اور نیزہ پھینک کر بھاگا اور کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا۔ حضرت سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے مل کر قتل کر دیا۔
(زرقانی جلد 2، ص 322)
2. حریرث بن نقید: یہ شاعر تھا اور حضور ﷺ کی ہجو لکھا کرتا تھا اور خونی مجرم بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔
3. مقیس بن صبابہ: اس کو نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ یہ بھی خونی تھا۔
4. حارث بن طلاطلہ: یہ بھی بڑا ہی موذی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

5. قریبہ: یہ ابن خطل کی لونڈی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھی یہ بھی قتل کی گئی۔

مکہ سے فرار ہو جانے والے:

چار اشخاص مکہ سے بھاگ نکلے تھے ان لوگوں کا مختصر تذکرہ یہ ہے۔

1. عکرمہ بن ابی جہل: یہ ابوجہل کے بیٹے ہیں۔ اس لئے ان کی اسلام دشمنی کا کیا کہنا؟ یہ بھاگ کر یمن چلے گئے لیکن ان کی بیوی ''ام حکیم'' جو ابوجہل کی بھتیجی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے شوہر عکرمہ کے لئے بارگاہ رسالت میں معافی کی درخواست پیش کی۔ حضور ﷺ نے معاف فرما دیا۔ ام حکیم خود یمن گئیں اور معافی کا حال بیان کیا۔ عکرمہ حیران رہ گئے اور انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ کیا مجھ کو محمد ﷺ نے معاف کر دیا؟ بہر حال اپنی بیوی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے حضور ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم اطہر سے چادر گر پڑی۔ پھر حضرت عکرمہ نے خوشی خوشی حضور ﷺ کے دستِ حق پرست پر بیعت اسلام کی۔

(موطا امام مالک کتاب النکاح وغیرہ)

2. صفوان بن اُمیہ: یہ امیہ بن خلف کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ امیہ ہی کی طرح یہ بھی اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر جدہ چلے گئے۔ حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں ان کی سفارش پیش کی اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قریش کا ایک رئیس صفوان مکہ سے جلا وطن ہوا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کو بھی معافی فرما دی اور امان کے نشان کے طور پر حضرت عمیر کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا۔ چنانچہ وہ مقدس عمامہ لے کر ''جدہ'' گئے اور صفوان کو مکہ لے کر آئے صفوان جنگ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ (طبری جلد 3، ص 645)

3. کعب بن زہیر: یہ 9 ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور ﷺ کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' پڑھا حضور

ﷺ نے خوش ہو کر ان کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ حضور ﷺ کی یہ چادر مبارک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور سلطنت میں ان کو دس ہزار درہم پیش کیا کہ یہ مقدس چادر ہمیں دے دو مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ چادر مبارک ہرگز ہرگز کسی کو نہیں دے سکتا لیکن آخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے وارثوں کو بیس ہزار درہم دے کر وہ چادر لے لی اور عرصہ دراز تک وہ چادر سلاطین اسلام کے پاس ایک مقدس تبرک بن کر باقی رہی۔ (مدارج جلد 2، ص 338)

4. وحشی: یہی وہ وحشی ہیں جنہوں نے جنگ احد میں حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ بھی فتح مکہ کے دن بھاگ کر طائف چلے گئے مگر پھر طائف کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی زبان سے اپنے چچا کے قتل کی خونی داستان سنی اور رنج و غم میں ڈوب گئے مگر ان کو بھی آپ نے معاف فرما دیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ حضرت وحشی کو اس کا بے حد ملال رہتا تھا۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لشکر اسلام نے اس ملعون سے جہاد کیا تو حضرت وحشی بھی اپنا نیزہ لے کر جہاد میں شامل ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب کو قتل کر دیا۔ حضرت وحشی اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَ قَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ۔ یعنی میں نے دور جاہلیت میں بہترین انسان (حضرت حمزہ) کو قتل کیا اور اپنے دور اسلام میں بدترین آدمی (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا انہوں نے دربار اقدس میں اپنے جرم کا اعتراف کر کے عرض کیا کہ کیا اللہ مجھ جیسے مجرم کو بھی بخش دے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(زمر)

ترجمہ: یعنی اے حبیب! آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر حد سے زیادہ گناہ کر لیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔ اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2، ص 302)

مکہ کا انتظام:

حضور ﷺ نے مکہ کا نظم و نسق اور انتظام چلانے کے لئے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا حاکم مقرر فرما دیا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ نومسلموں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم دیتے رہیں۔

(مدارج النبوۃ جلد 2، ص 324)

اس میں اختلاف ہے کہ فتح کے بعد کتنے دنوں تک حضور اقدس ﷺ نے مکہ میں قیام فرمایا۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ سترہ دن تک آپ مکہ میں مقیم رہے اور ترمذی کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ اٹھارہ دن آپ کا قیام رہا۔ لیکن امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انیس دن آپ مکہ میں ٹھہرے۔

(بخاری جلد 2، ص 615)

ان تینوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں مکہ میں داخل ہونے اور مکہ سے روانگی کے دونوں دنوں کو شمار کیا ہے اس لئے سترہ دنوں مدت اقامت بتائی ہے اور ترمذی کی روایت میں مکہ میں آنے کے دن کو تو شمار کر لیا۔ کیونکہ آپ صبح کو مکہ میں داخل ہوئے تھے اور مکہ سے روانگی کے دن کو شمار نہیں کیا۔ کیونکہ آپ سویرے ہی مکہ سے حنین کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور امام بخاری کی روایت میں آنے اور جانے کے دونوں دنوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے۔ اس لئے انیس دن آپ مکہ میں مقیم رہے۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح اس میں بڑا اختلاف ہے کہ مکہ کونسی تاریخ میں فتح ہوا؟ اور آپ کس تاریخ کو مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے؟ امام بیہقی نے 13 رمضان، امام مسلم نے 16

رمضان، امام احمد نے 18 رمضان بتایا اور بعض روایات میں 17 رمضان اور 18 رمضان بھی مروی ہے۔ مگر محمد بن اسحٰق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ 20 رمضان 8ھ کو مکہ فتح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زرقانی جلد 2، ص 299)

جنگ حنین:

''حنین'' مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ تاریخ اسلام میں اس جنگ کا دوسرا نام ''غزوہ ہوازن'' بھی ہے۔ اس لئے کہ اس لڑائی میں ''بنی ہوازن'' سے مقابلہ تھا۔

فتح مکہ کے بعد عام طور پر تمام عرب کے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے کیونکہ ان میں سے اکثر وہ لوگ تھے جو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین رکھنے کے باوجود قریش کے ڈر سے مسلمان ہونے میں توقف کر رہے تھے اور فتح مکہ کا انتظام کر رہے تھے۔ پھر چونکہ عرب کے دلوں میں کعبہ کا بے حد احترام تھا اور ان کا اعتقاد تھا کہ کعبہ پر کسی باطل پرست کا قبضہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضور ﷺ نے جب مکہ فتح کر لیا تو عرب کے بچے بچے کو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین ہو گیا اور سب کے سب جوق در جوق فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ باقی ماندہ عرب کی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھا سکیں۔

لیکن مقام حنین میں ''ہوازن'' اور ''ثقیف'' نام کے دو قبیلے آباد تھے جو بہت ہی جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ ان لوگوں پر فتح مکہ کا الٹا اثر پڑا ان لوگوں پر غیرت سوار ہو گئی اور ان لوگوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ فتح مکہ کے بعد ہماری باری ہے اس لئے ان لوگوں نے یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں پر جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک زبردست حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے وہاں سے واپس آ کر ان قبائل کی جنگی تیاریوں کا حال بیان کیا اور بتایا کہ قبیلہء ہوازن اور ثقیف نے اپنے تمام قبائل کو جمع کر لیا ہے اور قبیلہء ہوازن کا رئیس اعظم مالک بن عوف ان تمام افواج کا سپہ سالار ہے اور سو برس سے زائد سے عمر کا بوڑھا ''درید بن الصمہ'' جو عرب کا مشہور شاعر اور مانا ہوا

بہادر تھا۔ بطور مشیر کے میدان جنگ میں لایا گیا ہے اور یہ لوگ اپنی عورتوں، بچوں بلکہ جانوروں تک کو میدان جنگ میں لائے ہیں تا کہ کوئی سپاہی میدان سے بھاگنے کا خیال بھی نہ کر سکے۔

حضور ﷺ نے بھی شوال 8 ھ میں بارہ ہزار لشکر جمع فرمایا۔ دس ہزار تو مہاجرین و انصار وغیرہ کا لشکر تھا جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آیا تھا اور دو ہزار نو مسلم تھے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ نے اس لشکر کو ساتھ لے کر اس شان و شوکت کے ساتھ حنین کا رخ کیا کہ اسلام افواج کی کثرت اور اس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر بے اختیار بعض صحابہ کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ

"آج بھلا ہم پر کون غالب آسکتا ہے"۔

لیکن اللہ تعالیٰ عالم کو صحابہ کرام کا اپنی فوجوں کی کثرت پر ناز کرنا پسند نہیں آیا چنانچہ اس فخر و نازش کا یہ انجام ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں قبیلہء ہوازن و ثقیف کے تیر اندازوں نے جو تیروں کی بارش کی اور ہزاروں کی تعداد میں تلواریں لے کر مسلموں پر ٹوٹ پڑے تو وہ دو ہزار نو مسلم اور کفارِ مکہ جو لشکر اسلام میں شامل ہو کر مکہ سے آئے تھے۔ ایک دم سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ ان لوگوں کی بھگدڑ دیکھ کر انصار و مہاجرین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضور تاجدار دو عالم ﷺ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو گنتی کے چند جاں نثاروں کے سوا سب فرار ہو چکے تھے۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ بارہ ہزار کا لشکر فرار ہو چکا تھا۔ مگر اللہ کے رسول کے پائے استقامت میں بال برابر بھی لغزش نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ اکیلے ایک لشکر بلکہ ایک عالم کائنات کا مجموعہ بنے ہوئے نہ صرف پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے بلکہ اپنے سفید خچر پر سوار برابر آگے ہی بڑھتے رہے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے　　　میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اسی حالت میں آپ نے داہنی طرف دیکھ کر بلند آواز سے پکارا کہ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ۔ فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ!" پھر بائیں جانب رخ کر کے فرمایا کہ "یَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ" فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ!" حضرت

عباس رضی اللہ عنہ چونکہ بہت ہی بلند آواز تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کو پکارو۔ انہوں نے جو "یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ" اوریَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ کا نعرہ مارا تو ایک دم تمام فوجیں پلٹ پڑیں اور لوگ اس تیزی کے ساتھ دوڑ پڑے کہ جن لوگوں کے گھوڑے ازدھام کی وجہ سے نہ مڑ سکے انہوں نے ہلکا ہونے کے لئے اپنی زریں پھینک دی اور گھوڑوں سے کود کود کر دوڑے اور کفار کے لشکر پر جھپٹ پڑے اور اس طرح جانبازی کے ساتھ لڑنے لگے کہ دم زدن میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ کفار بھاگ نکلے، کچھ قتل ہو گئے جو رہ گئے گرفتار ہو گئے۔ قبیلہ ثقیف کی فوجیں بڑی بہادری کے ساتھ جم کر مسلمانوں سے لڑتی رہیں۔ یہاں تک ان کے ستر بہادر کٹ گئے۔ لیکن جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ قتل ہو گیا تو ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور فتح مبین نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے قدموں کا بوسہ لیا اور کثیر تعداد و مقدار میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

(بخاری ج 2، ص 621 غزوۃ الطائف)

یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن حکیم نے نہایت موثر انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ لا اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ج ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ج وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ۔

ترجمہ: اور حنین کا دن یاد کرو۔ جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسولوں اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکروں کو اتار دیا جو تمہیں نظر نہیں آئے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

(توبہ)

حنین میں شکست کھا کر کفار کی فوجیں بھاگ کر کچھ تو "اوطاس" میں جمع ہو گئی اور

کچھ ''طائف'' کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئیں۔ اس لئے کفار کی فوجوں کو مکمل طور پر شکست دینے کے لئے ''اوطاس'' اور ''طائف'' پر بھی حملہ کرنا ضروری ہو گیا۔

جنگ اوطاس:

چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج ''اوطاس'' کی طرف بھیج دی۔ درید بن الصمہ کئی ہزار کی فوج لے کر نکلا۔ درید بن الصمہ کے بیٹے نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے زانو پر ایک تیر مارا حضرت ابو عامر اشعری، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ اپنے چچا کو زخمی دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دوڑ کر اپنے چچا کے پاس آئے اور پوچھا کہ چچا جان آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ تو حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اس کافر کو قتل کرنے کے لئے دوڑے تو وہ بھاگ نکلا۔ مگر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور یہ کہہ کر اے او بھاگنے والے کیا تجھ کو شرم اور غیرت نہیں آتی؟ جب اُس کافر نے یہ گرم گرم طعنہ سنا تو ٹھہر گیا پھر دونوں میں تلوار کے دو دو ہاتھ ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کے زانو سے وہ تیر کھینچ کر نکالا تو چونکہ زہر میں بجھایا ہوا تھا۔ اس لئے زخم سے بجائے خون کے پانی بہنے لگا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنایا اور یہ وصیت کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا اور میرے لئے دعا کی درخواست کرنا۔ یہ وصیت کی اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اس جنگ سے فارغ ہو کر میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے چچا کا سلام اور پیغام پہنچایا تو اس وقت تاجدار دو عالم ﷺ ایک بان کی چارپائی پر تشریف فرما تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پہلوئے اقدس میں بان کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا اٹھایا کہ میں نے آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھ لی اور اس طرح آپ نے دعا مانگی کہ ''یا اللہ تو ابو عامر کو قیامت کے دن بہت سے انسانوں سے زیادہ بلند مرتبہ بنا دے''۔ یہ کرم دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے بھی دعا

فرما دیجئے تو یہ دعا فرمائی کہ ''یا اللہ! تو عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ میں داخل فرما۔ عبداللہ بن قیس حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے''۔ (بخاری جلد 2، ص 619 غزوۂ طاس)

بہرکیف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے درید بن الصمہ کے بیٹے کو قتل کر دیا اور اسلامی علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا درید بن الصمہ بڑھاپے کی وجہ سے ایک ہودج پر سوار تھا۔ اس کو حضرت ربیعہ بن رُفیع رضی اللہ عنہ نے خود اسی تلوار سے قتل کر دیا اس کے بعد کفار کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیا اور سب گرفتار ہو گئے۔ ان قیدیوں میں جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ حضور ﷺ کی رضاعی بہن حضرت ''شیماء'' رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ جب لوگوں نے ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ مسلمان ان کو شناخت کے لئے بارگاہ نبوت میں لائے تو حضور ﷺ نے ان کو پہچان لیا اور جوش محبت میں آپ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ نے اپنی چادر مبارک کو زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور کچھ اونٹ بکریاں ان کو دے کر فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر تمہارا جی چاہے تو میرے گھر پر چل کر رہو اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو میں تم کو وہاں پہنچا دوں۔ انہوں نے اپنے گھر جانے کو خواہش ظاہر کی تو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ وہ ان کے قبیلے میں پہنچا دی گئیں۔ (طبری جلد 3، ص 368)

طائف کا محاصرہ:

یہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ حنین سے بھاگنے والی کفار کی فوجیں کچھ اوطاس میں جا کر ٹھہری تھیں اور کچھ طائف کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئیں تھیں اوطاس کی فوجیں تو آپ پڑھ چکے کہ وہ شکست کھا کر ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئیں اور سب گرفتار ہو گئیں۔ لیکن طائف میں پناہ لینے والوں سے بھی جنگ ضروری تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے حنین اور اوطاس کے اموال غنیمت اور قیدیوں کو ''مقام جعرانہ'' میں جمع کر کے طائف کا رُخ فرمایا۔

طائف خود ایک بہت ہی محفوظ شہر تھا جس کے چاروں طرف شہر پناہ کی دیوار بنی ہوئی تھی اور یہاں ایک بہت ہی مضبوط قلعہ بھی تھا۔ یہاں کا رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی تھا جو ابوسفیان کا داماد تھا۔ یہاں ثقیف کا جو خاندان آباد تھا وہ عزت و شرافت میں قریش کا ہم پلہ شمار کیا جاتا تھا۔ کفار کی تمام فوجیں سال بھر کا راشن لے کر طائف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئی تھیں۔ اسلامی افواج نے طائف پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا مگر قلعہ کے اندر سے کفار نے اس زور شور کے ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی کہ لشکر اسلام اس کی تاب نہ لاسکا اور مجبوراً اس کو پسپا ہونا پڑا۔ اٹھارہ دن تک شہر کا محاصرہ جاری رہا مگر طائف فتح نہیں ہوسکا حضور ﷺ نے جنگ کے ماہروں سے مشورہ فرمایا تو حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!

''لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی لیکن اگر چھوڑ دی جائے تو بھی اس سے کوئی اندیشہ نہیں ہے''۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔ (زرقانی جلد 3، ص 33)

طائف کا محاصرہ میں بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور کل بارہ اصحاب شہید ہوئے سات قریش! چار انصار اور ایک شخص بنی لیث کے زخمیوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ ایک تیر سے زخمی ہو گئے تھے۔ پھر اچھے بھی ہو گئے، لیکن ایک مدت کے بعد پھر ان کا زخم پھٹ گیا اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسی زخم سے ان کی وفات ہوگئی۔ (زرقانی جلد 3، ص 30)

طائف کی مسجد:

یہ مسجد جس کو حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا۔ ایک تاریخی مسجد ہے اس جنگ طائف میں ازواج مطہرات میں سے دو ساتھ تھیں۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما ان دونوں کے لئے حضور ﷺ نے دو خیمے گاڑے تھے اور جب تک طائف کا محاصرہ رہا آپ ان دونوں خیموں کے درمیان میں نمازیں پڑھتے رہے۔ جب بعد میں قبیلہء ثقیف کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان لوگوں نے اسی جگہ پر مسجد بنالی۔ (زرقانی جلد 3، ص 31)

جنگ طائف میں بت شکنی:

جب حضور ﷺ نے طائف کا ارادہ فرمایا تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا کہ وہ ''ذوالکفین'' کے بت خانہ کو برباد کر دیں۔ یہاں عمرو بن حممہ دوسی کا بت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر بت خانہ کو منہدم کر دیا اور بت کو جلا دیا۔ بت کو جلاتے وقت وہ ان اشعار کو پڑھتے جاتے تھے۔

يَا ذَا الْكَفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ
اے ذالکفین! میں تیرا بندہ نہیں ہوں
مِيلَادُنَا أَكْبَرُ مِنْ مِيلَادِكَ
میری پیدائش تیری پیدائش سے بڑی ہے
إِنِّيْ حَشَرْتُ النَّارَ فِيْ فُؤَادِكَ
میں نے تیرے دل میں آگ لگا دی ہے

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ چار دن میں اس مہم سے فارغ ہو کر حضور ﷺ کے پاس طائف میں پہنچ گئے یہ ''ذالکفین'' سے قلعہ توڑنے کے آلات منجنیق وغیرہ بھی لائے تھے۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلی یہی منجنیق ہے۔ جو لائف کا قلعہ توڑنے کے لئے لگائی گئی۔ مگر کفار کی فوجوں نے تیراندازی کے ساتھ ساتھ گرم گرم لوہے کی سلاخیں پھینکنی شروع کر دیں اس وجہ سے قلعہ توڑنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ (زرقانی جلد 3،ص 31)

اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ طائف کے اطراف میں جو جابجا ثقیف کے بت خانے ہیں ان سب کو منہدم کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ان سب بتوں اور بت خانوں کو توڑ پھوڑ کر مسمار و برباد کر دیا اور جب لوٹ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ ان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور بہت دیر تک ان سے تنہائی میں گفتگو فرماتے رہے، جس سے لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2،ص 318)

طائف سے روانگی کے وقت صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ

قبیلۂ ثقیف کے کفار کے لئے ہلاکت کی دعا فرما دیجئے تو آپ نے دعا مانگی کہ

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَاتِ بِھِمْ۔

ترجمہ: یا اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے۔
(مسلم ج 3، ص 307)

چنانچہ آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی کہ قبیلۂ ثقیف کا وفد مدینہ پہنچا اور پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم:

طائف سے محاصرہ اٹھا کر حضور ﷺ ''جعرانہ'' تشریف لائے۔ یہاں اموال غنیمت کا بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، کئی من چاندی اور چھ ہزار قیدی۔ (سیرت ابن ہشام جلد 2، ص 488 و زرقانی)

اسیرانِ جنگ کے بارے میں آپ نے اُن کے رشتہ داروں کے آنے کا انتظار فرمایا لیکن کئی دن گزرنے کے باوجود جب کوئی نہ آیا تو آپ نے مال غنیمت کو تقسیم فرما دینے کا حکم دے دیا۔ مکہ اور اس کے اطراف کے نومسلم رئیسوں کو آپ نے بڑے بڑے انعاموں سے نوازا۔ یہاں تک کہ کسی کو تین سو اونٹ، کسی کو دو سو اونٹ، کسی کو سو اونٹ انعام کے طور پر عطاء فرما دیا۔ اسی طرح بکریوں کو بھی نہایت فیاضی کے ساتھ تقسیم فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام جلد 2، ص 489)

انصاریوں سے خطاب:

جن لوگوں کو آپ نے بڑے بڑے انعامات سے نوازا وہ عموماً مکہ والے نومسلم تھے۔ اس پر بعض نوجوان انصاریوں نے کہا کہ

> ''رسول اللہ ﷺ قریش کو اس قدر عطاء فرما رہے ہیں اور ہم لوگوں کا کچھ بھی خیال نہیں فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے''۔ (بخاری جلد 2، ص 620 غزوۂ طائف)

اور انصار کے کچھ نوجوانوں نے آپس میں یہ بھی کہا اور اپنی دل شکنی کا اظہار کیا کہ جب شدید جنگ کا موقع ہوتا ہے تو ہم انصاریوں کو پکارا جاتا ہے اور غنیمت دوسرے

لوگوں کو دی جا رہی ہے۔ (بخاری جلد 2،ص 621 غزوۂ طائف)

آپ نے جب یہ چرچا سنا تو تمام انصاریوں کو ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے سرداروں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا ہے۔ ہاں چند نئی عمر کے لڑکوں نے ضرور کچھ کہہ دیا ہے۔ حضور ﷺ نے انصار کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے کہ میرے ذریعے سے اللہ نے تم کو ہدایت دی تم متفرق اور پراگندہ تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق و اتحاد پیدا فرمایا۔ تم مفلس تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو غنی بنا دیا"۔

(بخاری جلد 2،ص 620 غزوۂ طائف)

حضور ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار آپ کے ہر جملہ کو سن کر یہ کہتے جاتے تھے کہ

"اللہ اور رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے"۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! تم لوگ یوں مت کہو، بلکہ مجھ کو یہ جواب دو کہ

"یارسول اللہ! جب لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم لوگوں نے آپ کی تصدیق کی۔ جب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تو ہم لوگوں نے آپ کو ٹھکانا دیا، جب آپ بے سروسامانی کی حالت میں آئے تو ہم نے ہر طرح سے آپ کی خدمت کی لیکن اے انصاریو! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ تم مجھے اس کا جواب دو"۔

سوال یہ ہے کہ

"کیا تم لوگوں کو یہ پسند نہیں کہ سب لوگ یہاں مال و دولت لے کر اپنے گھر جائیں اور تم لوگ اللہ کے نبی کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم لوگ جس چیز کو لے کر اپنے گھر جاؤ

گے وہ اس مال و دولت سے بہت بڑھ کر ہے جس کو وہ لوگ
لے کر اپنے گھر جائیں گے"۔

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ پڑے کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم اس پر راضی ہیں۔ ہم کو صرف اللہ کا رسول چاہیے اور اکثر انصار کا تو یہ حال ہو گیا کہ وہ روتے روتے بے قرار ہو گئے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ بالکل ہی نومسلم ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو جو کچھ دیا ہے یہ ان کے استحقاق کی بنا پر نہیں ہے بلکہ صرف ان کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنے کی غرض سے دیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ

"اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا اور اگر تمام لوگ کسی وادی اور گھاٹی میں چلیں اور انصار کسی دوسری اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا"۔
(بخاری جلد 2، ص 620 و 621 غزوۂ طائف)

قیدیوں کی رہائی:

آپ جب اموال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو قبیلہ بنی سعد کی رئیس زہیر ابوصرد چند معززین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیران جنگ کی رہائی کے بارے میں درخواست پیش کی۔ اس موقع پر زہیر ابوصرد نے ایک بہت موثر تقریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اے محمد ﷺ! آپ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت حلیمہ کا دودھ پیا ہے۔ آپ نے جن عورتوں کو ان چھپروں میں قید کر رکھا ہے ان میں سے بہت سی آپ کی (رضاعی) پھوپھیاں اور بہت سی آپ کی خالائیں ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر عرب کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ہمارے خاندان کی عورت کا دودھ پیا ہوتا تو ہم کو اس سے بہت زیادہ اُمیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ ہماری توقعات وابستہ ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب قیدیوں کو رہا کر دیجئے۔

زہیر کی تقریر سن کر حضور ﷺ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کا بہت زیادہ انتظار کیا مگر آپ لوگوں نے آنے میں بہت زیادہ دیر لگا دی۔ بہر کیف میرے خاندان والوں کے حصہ میں جس قدر لونڈی غلام آئے میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ لیکن اب عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے وقت جب مجمع ہو تو آپ لوگ اپنی درخواست سب کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ نماز ظہر کے وقت ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی اور حضور ﷺ نے مجمع کے سامنے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو صرف اپنے خاندان والوں پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں کہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ یہ سن کر تمام انصار و مہاجرین اور دوسرے تمام مجاہدین نے بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ آپ ان لوگوں کو بھی آزاد فرما دیں۔ اسی طرح دفعتہ چھ ہزار اسیران جنگ کی رہائی ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام جلد 4، ص 488 و 489)

بخاری شریف کی روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ دس دنوں تک "ہوازن" کے وفد کا انتظار فرماتے رہے۔ جب وہ لوگ نہ آئے تو آپ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ اس کے بعد جب "ہوازن" کا وفد آیا اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر کے یہ درخواست پیش کی کہ ہمارے مال اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سچی بات ہی پسند ہے۔ لہٰذا سن لو! کہ مال اور قیدی دونوں کو تو میں واپس نہیں کر سکتا۔ ہاں ان دونوں میں سے ایک کو تم اختیار کر لو یا مال لے لو یا قیدی۔ یہ سن کر وفد نے قیدیوں کو واپس لینا منظور کیا۔ اس کے بعد آپ نے فوج کے سامنے ایک خطبہ پڑھا اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ

> "اے مسلمانو! یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں اور میری یہ رائے ہے کہ میں ان کے قیدیوں کو واپس کر دوں تو تم میں سے جو خوشی خوشی اس کو منظور کرے وہ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دے اور جو یہ چاہے کہ ان قیدیوں کے بدلے میں دوسرے قیدیوں کو لے کر ان کو واپس کرے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھے جو غنیمت

عطاء فرمائے گا میں اس میں سے ایک حصہ دوں گا۔ یہ سن کر ساری فوج نے کہہ دیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم سب نے خوشی خوشی سب قیدیوں کو واپس کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح پتا نہیں چلتا کہ کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی؟ لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے چودھریوں کے ذریعے مجھے خبر دو۔ چنانچہ ہر قبیلہ کے چوہدریوں نے دربارِ رسالت میں آ کر عرض کر دیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے خوش دلی کے ساتھ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دیا ہے"۔ (بخاری جلد 1، ص 345 باب من ملک من العرب و بخاری جلد 2، ص 309 باب الوکالۃ فی قضاء الدیون و بخاری جلد 2، ص 618)

غیب داں رسول:

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے وفد سے دریافت فرمایا کہ مالک بن عوف کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ "ثقیف" کے ساتھ طائف میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مالک بن عوف کو خبر کر دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آجائے تو میں اس کا سارا مال اس کو واپس دے دوں گا۔ اس کے علاوہ اس کو ایک سو اونٹ اور بھی دوں گا مالک بن عوف کو جب یہ خبر ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہو گئے اور حضور ﷺ نے ان کا کل مال ان کے سپرد فرما دیا اور وعدہ کے مطابق ایک سو اونٹ اس کے علاوہ بھی عنایت فرمائے۔ مالک بن عوف آپ کے اس خلق عظیم سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ لِوَاحِدٍ
فِی النَّاسِ کُلِّهِمْ کَمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی فَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ
وَمَتٰی تَشَأْ یُخْبِرْکَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

یعنی تمام انسانوں میں حضرت محمد ﷺ کا مثل نہ میں نے دیکھا نہ سنا جو سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والے اور سب سے زیادہ مال کثیر عطاء فرمانے والے ہیں اور

جب تم چاہو۔ان سے پوچھ لو وہ کل آئندہ کی خبر تم کو بتا دیں گے۔
روایت ہے کہ نعت کے یہ اشعار سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوش ہو گئے اور ان کے لئے کلمات خیر فرماتے ہوئے انہیں بطور انعام ایک جبہ بھی عنایت فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام جلد 4،ص 491 و مدارج جلد 2،ص 324)

عمرئہ جعرانہ:

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے جعرانہ ہی سے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور احرام باندھ کر مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے اور ذوالقعدہ 8ھ کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

8ھ کے متفرق واقعات:

1. اسی سال رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے۔حضور ﷺ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوگئی۔

اتفاق سے جس دن ان کی وفات ہوئی سورج گرہن ہوا۔چونکہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ کسی عظیم الشان انسان کی موت پر سورج گرہن لگتا ہے۔اس لئے لوگوں نے یہ خیال کرلیا کہ یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا نتیجہ ہے۔ جاہلیت کے اس عقیدہ کو دور فرمانے کے لئے حضور ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ

> ''چاند اور سورج میں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے''۔ اس کے بعد آپ نے نماز کسوف جماعت کے ساتھ پڑھی۔ (بخاری جلد 1،ص 142 ابواب الکسوف)

2. اسی سال حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ یہ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں۔انہوں نے ایک فرزند جن کا نام ''علی'' تھا اور ایک لڑکی جن کا نام ''امامہ'' تھا اپنے بعد چھوڑا۔حضرت بی بی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد آپ حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پر عمل کیا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 325)

3. اسی سال مدینہ میں غلہ کی گرانی بہت زیادہ بڑھ گئی تو صحابہ کرام نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ غلہ کا بھاؤ مقرر فرما دیں تو حضور ﷺ نے غلہ کی قیمت پر کنٹرول فرمانے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمُسِعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ۔

ترجمہ: اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے وہی روزی کو تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا، روزی رساں ہے۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 325)

4. بعض مورخین کے بقول اسی سال مسجد نبوی میں منبر شریف رکھا گیا۔ اس سے قبل حضور ﷺ ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے اور بعض مورخین کا قول ہے کہ منبر 7ھ میں رکھا گیا۔ یہ منبر لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ جو ایک انصاری عورت نے بنوا کر مسجد میں رکھوایا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ میں اس منبر کو تبرکاً ملک شام لے جاؤں مگر انہوں نے جب اس کو اس جگہ سے ہٹایا تو اچانک سارے شہر میں اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور صحابہ کرام سے معذرت خواہ ہوئے اور انہوں نے اس منبر کے نیچے تین سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا۔ جس سے منبر نبوی کی تینوں پرانی سیڑھیاں اوپر ہو گئی تاکہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین جن سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ اب دوسرا کوئی خطیب ان پر قدم نہ رکھے۔ جب یہ منبر بہت زیادہ پرانا ہو کر انتہائی کمزور ہو گیا تو خلفاء عباسیہ نے بھی اس کی مرمت کرائی۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 327)

5. اسی سال قبیلہ عبدالقیس کا وفد حاضر خدمت ہوا۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا اور ان لوگوں کے حق میں یوں دعا فرمائی کہ ''اے اللہ تو عبدالقیس کو بخش دے۔ جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو اپنی سواریوں سے کود کر دوڑ پڑے

اور حضور ﷺ کے مقدس قدم کو چومنے لگے اور آپ نے ان لوگوں کو منع نہیں فرمایا"۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 330)



باب نمبر: 14

ہجرت کا نواں سال 9ھ

9 ھ بہت سے واقعات عجیبہ سے لبریز ہے۔ لیکن چند واقعات بہت ہی اہم ہیں جن کو مورخین نے بہت ہی بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہم ان واقعات کو اپنی مختصر کتاب میں نہایت ہی اختصار کیساتھ الگ الگ عنوانوں کیساتھ قلمبند کرتے ہیں۔

آیت تخییر وایلائ:

"تخییر" اور "ایلا" یہ شریعت کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں شوہر اپنی بیوی کو اپنی طرف سے یہ اختیار دے دے کہ وہ چاہے تو طلاق لے لے اور چاہے تو اپنے شوہر ہی کے نکاح میں رہ جائے اس کو "تخییر" کہتے ہیں اور "ایلا" یہ ہے کہ شوہر یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی ازواج مطہرات سے ناراض

ہو کر ایک مہینہ کا ایلا فرمایا۔ یعنی آپ نے یہ قسم کھالی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج مقدسہ سے صحبت نہیں کروں گا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق حاصل کرنے کا اختیار بھی سونپ دیا۔ مگر کسی نے بھی طلاق لینا پسند نہیں کیا۔

حضور ﷺ کی ناراضگی اور عتاب کا سبب کیا تھا اور آپ نے ''تخییر رواویلا'' کیوں فرمایا؟ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی مقدس بیویاں تقریباً سب مالدار اور بڑے گھرانوں کی لڑکیاں تھیں۔ ''حضرت ام حبیبہ'' رضی اللہ عنہا رئیس مکہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ''حضرت جویریہ'' رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی المطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ''حضرت صفیہ'' رضی اللہ عنہا بنونضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی نور نظر تھیں۔ ''حضرت عائشہ'' رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیاری بیٹی تھیں۔ ''حضرت حفصہ'' رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی چہیتی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت ''ام سلمہ'' رضی اللہ عنہا بھی خاندان قریش کے اونچے اونچے گھرانوں کی ناز و نعمت میں پلی ہوئی لڑکیاں تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ امیر زادیاں بچپن سے امیرانہ زندگی اور رئیسانہ ماحول کی عادی تھیں اور ان کا رہن سہن، خورد و نوش، لباس و پوشاک سب کچھ امیر زادیوں کی رئیسانہ زندگی کا آئینہ دار تھا اور تاجدار عالم ﷺ کی مقدس زندگی بالکل ہی زاہدانہ اور دنیاوی تکلفات سے یکسر بے گانہ تھی۔ دو دو مہینے کاشانہ نبوت میں چولہا نہیں چلتا تھا۔ صرف کھجور اور پانی پر پورے گھرانے کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ لباس و پوشاک میں بھی پیغمبرانہ زندگی کی جھلک تھی مکان اور گھر کے ساز و سامان میں بھی نبوت کی سادگی نمایاں تھی۔ حضور ﷺ اپنے سرمائے کا بیشتر حصہ اپنی امت کے غربا وٗ فقراء پر صرف فرما دیتے تھے جو ان رئیس زادیوں کے حسب خواہ زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے لئے کافی نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی ان امت کی ماؤں کا پیمانہ صبر و قناعت لبریز ہو کر چھلک جاتا تھا اور وہ حضور ﷺ سے مزید رقموں کا مطالبہ اور تقاضا کرنے لگتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے متفقہ طور پر آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے اخراجات میں اضافہ فرمائیں۔ ازواج مطہرات کی یہ ادائیں نبوت کے قلب نازک پر بار گزریں اور آپ کے سکون خاطر میں اس قدر خلل انداز ہوئیں کہ آپ نے برہم ہو کر

یہ قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اس طرح ایک ماہ کا آپ نے ''ایلا'' فرمالیا۔

عجیب اتفاق کہ انہی ایام میں آپ گھوڑے سے گر پڑے جس سے آپ کی مبارک پنڈلی میں موچ آگئی۔ اس تکلیف کی وجہ سے آپ نے بالا خانہ پر گوشہ نشینی اختیار فرمالی اور سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔

صحابہ کرام نے واقعات کے قرینوں سے یہ قیاس آرائی کرلی کہ آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق دے دی اور یہ خبر جو بالکل ہی غلط تھی بجلی کی طرح پھیل گئی اور تمام صحابہ کرام رنج و غم سے پریشان حال اور اس صدمہء جانکاہ سے نڈھال ہونے لگے۔

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ بخاری شریف کی متعدد روایات میں مفصل طور پر مذکور ہیں۔ ان واقعات کا بیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرا ایک پڑوسی جو انصاری تھا۔ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ ہم دونوں ایک ایک دن باری باری سے بارگاہِ رسالت میں حاضری دیا کریں گے اور دن بھر کے واقعات سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں گے۔ ایک دن کچھ رات گزرنے کے بعد میرا پڑوسی انصاری آیا اور زور زور سے میرا دروازہ پیٹنے اور چلا چلا کر مجھے پکارنے لگا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھولا تو اس نے کہا کہ آج غضب ہوگیا۔ میں نے اسے پوچھا کہ کیا غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کردیا؟ (ان دنوں شام کے غسانی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے) انصاری نے جواب دیا کہ اجی اس سے بھی بڑھ کر حادثہ رونما ہوگیا۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس خبر سے بے حد متوحش ہوگیا اور علی الصباح میں نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں نماز فجر ادا کی۔ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوتے ہی بالا خانہ میں جا کر تنہا تشریف فرما ہوگئے اور کسی سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ میں مسجد سے نکل کر اپنی بیٹی حفصہ کے گھر گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے پہلے ہی تم کو سمجھا دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تنگ مت کیا کرو اور تمہارے اخراجات میں جو کمی ہوا کرے وہ مجھ سے مانگ لیا کرو مگر تم نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ پھر میں نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ

نے سبھوں کو طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی۔ رسول اللہ ﷺ بالا خانہ پر ہیں۔ آپ ان سے دریافت کریں۔ میں وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا تو صحابہ کرام کو بھی دیکھا کہ وہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا۔ لیکن میری طبیعت میں سکون وقرار نہیں تھا۔ اس لئے میں اٹھ کر بالا خانہ کے پاس آیا اور پہرہ دار غلام ''رباح'' سے کہا کہ تم میرے لئے اندر آنے کی اجازت طلب کرو۔ رباح نے لوٹ کر جواب دیا کہ میں نے عرض کر دیا۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری الجھن اور بے تابی اور زیادہ بڑھ گئی اور میں نے دربان سے زیادہ اجازت طلب کرنے کی درخواست کی۔ پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے بلند آواز سے کہا کہ اے رباح! تم میرا نام لے کر اجازت طلب کرو۔ شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہو کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کے لئے کوئی سفارش لے کر آیا ہوں۔ تم عرض کر دو کہ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ مجھے حکم فرمائیں تو میں ابھی ابھی تلوار سے اپنی بیٹی حفصہ کی گردن اڑا دوں گا۔ اس کے بعد مجھ کو اجازت مل گئی۔ جب میں بارگاہِ رسالت میں باریاب ہوا تو میری آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ ایک کھری بان کی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے جسم نازک پر بان کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے نظر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے اور ایک طرف ایک کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ تاجدار دو عالم ﷺ کے خزانہ کی یہ کائنات دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میری آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ حضور ﷺ نے میرے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کونسا موقع ہوگا؟ کہ قیصر و کسریٰ خدا کے دشمن تو نعمتوں میں ڈوبے ہوئے عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ خدا کے رسول معظم ہوتے ہوئے اس حالت میں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔

اس کے بعد میں نے حضور ﷺ کو مانوس کرنے کے لئے کچھ اور بھی گفتگو کی۔ یہاں تک کہ میری بات سن کر حضور ﷺ کے لب انور پر تبسم کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس وقت میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو

طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "نہیں" مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ فرط مسرت سے میں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ پھر میں نے یہ گزارش کی۔ یارسول اللہ ﷺ صحابہ کرام مسجد میں غم کے مارے بیٹھے رو رہے ہیں اگر اجازت ہو تو میں جا کر ان لوگوں کو مطلع کر دوں کہ طلاق کی خبر سراسر غلط ہے۔ چنانچہ مجھے اس کی اجازت مل گئی اور میں نے جب آ کر صحابہ کرام کو اس کی خبر دی تو سب لوگ خوش ہو کر ہشاش بشاش ہو گئے اور سب کو سکون و اطمینان حاصل ہو گیا۔

جب ایک مہینہ گزر گیا اور حضور ﷺ کی قسم پوری ہو گئی تو آپ بالا خانہ سے اتر آئے اس کے بعد ہی آیت تخییر نازل ہوئی۔ جو یہ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلاً ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ (احزاب)

ان آیات بینات کا ماحصل اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کو خداوند قدوس نے یہ حکم دیا کہ آپ اپنی مقدس بیویوں کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں ایک دنیا کی زینت و آرائش دوسری آخرت کی نعمت۔ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو پیغمبر کی زندگی چونکہ بالکل ہی زاہدانہ زندگی ہے اس لئے پیغمبر کے گھر میں تمہیں یہ دنیاوی زینت و آرائش تمہاری مرضی کے مطابق نہیں مل سکتی۔ لہٰذا تم سب مجھ سے جدائی حاصل کر لو میں تمہیں رخصتی کا جوڑا پہنا کر اور کچھ مال دے کر رخصت کر دوں گا اور اگر تم خدا کے رسول اور آخرت کی نعمتوں کی طلب گار ہو تو پھر رسول خدا کے دامن رحمت سے چمٹی رہو۔ خدا نے تو تم نیکو کاروں کیلئے بہت ہی بڑا اجر و ثواب تیار

کر رکھا ہے جو تم کو آخرت میں ملے گا۔
(بخاری کتاب الطلاق کتاب العلم، کتاب اللباس، باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا)
اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضور ﷺ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات رکھتا ہوں مگر تم اس کے جواب میں جلدی مت کرنا اور اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا تخییر کی آیت تلاوت فرما کر ان کو سنائی تو انہوں نے برجستہ عرض کیا کہ یارسول اللہ!

فَفِیْ اَیِّ هٰذَا اَسْتَامِرُ اَبَوَیَّ فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ۔

ترجمہ: اس معاملہ میں بھلا میں کیا اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اسکے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔
(بخاری ج 2، ص 792 باب من خیر نسائہٗ)

پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات سے الگ الگ آیت تخییر سنا سنا کر سب کو اختیار دیا اور سب نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تھا۔

اللہ اکبر! یہ واقعہ اس بات کی آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ ازواج مطہرات کو حضور ﷺ کی ذات سے کس قدر عاشقانہ شیفتگی اور والہانہ محبت تھی کہ کئی کئی سوکنوں کی موجودگی اور خانہ نبوت کی سادہ اور زہدانہ طرز معاشرت اور تنگی ترشی کی زندگی کے باوجود یہ رئیس زادیاں ایک لمحہ کے لئے بھی رسول کے دامن رحمت سے جدائی گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

احادیث کی روایتوں اور تفسیروں میں "ایلا" آیت "تخییر" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا "مظاہرہ" ان واقعات کو عام طور پر الگ الگ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ مختلف واقعات ہیں۔ اس سے ایک کم علم و کم فہم اور ظاہر بین انسان کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ شاید رسول خدا ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کی تعلقات خوشگوار نہ تھے

اور کبھی ''ایلا'' کبھی ''تخییر'' کبھی ''مظاہرہ'' ہمیشہ ایک نہ ایک جھگڑا ہی رہتا تھا لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ تینوں واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی چند روایات خصوصاً بخاری کتاب النکاح باب موعظتہ الرجل ابنتہ لحال زوجہا میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جو مفصل روایت ہے۔ اس میں صاف طور پر یہ تصریح ہے کہ حضور ﷺ کا ایلا کرنا اور ازواج مطہرات سے الگ ہو کر بالا خانہ پر تنہا نشینی کر لینا حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کا مظاہرہ کرنا، آیت تخییر کا نازل ہونا یہ سب واقعات ایک دوسرے سے منسلک اور جڑے ہوئے ہیں اور ایک ہی وقت میں یہ سب واقع ہوئے ہیں۔

ورنہ حضور ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کی خوشگوار تعلقات جس قدر عاشقانہ الفت و محبت کے آئینہ دار ہے قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی اور نبوت کی مقدس زندگی کے بے شمار واقعات اس الفت و محبت کے تعلقات پر گواہ ہیں۔ جو احادیث و سیرت کی کتابوں میں آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے اور داستان عشق و محبت کے چمنستانوں میں موسم بہار کے پھولوں کی طرح مہکتے ہیں۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ
وازواجہ الطاھرات امھات المومنین ابدا لابدین
برحمک یاالرحیم الراحمین۔

عاملوں کا تقرر:

حضور ﷺ نے 9ھ محرم کے مہینے میں زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لئے عاملوں اور محصلوں کو مختلف قبائل میں روانہ فرمایا۔ ان امراء و عاملین کی فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کو ابن سعد نے ذکر فرمایا ہے۔

1.	حضرت عینیہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو	بنی تمیم	کی طرف
2.	حضرت یزید بن حصین رضی اللہ عنہ کو	اسلم وغفار	//
3.	حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ کو	سلیم ومزینہ	//
4.	حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو	جہینہ	//
5.	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو	بنی فزارہ	//

6. حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو	بنی کلاب	//
7. حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو	بنی کعب	//
8. حضرت ابن اللتبیہ رضی اللہ عنہ کو	بن ذبیان	//
9. حضرت مہاجرین ابی میہ رضی اللہ عنہ کو	صنعا	//
10. حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو	حضرموت	//
11. حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو	قبیلہ طی و بنی اسد	//
12. حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کو	بنی حنظلہ	//
13. حضرت زبرکان رضی اللہ عنہ کو	بنی سعد کے نصف حصہ	//
14. حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو	//	//
15. حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو	بحرین	//
16. حضرت علی رضی اللہ عنہ کو	بحران	//

یہ حضور شہنشاہِ رسالت ﷺ کے امراء اور صالحین ہیں جن کو آپ نے زکوۃ و صدقات اور جزیہ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ (اصح السیر ص 335)

بنی تمیم کا وفد:

محرم 9 ھ حضور ﷺ نے بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنی خزاعہ کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے صدقات وصول کر کے جمع کیا کہ ناگہاں ان پر بنی تمیم نے حملہ کر دیا وہ اپنی جان بچا کر کسی طرح مدینہ آگئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور ﷺ نے بنی تمیم کی سرکوبی کے لئے حضرت عینیہ بن حصن فرازی رضی اللہ عنہ کو پچاس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے بنی تمیم پر ان کے صحرا میں حملہ کر کے ان کے گیارہ مردوں، اکیس عورتوں اور تیس لڑکوں کو گرفتار کر لیا اور ان سب قیدیوں کو مدینہ لائے۔ (زرقانی ج ، ص 43)

اس کے بعد بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ آیا۔ جس میں اس قبیلے کے بڑے بڑے سردار تھے اور ان کا رئیس اعظم اقرع بن حابس اور ان کا خطیب ''عطارد'' اور شاعر ''زبرکان بن بدر'' بھی اس وفد میں ساتھ آئے تھے۔ یہ لوگ دندناتے ہوئے کاشانہ

نبوت کے پاس پہنچ گئے اور چلانے لگے کہ آپ نے ہماری عورتوں اور بچوں کو کس جرم میں گرفتار کر رکھا ہے۔ اس وقت حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ہر چند حضرت بلال اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو منع کیا کہ تم لوگ کاشانہ نبوی کے پاس شور نہ مچاؤ۔ نماز ظہر کے لئے خود حضور ﷺ مسجد میں تشریف لانے والے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایک نہ مانے شور مچاتے ہی رہے جب آپ باہر تشریف لا کر مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تو بنی تمیم کا رئیس اعظم اقرع بن حابس بولا کہ

> ''اے محمد ﷺ! ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم گفتگو کریں۔ کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جس کی مدح کر دیں وہ مزین ہو جاتا ہے اور ہم لوگ جس کی مذمت کر دیں وہ عیب سے داغدار ہو جاتا ہے''۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو۔ یہ خداوند تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس کی مدح زینت اور اس کی مذمت داغ ہے۔ تم لوگ یہ کہو کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ یہ سن کر بنی تمیم کہنے لگے کہ ہم اپنے خطیب اور اپنے شاعر کو لے کر یہاں آئے ہیں۔ تاکہ ہم اپنے قابل فخر کارناموں کو بیان کریں اور آپ اپنے مفاخر کو پیش کریں۔ آپ نے فرمایا کہ نہ میں شعر و شاعری کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ نہ اس طرح کی مفاخرت کا مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے۔ میں تو خدا کا رسول ہوں۔ اس کے باوجود اگر تم یہی کرنا چاہتے ہو تو میں تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی اقرع بن حابس نے اپنے خطیب عطارد کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے مفاخر اور اپنے آباؤ اجداد کے مناقب پر بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک دھواں دار خطبہ پڑھا۔ آپ نے انصار کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے اٹھ کر برجستہ ایسا فصیح و بلیغ اور موثر خطبہ دیا کہ بنی تمیم کا ان کے زور کلام اور مفاخر کی عظمت سن کر دنگ رہ گئے اور ان کا خطیب عطارد بھی ہکا بکا ہو کر شرمندہ ہو گیا۔ پھر بنی تمیم کا شاعر ''زبرقان بن بدر'' اٹھا اور اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا تو انہوں نے فی البدیہہ ایک ایسا مرصع اور

فصاحت و بلاغت سے معمور قصیدہ پڑھ دیا کہ بنی تمیم کا شاعر الو بن گیا۔ بالآخر اقرع بن حابس کہنے لگا کہ خدا کی قسم! محمد ﷺ کو غیب سے ایسی تائید و نصرت حاصل ہو گئی ہے کہ ہر فضل و کمال ان پر ختم ہے۔ بلاشبہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے ان کے قیدیوں کو رہا فرما دیا اور یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (حجرات)

ترجمہ: بے شک وہ جو آپ کے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 332 و زرقانی ج 3، ص 44)

حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان:

ربیع الآخر 9ھ میں حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک سو پچاس سواروں کو اس لئے بھیجا کہ وہ قبیلہ "طی" کے بت خانہ کو گرا دیں۔ ان لوگوں نے شہر قلس میں پہنچ کر بت خانہ کو منہدم کر ڈالا اور کچھ اونٹوں اور بکریوں کو پکڑ کر اور چند عورتوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ لائے۔ ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم بھاگ کر ملک شام چلا گیا۔ حاتم طائی کی بیٹی جب بارگاہِ رسالت میں پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں "حاتم طائی" کی لڑکی ہوں۔ میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور میرا بھائی "عدی بن حاتم" مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں ضعیفہ ہوں۔ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضور ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور سفر کے لئے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا۔

یہ مسلمان ہو کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچی اور اس کو حضور ﷺ کے اخلاق نبوت سے آگاہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی بہت زیادہ تعریف کی۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کی زبانی حضور ﷺ کے خلق عظیم اور عادات کریمہ کے حالات سن کر بے حد متاثر ہوئے اور بغیر کوئی امان طلب کئے ہوئے مدینہ حاضر ہو گئے۔ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں یہ خبر دی کہ عدی بن حاتم آ گیا ہے۔ حضور رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے انتہائی کریمانہ انداز سے عدی بن حاتم کے ہاتھ کو اپنے دست رحمت میں لے لیا اور فرمایا کہ اے عدی تم کس چیز سے بھاگے؟ کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے تم بھاگے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ عدی بن حاتم نے کہا نہیں۔ پھر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے ان کے اسلام قبول کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوشی ہوئی کہ فرط مسرت سے آپ کا چہرہ انور چمکنے لگا اور آپ نے اس کو خصوصی عنایات سے نوازا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی اپنے باپ حاتم کی طرح بہت ہی سخی تھے۔ حضرت امام احمد ناقل ہیں کہ کسی نے ان سے ایک سو درہم کا سوال کیا تو وہ خفا ہو گئے اور کہا کہ تم نے فقط ایک سو درہم ہی مجھ سے مانگا تم نہیں جانتے کہ میں حاتم کا بیٹا ہوں۔ خدا کی قسم میں تم کو اتنی حقیر رقم نہیں دوں گا۔ یہ بہت ہی شاندار صحابی ہیں۔ خلافت صدیق اکبر میں جب بہت سے قبائل نے اپنی زکوٰۃ روک دی اور بہت سے مرتد ہو گئے۔ یہ اس دور میں بھی پہاڑ کی طرح اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کی زکوٰۃ لاکر بارگاہِ خلافت میں پیش کی اور عراق کی فتوحات اور دوسرے اسلامی جہادوں میں مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور 68ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر پا کر وصال فرمایا اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں آپ کی روایت کردہ حدیثیں مذکورہ ہیں۔

(زرقانی ج 3، ص 53 و مدارج ج 2، ص 337)

غزوۂ تبوک

"تبوک" مدینہ اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے چودہ منزل دور ہے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ تبوک ایک قلعہ کا نام ہے اور بعض کا قول ہے کہ "تبوک" ایک چشمہ کا نام ہے۔ ممکن ہے یہ سب باتیں موجود ہوں۔

یہ غزوہ سخت قحط کے دنوں میں ہوا۔ طویل سفر، ہوا گرم، سواری کم، کھانے پینے کی

تکلیف، لشکر کی تعداد بہت زیادہ۔ اس لئے اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی تنگی اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کو ''جیش العسرۃ'' (تنگ دستی کا لشکر) بھی کہتے ہیں اور چونکہ منافقوں کو اس غزوہ میں بڑی شرمندگی اور شرمساری اٹھانی پڑی تھی۔ اس وجہ سے اس کا نام ''غزوہ فاضحہ'' (رسوا کرنے والا غزوہ) بھی ہے۔ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس غزوہ کے لئے حضور ﷺ ماہِ رجب 9 ھ دجمعرات کے دن روانہ ہوئے۔ (زرقانی ج 3، ص 63)

غزوئہ تبوک کا سبب:

عرب کا غسانی خاندان جو قیصر روم کے زیر اثر ملک شام پر حکومت کرتا تھا۔ چونکہ وہ عیسائی تھا۔ اس لئے قیصر روم نے اسے اپنا آلہ کار بنا کر مدینہ پر فوج کشی کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ملک شام کے جو سوداگر روغن زیتون بیچنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ قیصر روم کی حکومت نے ملک شام میں بہت بڑی فوج جمع کر دی ہے اور اس فوج میں رومیوں کے علاوہ قبائل لخم و جذام اور غسان کے تمام عرب بھی شامل ہیں۔ ان خبروں کا تمام عرب میں ہر طرف چرچا تھا اور رومیوں کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ اس لئے ان خبروں کو غلط سمجھ کر نظر انداز کر دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔

لیکن جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ اس وقت حجاز مقدس میں شدید قحط تھا اور بے پناہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی ان وجوہات سے لوگوں کو گھر سے نکلنا شاق گزر رہا تھا۔ مدینہ کے منافقین جن کے نفاق کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ وہ خود بھی فوج میں شامل ہونے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

مگر ان تمام مجاہدین کے لئے سواریوں اور سامان جنگ کا انتظام کرنا ایک بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا۔ کیونکہ لوگ قحط کی وجہ سے انتہائی مفلوک الحال اور پریشان تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی امداد طلب فرمائی۔ اس طرح اسلام میں کسی کار خیر کے لئے چندہ کرنے کی سنت قائم ہوئی۔

فہرست چندہ دہندگان:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اور گھر کا تمام اثاثہ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی لاکر بارگاہ نبوت میں پیش کر دیئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اس چندہ میں دے دیا۔ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب اپنا نصف مال لے کر بارگاہ اقدس میں چلے تو اپنے دل میں یہ خیال کر کے چلے تھے کہ آج میں حضرت ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا۔ کیونکہ اس دن کاشانہ فاروق میں اتفاق سے بہت زیادہ مال تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر! کتنا مال یہاں لائے؟ اور کس قدر گھر پر چھوڑا۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آدھا مال حاضر ہے اور آدھا مال اہل و عیال کے لئے گھر میں چھوڑ دیا ہے اور جب یہی سوال اپنے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ ''اِذَّاخَرتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ'' میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اپنے گھر کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مَا بَیْنَکُمَا مَابَیْنَ کُلِمَتِیْکُمَا۔ تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلاموں میں فرق ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مجاہدین کی سواری کے لئے اور ایک ہزار اشرفی فوج کے اخراجات کی مد میں اپنی آستین میں بھر کر لائے اور حضور ﷺ کی آغوش مبارک میں بکھیر دیا۔ آپ نے ان کو قبول فرما کر یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ۔ اے اللہ تو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے خوش ہو گیا ہوں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم دیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے گھر میں اس وقت اسی ہزار درہم تھے۔ آدھا بارگاہِ اقدس میں لایا ہوں اور آدھا گھر پر بال بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت دے جو تم لائے اور اس میں بھی برکت عطاء فرمائے جو تم نے گھر پر رکھا۔ اس دعا نبوی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مالدار ہو گئے۔

اسی طرح تمام انصار و مہاجرین نے حسب توفیق اس چندہ میں حصہ لیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار اتار کر بارگاہ نبوت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے کئی من کھجوریں دیں اور حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ جو بہت ہی مفلس تھے فقط ایک ساع کھجور لے کر حاضر خدمت ہوئے اور گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے دن بھر پانی بھر بھر کر مزدوری کی تو دو صاع کھجوریں مجھے مزدوری میں ملی ہیں۔ ایک صاع اہل و عیال کو دے دی ہے اور یہ ایک ساع حاضر خدمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا قلب نازک اپنے ایک مفلس جاں نثار کے اس نذرانہ خلوص سے بے حد متاثر ہوا اور آپ نے اس کھجور کو تمام مالوں کے اوپر رکھ دیا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 345 تا 346)

فوج کی تیاری:

رسول اللہ ﷺ کا اب تک یہ طریقہ تھا کہ غزوات کے معاملہ میں بہت زیادہ رازداری کے ساتھ تیاری فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عساکر اسلامیہ کو عین وقت تک یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں اور کس طرف جانا ہے۔ مگر جنگ تبوک کے موقع پر سب کچھ انتظام علانیہ طور پر کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ تبوک چلنا ہے اور قیصر روم کی فوجوں سے جہاد کرنا ہے تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تیاری کریں۔ حضرات صحابہ کرام نے جیسا کہ لکھا جا چکا دل کھول کر چندہ دیا مگر پھر بھی پوری فوج کے لئے سواریوں کا انتظام نہ ہو سکا۔ چنانچہ بہت سے جانباز مسلمان اسی بنا پر اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے کہ ان کے پاس سفر کا سامان نہیں تھا۔ یہ لوگ دربارِ رسالت میں سواری طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے مگر جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے تو یہ لوگ اپنی بے سروسامانی پر اس طرح بلبلا کر روئے کہ حضور رحمت عالم ﷺ کو ان کی آہ وزاری اور بے قراری پر رحم آ گیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ

وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ مَا اَجِدُمَا اِحمِلُكُمْ عَلَيهِ تَوَلُّو وَاَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمعِ حَزَنًا اَلاَّ يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ)

ترجمہ: اور نہ ان لوگوں پر کچھ حرج ہے کہ وہ جب (اے رسول) آپ کے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور آپ نے کہا کہ میرے پاس

کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ واپس گئے اور ان کی
آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں
ہے۔

تبوک کو روانگی:

بہر حال حضور ﷺ تیس ہزار کا لشکر ساتھ لے کر تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر خود جہاد کے لئے تشریف لئے جا رہے ہیں تو ارشاد فرمایا

اَلاَ تَرْضیٰ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلاَّ اَنَّہٗ
لَیْسَ نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (بخاری ج2،ص 633 غزوۂ تبوک)

ترجمہ: کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت حضرت ہارون کو اپنی امت بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لئے اپنا خلیفہ بنا گئے تھے اسی طرح میں تم کو اپنی امت سونپ کر جہاد کے لئے جا رہا ہوں۔

مدینہ سے چل کر مقام ''ثنیۃ الوداع'' میں آپ نے قیام فرمایا۔ پھر فوج کا جائزہ لیا اور فوج کا مقدمہ، میمنہ، میسرہ وغیرہ مرتب فرمایا۔ پھر وہاں سے کوچ کیا۔ منافقین قسم قسم کے جھوٹے عذر اور بہانے بنا کر رہ گئے اور مخلص مسلمان میں سے بھی چند حضرات رہ گئے۔ ان میں یہ حضرات تھے۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع، ابو خثیمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم ...... ابو خثیمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما تو بعد میں جا کر شریک جہاد ہو گئے لیکن تین اول الذکر نہیں گئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے رہ جانے کا سبب یہ ہوا کہ ان کا گھوڑا بہت ہی کمزور اور تھکا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کو چند دن چارا کھلایا تا کہ وہ چنگا ہو

جائے۔ جب روانہ ہوئے تو پھر راستے میں تھک گیا۔ مجبوراً وہ اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر چل پڑے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ (زرقانی ج 3، ص 71)

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر وہ ایک دن شدید گرمی میں کہیں باہر سے آئے تو ان کی بیوی نے چھپر میں چھڑکاؤ کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر اس سایہ دار اور ٹھنڈی جگہ میں بیٹھے پھر ناگہاں ان کے دل میں حضور ﷺ کا خیال آ گیا۔ اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو اپنی چھپر میں ٹھنڈک اور سایہ میں آرام وچین سے بیٹھا رہوں اور خدا کے مقدس رسول اس دھوپ کی تمازت اور شدید لو کے تھپیڑے میں سفر کرتے ہوئے جہاد کیلئے تشریف لے جا رہے ہوں ایک دم ان پر ایسی ایمانی غیرت سوار ہو گئی کہ توشہ کیلئے کھجور لے کر ایک اونٹ پر سوار ہو گئے اور تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ لشکر والوں نے دور سے ایک شتر سوار کو دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوخیثمہ ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔ (زرقانی ج 3، ص 71)

راستے میں قوم عاد وثمود کی وہ بستیاں ملیں جو قہر الٰہی کے عذابوں سے الٹ پلٹ کر دی گئی تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے اس لئے کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے بلکہ نہایت تیزی کے ساتھ لوگ یہاں سے سفر کر کے ان عذابوں کی دیواروں سے جلد باہر نکل جائیں اور کوئی یہاں کا پانی نہ پیئے اور نہ کسی کام میں لائے۔

اس غزوہ میں پانی کی قلت، شدید گرمی، سواروں میں کمی سے مجاہدین نے بے حد تکلیف اٹھائی مگر منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

راستے کے چند معجزات:

حضور ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سب سے الگ الگ چل رہے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ سب سے الگ ہی چلیں گے اور الگ ہی زندگی گزاریں گے اور الگ ہی وفات پائیں گے۔ چنانچہ ٹھیک ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو حکم دیا کہ آپ ''ربذہ'' میں رہیں آپ ربذہ

میں اپنی بیوی اور غلام کے ساتھ رہنے لگے جب وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھے غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستہ میں رکھ دینا۔ جب شتر سواروں کا پہلا گروہ میرے جنازہ کے پاس سے گزرے تو تم لوگ اس سے کہنا کہ یہ ابو ذر غفاری کا جنازہ ہے ان پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ خدا کی شان کہ سب سے پہلا جو قافلہ گزرا اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے جب یہ سنا کہ یہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور قافلہ کو روک کر اتر پڑے اور کہا کہ بالکل سچ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے کہ

"اے ابوذر! تو تنہا ہی چلے گا اور تنہا مرے گا۔ تنہا قبر سے اٹھے گا"۔

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قافلہ والوں نے ان کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ (سیرت ابن ہشام ج 4، ص 524 و زرقانی ج 3، ص 74)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی بیوی کے پاس کفن کیلئے کپڑا نہیں تھا۔ تو آنے والے لوگوں میں سے ایک انصاری نے کفن کے لئے کپڑا دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہوا اڑا لے گئی:

جب اسلامی لشکر مقام "حجر" میں پہنچا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اکیلا لشکر سے باہر کہیں دور نہ چلا جائے۔ پورے لشکر نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی مگر قبیلہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے آپ کے حکم کو نہیں مانا۔ ایک شخص اکیلا ہی رفع حاجت کے لئے لشکر سے دور چلا گیا وہ بیٹھا ہی تھا کہ دفعۃً کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ اسی جگہ مر گیا اور دوسرا شخص اپنا اونٹ پکڑنے کے لئے اکیلا ہی لشکر سے دور چلا گیا تو ناگہاں ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس کو اڑا کر قبیلہ "طی" کے دونوں پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ آپ نے ان دونوں کا انجام سن کر فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کر دیا تھا۔ (زرقانی ج 3، ص 73)

گمشدہ اونٹنی کہاں ہے؟:

ایک منزل پر حضور ﷺ کی اونٹنی کہیں چلی گئی اور لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں

پھرنے لگے تو ایک منافق جس کا نام ''زید بن بصیت'' تھا کہنے لگا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ مگر ان کو یہ پتہ نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے حالانکہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے بتا دینے سے میں خوب جانتا ہوں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں اس کی مہار کی رسی الجھ گئی ہے۔ تم لوگ جاؤ اور اس اونٹنی کو میرے پاس لے کر آجاؤ۔ جب لوگ اس جگہ گئے تو ٹھیک ایسا ہی دیکھا کہ اسی گھاٹی میں وہ اونٹنی کھڑی ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں الجھی ہوئی ہے۔ (زرقانی ج 3، ص 75)

تبوک کا چشمہ:

جب حضور ﷺ تبوک کے قریب پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ تک پہنچو گے لیکن سورج بلند ہونے کے بعد پہنچو گے لیکن کوئی شخص وہاں پہنچے تو پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ رسول اللہ ﷺ جب وہاں پہنچے تو جوتے کے تسمے کے برابر اس میں ایک پانی کی دھار بہہ رہی تھی۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی منگا کر ہاتھ منہ دھویا اور اس پانی میں کلی فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اس پانی کو چشمہ میں انڈیل دو۔ لوگوں نے جب اس پانی کو چشمہ میں ڈالا تو چشمہ سے زور دار پانی کی موٹی دھار بہنے لگی اور تیس ہزار کا لشکر اور تمام جانور اس چشمہ کے پانی سے سیراب ہو گئے۔

(زرقانی ج 3، ص 76)

رومی لشکر ڈر گیا:

حضور اقدس ﷺ نے تبوک میں پہنچ کر لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ مگر دور دور تک رومی لشکروں کا کوئی پتا نہیں چلا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب رومیوں کے جاسوسوں نے قیصر کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک میں آرہے ہیں تو رومیوں کے دلوں پر اس قدر ہیبت چھا گئی کہ وہ جنگ سے ہمت ہار گئے اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکل سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں افواج الٰہی کا جلال دکھا کر کفار کے دلوں پر اسلام کا رعب بٹھا کر مدینہ واپس تشریف لائے اور

تبوک میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

اسی سفر میں ''ایلہ'' کا سردار جس کا نام ''یوحنا'' تھا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کرلیا اور ایک سفید خچر بھی دربارِ رسالت کی نذر کیا جس کے صلہ میں تاجدار دو عالم ﷺ نے اس کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی اور اس کو ایک دستاویز تحریر فرما کر عطاء فرمائی کہ وہ اپنے گردو پیش کے سمندر سے ہر قسم کے فوائد حاصل کرتا رہے۔

(بخاری ج 1، ص 448)

اسی طرح ''جرباءَ'' اور ''اذرح'' کے عیسائیوں نے بھی حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک سو بیس سواروں کے ساتھ ''دومتہ الجندل'' کے بادشاہ ''اکیدر بن عبدالملک'' کی طرف روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ رات میں نیل گائے کا شکار کررہا ہوگا تم اس کے پاس پہنچو تو اس کو قتل مت کرنا بلکہ اس کو زندہ گرفتار کرکے میرے پاس لانا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چاندنی رات میں اکیدر اور اس کے بھائی حسان کو شکار کرتے ہوئے پالیا۔ حسان نے چونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جنگ شروع کردی۔ اس لئے آپ نے اس کو قتل کردیا مگر اکیدر کو گرفتار کرلیا اور اس شرط پر اس کو رہا کیا کہ وہ مدینہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر صلح کرے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا اور حضور ﷺ نے اس کو امان دی۔ (زرقانی ج 3، ص 78,77)

اس غزوہ میں جو لوگ غیر حاضر رہے ان میں اکثر منافقین تھے۔ جب حضور ﷺ تبوک سے مدینہ واپس آئے اور مسجد نبوی میں نزول اجلال فرمایا تو منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنا اپنا عذر بیان کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے کسی سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن تین مخلص صحابیوں حضرت کعب بن مالک و ہلال بن امیہ و مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کا پچاس دنوں تک بائیکاٹ فرمادیا۔ پھر ان تینوں کی توبہ قبول ہوئی اور ان لوگوں کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ اس کا ایک مفصل وعظ ہم نے اپنی کتاب

''عرفانی تقریریں'' میں لکھ دیا ہے۔

(بخاری ج 2، ص 634 تا 637 حدیث کعب بن مالک)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچے اور احد کے پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا کہ

هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ۔

ترجمہ: یہ احد ہے۔ یہ ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب آپ مدینہ کی سرزمین میں قدم رکھا تو عورتیں بچے اور لونڈی غلام سب استقبال کے لئے نکل پڑے اور استقبالیہ نظمیں پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ مسجد نبوی تک آئے۔ جب آپ مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر تشریف فرما ہو گئے تو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اور اہل مدینہ نے بخیر و عافیت اس دشوار گزار سفر سے آپ کی تشریف آوری پر انتہائی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا اور ان منافقین کے بارے میں جو جھوٹے بہانے بنا کر اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور بارگاہِ نبوت میں قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کر رہے تھے۔ قہر و غضب میں بھری ہوئی قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔

ذوالبجادین کی قبر:

غزوہ تبوک میں بجز ایک حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے نہ کسی صحابی کی شہادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت ذوالبجادین کون تھے؟ اور ان کی وفات اور دفن کا کیسا منظر تھا؟ یہ ایک بہت ہی ذوق آفرین اور لذیذ حکایت ہے۔ یہ قبیلہ مزینہ کے ایک یتیم تھے اور اپنے چچا کی پرورش میں تھے۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے اور اسلام کا چرچا سنا تو ان کے دل میں بت پرستی سے نفرت اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا مگر ان کا چچا بہت ہی کٹر کافر تھا۔ اس کے خوف سے یہ اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے اپنے چچا کو ترغیب دی کہ تم بھی دامن اسلام میں آجاؤ۔ کیونکہ میں قبول اسلام کے لئے بہت ہی

بے قرار ہوں۔ یہ سن کر ان کے چچا نے ان کو برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔ یہ اپنی والدہ سے ایک کمبل مانگ کر اس کو دو ٹکڑے کر کے آدھے تہبند اور آدھے کو چادر بنا کر اور اسی لباس میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ رات مسجد نبوی میں ٹھہرے رہے۔ نماز فجر کے وقت جب جمال محمدی کے انوار سے ان کی آنکھیں منور ہوئیں تو کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنا نام عبدالعزیٰ بنا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ حضور ﷺ ان پر بہت کرم فرماتے تھے اور یہ مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کی جماعت کے ساتھ رہنے لگے اور نہایت بلند آواز سے ذوق وشوق کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو یہ بھی مجاہدین میں شامل ہو کر چل پڑے اور بڑے ہی ذوق وشوق اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ مجھے خدا کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کسی درخت کی چھال لاؤ۔ وہ تھوڑی ہی ببول کی چھال لائے آپ نے ان کے بازو پر وہ چھال باندھ دی اور دعا کی اے اللہ! میں نے اس کے خون کو کفار پر حرام کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرا مقصد تو شہادت ہی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب تم جہاد کیلئے نکلو تو اگر بخار میں بھی مرو گے جب بھی تم شہید ہو گئے۔ خدا کی شان کہ جب حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تبوک میں پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو گئے اور اسی بخار میں ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے دفن کا عجیب منظر تھا کہ حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ ہاتھ میں چراغ لئے ان کی قبر کے پاس کھڑے تھے اور خود بہ نفس نفیس حضور اکرم ﷺ ان کی قبر میں اترے اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ تم دونوں اپنے اسلامی بھائی کی لاش کو اٹھاؤ۔ پھر آپ نے ان کو اپنے دست مبارک سے لحد میں سلایا اور خود ہی قبر کی کچی اینٹوں سے بند فرمایا اور پھر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! میں ذوالبجادین سے راضی ہو تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ذوالبجادین کے دفن کا یہ منظر دیکھا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا کہ کاش ذوالبجادین کی جگہ یہ میری میت ہوتی۔

(مدارج النبوۃ ج 2،ص 350 و 351)

مسجد ضرار:

منافقوں نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے مسجد قباء کے مقابلے میں ایک مسجد تعمیر کی تھی جو درحقیقت منافقین کی سازشوں اور ان کی دسیسہ کاریوں کا ایک زبردست اڈہ تھا۔ ابو عامر راہب جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا جس کا نام حضور ﷺ نے ابو عامر فاسق رکھا تھا۔ اس نے منافقین سے کہا کہ تم لوگ خفیہ طریقے پر جنگ کی تیاری کرتے رہو۔ میں قیصر روم کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں تاکہ اس ملک سے اسلام کا نام ونشان مٹا دوں۔ چنانچہ اسی مسجد میں بیٹھ کر اسلام کے خلاف منافقین میٹنگیں کرتے تھے اور اسلام و بانی اسلام ﷺ کا خاتمہ کر دینے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو مکار منافقوں کا ایک گروہ آیا اور محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے بارگاہ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر ایک مرتبہ اس مسجد میں نماز پڑھا دیں۔ تاکہ ہماری یہ مسجد خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے آپ نے جواب دیا کہ اس وقت تو میں جہاد کے لئے گھر سے نکل چکا ہوں لہٰذا اس وقت تو مجھے اتنا موقع نہیں ہے۔ منافقین نے بہت کافی اصرار کیا مگر آپ نے ان کی اس مسجد میں قدم نہیں رکھا جب آپ جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین کی چالبازیوں اور ان کی مکاریوں، دغا بازیوں کے بارے میں "سورۃ توبہ" کی بہت سی آیات نازل ہوگئی اور منافقین کے نفاق اور ان کی اسلام دشمنی کے تمام رموز و اسرار بے نقاب ہو کر نظروں کے سامنے آگئے اور ان کی اس مسجد کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہ آئتیں نازل ہوئیں کہ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًامۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ

اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ، يُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ (توبہ)

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے بنائی اور اس مقصد سے کہ جو لوگ پہلے ہی سے خدا اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں ان کے لئے ایک کمین گاہ ہاتھ آجائے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں کہ ہم نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے اور خدا گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کبھی بھی اس مسجد میں نہ کھڑے ہوں۔ وہ مسجد (مسجد قباءٔ) جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیز گاری پر رکھی ہوئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاکی رکھنے والوں کو درست رکھتا ہے۔

اس آیت کے نازل ہو جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حضرت مالک بن دخشم و حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ مسجد کو منہدم کر کے اس میں آگ لگا دیں۔ (زرقانی ج3، ص80)

صدیق اکبر امیر الحج:

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالقعدہ 9ھ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "امیر الحج" اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو "نقیب اسلام" اور حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت جابر بن عبداللہ و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو معلم بنا دیا اور اپنی طرف سے قربانی کے لئے بیس اونٹ بھی بھیجے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ اور عرفات و منیٰ میں خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور "سورۂ براۃ" کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا نہ کوئی برہنہ بدن اور ننگا طواف کر سکے گا اور چار مہینے کے بعد کفار و مشرکین کیلئے امان ختم

کردی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اعلان کی اس قدر زور زور سے منادی کہ ان لوگوں کا گلا بیٹھ گیا۔ اس اعلان کے بعد کفار و مشرکین فوج کی فوج آ کر مسلمان ہونے لگے۔

(طبری ج 2، ص 1721 و زرقانی ج 3، ص 90 تا 93)

9ھ کے واقعاتِ متفرقہ:

1. اس سال پورے ملک میں ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا ہوگئی اور زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عاملین اور محصلوں کا تقرر ہوا۔

(زرقانی ج 3، ص 100)

2. جو غیر مسلم قومیں اسلامی سلطنت کے زیر سایہ رہیں ان کے لئے جزیہ کا حکم نازل ہوا اور قرآن کی یہ آیت اتری کہ

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔

ترجمہ: وہ چھوٹے بن کر "جزیہ" ادا کریں۔ (توبہ)

3. سود کی حرمت نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد 10ھ میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر اپنے خطبوں میں حضور ﷺ نے اس کا خوب خوب اعلان فرمایا۔

(بخاری و مسلم باب تحریم الخمر)

4. حبشہ کا بادشاہ جن کا نام حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جن کے زیر سایہ مسلمان مہاجرین نے چند سال حبشہ میں پناہ لی تھی۔ ان کی وفات ہوگئی۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔

5. اسی سال منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی مر گیا۔ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کی دلجوئی کے واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے اس منافق کے کفن کے لئے اپنا پیرہن عطاء فرمایا اور اس کی لاش کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھ کر اس کے کفن میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار منع کرنے کے باوجود چونکہ ابھی ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوگئی کہ

وَلَاتُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ط
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ (توبہ)

ترجمہ: (اے رسول) ان (منافقوں) میں سے جو مریں کبھی آپ ان پر نماز جنازہ نہ پڑھیئے اور ان قبر کے پاس آپ کھڑے بھی نہ ہوں۔ یقیناً ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کفر کی حالت میں یہ لوگ مرے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد پھر کبھی آپ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی نہ اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے۔

(بخاری 1، ص 169 و زرقانی ج 3، ص 95، ص 96)

وفود العرب

حضور اقدس ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے تمام اطراف و اکناف میں مبلغین اسلام اور عاملین ومجاہدین کو بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل تو مبلغین کے سامنے ہی دعوت اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے تھے مگر بعض قبائل اس بات کے خواہش مند ہوتے تھے کہ براہ راست خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندہ بن کر مدینہ منورہ آتے تھے اور خود بانی اسلام ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے دعوت اسلام کا پیغام سن کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور پھر اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جا کر پورے قبیلہ والوں کو مشرف بہ اسلام کرتے تھے۔ انہی قبائل کے نمائندوں کو ہم ''وفود العرب'' کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

اس قسم کے وفود اور نمائندگان قبائل مختلف زمانوں میں مدینہ منور آتے رہے مگر فتح مکہ کے بعد ناگہاں سارے عرب کے خیالات میں ایک عظیم تغیر واقع ہو گیا اور سب لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ اسلام کی حقانیت واضح اور ظاہر ہو جانے کے باوجود بہت سے قبائل محض قریش کے دباؤ اور اہل مکہ کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ فتح مکہ نے اس رکاوٹ کو بھی دور کر دیا اور اب دعوت اسلام اور قرآن کے مقدس پیغام نے گھر گھر پہنچ کر اپنی حقانیت اور اعجازی تصرفات سے سب کے

قلوب پر سکہ بٹھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو ایک لمحہ کے لئے اسلام کا نام سننا اور مسلمانوں کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے آج پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور جوق در جوق بلکہ فوج در فوج حضور ﷺ کی خدمت میں دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے فود کی شکل میں آنے لگے اور برضا در رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بننے لگے۔ چونکہ اس قسم کے وفود اکثر و بیشتر فتح مکہ کے بعد 9 ھ میں مدینہ منورہ آئے اس لئے 9 ھ کو لوگ ''سنتہ الوفود'' (نمائندہ کا سال) کہنے لگے۔

اس قسم کے وفود کی تعداد میں مصنفین سیرت کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے ان وفود کی تعداد ساٹھ سے زیادہ بتائی ہے۔ (مدارج ج 2، ص 385)

اور علامہ قسطلانی و حافظ ابن قیم نے اس قسم کے چودہ وفدوں کا تذکرہ کیا ہے۔

ہم بھی اپنی اس مختصر کتاب میں چند وفود کا تذکرہ کرتے ہیں۔

استقبال وفود:

حضور سید عالم ﷺ قبائل سے آنے والے وفدوں کے استقبال اور ان کی ملاقات کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ہر وفد کے آنے پر آپ نہایت ہی عمدہ پوشاک زیب تن فرما کر کاشانہ اقدس سے نکلتے اور اپنے خصوصی اصحاب کو بھی حکم دیتے تھے کہ بہترین لباس پہن کر آئیں۔ پھر ان مہمانوں کو اچھے سے اچھے مکانوں میں ٹھہراتے اور ان لوگوں کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات کا خاص طور پر خیال فرماتے تھے اور ان مہمانوں سے ملاقات کے لئے مسجد نبوی میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر نشست فرماتے۔ پھر ہر ایک وفد سے نہایت ہی خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو فرماتے اور ان کی حاجتوں اور حالتوں کو پوری توجہ کے ساتھ سنتے اور پھر ان کو ضروری عقائد و احکام اسلام کی تعلیم و تلقین بھی فرماتے اور ہر وفد کو ان کے درجات و مراتب کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ نقد یا سامان بھی تحائف اور انعامات کے طور پر عطاء فرماتے۔

وفد ثقیف:

جب حضور ﷺ جنگ حنین کے بعد طائف سے واپس تشریف لائے اور

''جعرانہ'' سے عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ تشریف لے جارہے تھے تو راستے ہی میں قبیلہء ثقیف کے سردار اعظم ''عروہ بن مسعود ثقفی'' بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر برضاد رغبت دامن اسلام میں آ گئے۔ یہ بہت ہی شاندار اور باوفا آدمی تھے اور ان کا کچھ تذکرہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم تحریر کر چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت عطاء فرمائیں کہ میں اب اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپ نے اجازت دے دی اور یہ وہیں سے لوٹ کر اپنے قبیلہ میں گئے اور اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس علانیہ دعوت اسلام کو سن کر قبیلہ ثقیف کے لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اس قدر طیش میں آ گئے کہ چاروں طرف سے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگے یہاں تک کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے۔ قبیلہ بنی ثقیف کے لوگوں نے ان کو قتل تو کر دیا لیکن پھر یہ سوچا کہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ہم اب بھلا اسلام کے خلاف کب تک؟ اور کتنے لوگوں سے لڑتے رہیں گے؟ پھر مسلمانوں کے انتقام اور ایک لمبی جنگ کے انجام کو سوچ کر دن میں تارے نظر آنے لگے۔ اس دن ان لوگوں نے اپنے اپنے ایک معزز رئیس عبد یالیل بن عمرہ کو چند ممتاز سرداروں کے...... ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد نے مدینہ پہنچ کر بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ ہم اس شرط پر اسلام قبول کرتے ہیں کہ تین سال تک ہمارے بت ''لات'' کو توڑا نہ جائے۔ آپ نے اس شرط کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اسلام کسی حال میں بھی بت پرستی کو ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا بت تو ضرور توڑا جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑو بلکہ میں حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کو بھیج دوں گا وہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عثمان ابن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس قوم کے ایک معزز اور ممتاز فرد تھے۔ اس قبیلے کا امیر مقرر فرما دیا اور ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو طائف بھیجا اور ان دونوں حضرات نے ان کے بت ''لات'' کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

(مدارج النبوۃ ج ص 366)

وفد کندہ:

یہ لوگ یمن کے اطراف میں رہتے تھے۔ اس قبیلے کے ساٹھ یا اسی سوار بڑے ٹاٹھ باٹ کے ساتھ مدینہ آئے۔ خوب بالوں میں کنگھی کئے ہوئے اور ریشمی جبے پہنے ہوئے، ہتھیاروں سے سجے سجائے مدینہ کی آبادی میں داخل ہوئے۔ جب یہ لوگ دربار رسالت میں باریاب ہوئے تو آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے یہ ریشمی لباس کیوں پہن رکھا ہے یہ سنتے ہی ان لوگوں نے اپنے جبوں کو بدن سے اتار دیا اور ریشمی گوٹوں کو پھاڑ کر جبوں سے الگ کر دیا۔ (مدارج ج 2، ص 366)

وفد بنی اشعر:

یہ لوگ یمن کے باشندے اور ''قبیلہ اشعر'' کے معزز اور نامور حضرات تھے جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے تو جوش محبت اور فرط عقیدت سے رجز کا یہ شعر آواز ملا کر پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے کہ

غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّهْ　　　مُحَمَّدًا وَّ صَحْبَهْ

ہم لوگ اپنے محبوبوں سے یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یمن والے آگئے یہ لوگ بہت ہی نرم دل ہیں ایمان تو یمنیوں کا ایمان ہے اور حکمت بھی یمنیوں میں ہے۔ بکری پالنے والوں میں سکون و وقار ہے اور اونٹ پالنے والوں میں فخر اور گھمنڈ ہے۔ چنانچہ اس ارشاد نبوی کی برکت سے اہل یمن علم و صفائی قلب اور حکم و معرفت الٰہی کی دولتوں سے ہمیشہ مالا مال رہے۔ خاص کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ یہ نہایت ہی خوش آواز تھے اور قرآن شریف ایسی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ صحابہ کرام میں کوئی ان کا ہم مثل نہ تھا۔ علم عقائد میں اہلسنت کے امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ انہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 367)

وفد بنی اسد:

اس قبیلے کے چند اشخاص بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور نہایت ہی خوش دلی کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ لیکن پھر احسان جتانے کے طور پر کہنے لگے۔ کہ یہ رسول اللہ ﷺ اتنے سخت قحط کے زمانے میں ہم لوگ بہت ہی دور دراز مسافت طے کر کے یہاں آئے ہیں۔ راستے میں ہم لوگوں کو کہیں شکم سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوا اور بغیر اس کے کہ آپ کا لشکر ہم پر حملہ آور ہوا ہو۔ ہم لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا ہے۔ ان لوگوں کے اس احسان جتلانے پر خداوند قدوس نے یہ آیت نازل فرمائی کہ

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوا ط قُلْ لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

(حجرات)

ترجمہ: اے محبوب! یہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ آپ فرما دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

وفد فزارہ:

یہ لوگ عینیہ بن حصن فرازی کی قوم کے لوگ تھے۔ بیس آدمی دربار اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا اور بتایا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے دیار میں اتنا سخت قحط اور قال پڑ گیا ہے کہ اب فقر و فاقہ کی مصیبت ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب بارش کے لئے دعا فرمائیے۔ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن ممبر پر دعا فرما دی اور فوراً ہی بارش ہونے لگی اور لگاتار ایک ہفتہ تک موسلا دھار بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دوسرے جمعہ کو جب کہ آپ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ چوپائے ہلاک ہونے لگے اور بال بچے بھوک سے بلکنے لگے اور تمام راستے منقطع ہو گئے۔ لہٰذا دعا فرما دیجئے کہ یہ بارش پہاڑوں پر برسے اور کھیتوں بستیوں پر نہ برسے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرما دی تو بادل شہر مدینہ اور اس کے اطراف سے کٹ گیا اور آٹھ دن کے بعد مدینہ میں سورج نظر آیا۔ (دارج النبوۃ ج 2،

ص 359)

وفد بنی مرہ:

اس وفد میں بنی مرہ کے تیرہ آدمی مدینہ آئے تھے۔ ان کا سردار حارث بن عوف بھی اس وفد میں شامل تھا۔ ان سب لوگوں نے بارگاہ اقدس میں اسلام قبول کیا اور قحط کی شکایت اور باران رحمت کی دعا کے لئے درخواست پیش کی۔ حضور ﷺ نے ان لفظوں کے ساتھ دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ اسْقِهِمِ الْغَيْثَ (اے اللہ ان لوگوں کو بارش سے سیراب فرمادے) پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص کو ایک ایک اوقیہ چاندی اور چار چار سو درہم انعام اور تحفہ کے طور پر عطاء کریں اور آپ نے ان کے سردار حضرت حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی کا شاہانہ عطیہ مرحمت فرمایا۔

جب یہ لوگ مدینہ سے اپنے وطن پہنچے تو پتہ چلا کہ ٹھیک اسی وقت ان کے شہروں میں بارش ہوئی تھی جس وقت سرکار دوعالم ﷺ نے ان لوگوں کی درخواست پر مدینہ میں بارش کے لئے دعا مانگی تھی۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 360)

وفد بنی البکائ:

اس وفد کے ساتھ حضرت معاویہ بن ثور عباد رضی اللہ عنہ بھی آئے تھے جو ایک سو برس کی عمر کے بوڑھے تھے۔ ان سب حضرات نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ پھر حضرت معاویہ بن ثور بن عباد رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا اور یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ میرے اس بچے کے سر پر اپنا دست مبارک پھیر دیں ان کی درخواست پر حضور اکرم ﷺ نے ان کے فرزند کے سر پر اپنا مقدس ہاتھ پھیر دیا اور ان کی چند بکریاں بھی عطا فرمائیں اور وفد والوں کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمادی۔ اس دعا نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ان لوگوں کے دیار میں جب بھی قحط اور فقر و فاقہ کی بلا آئی تو اس قوم کے گھر ہمیشہ قحط اور بھکمری کی مصیبتوں سے محفوظ رہے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 360)

وفد بنی کنانہ:

اس وفد کے امیر کارواں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سب لوگ

دربار رسول علیہ السلام میں نہایت ہی عقیدت مندی کے ساتھ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ بیعت اسلام کر کے جب اپنے وطن میں پہنچے تو ان کے باپ نے ان سے ناراض و بیزار ہو کر کہہ دیا کہ میں خدا کی قسم! تم سے کوئی بات نہ کروں گا لیکن ان کی بہن نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اپنے باپ کی حرکت سے رنجیدہ اور دل شکستہ ہو کر پھر مدینہ منورہ چلے آئے اور جنگ تبوک میں شریک ہوئے اور پھر اصحاب صفہ کی جماعت میں شامل ہو کر حضور ﷺ کی خدمت کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ بصرہ چلے گئے پھر آخر عمر میں شام گئے اور 85ھ میں شہر دمشق کے اندر وفات پائی۔ (مدارج النبوۃ ج2،ص360)

وفد بنی ہلال:

اس وفد کے لوگوں نے بھی دربار نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت میں حضرت زیاد بن عبداللہ بھی تھے یہ مسلمان ہو کر دندناتے ہوئے حضرت ام المومنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے کیونکہ وہ ان کی خالہ تھیں۔ یہ اطمینان کے ساتھ اپنی خالہ کے پاس بیٹھے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے جب رسول اللہ ﷺ مکان میں تشریف لائے اور یہ پتا چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ام المومنین کے بانجھے ہیں تو آپ نے ازراہِ شفقت ان کے سر اور چہرہ پر اپنا نورانی ہاتھ پھیر دیا۔ اس دست مبارک کی نورانیت سے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا چہرہ اس قدر پرنور ہو گیا کہ قبیلہء بنی ہلال کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم لوگ حضرت زیاد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ہمیشہ ایک نور اور برکت کا اثر دیکھتے رہے۔ (مدارج النبوۃ ج2،ص360)

وفد ضمام بن ثعلبہ:

یہ قبیلہ سعد بن بکر کے نمائندہ بن کر بارگاہ رسالت میں آئے۔ یہ بہت ہی خوبصورت سرخ و سفید رنگ کے گیسو دراز آدمی تھے۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر اپنے اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ محمد ﷺ کون ہیں؟ لوگوں نے دور سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گورے رنگ کے خوبصورت آدمی جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں وہی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا کہ اے

عبدالمطلب کے فرزند! میں آپ سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا اور میں اپنے سوال میں بہت زیادہ مبالغہ اور سختی برتوں گا۔ آپ اس سے مجھ پر خفا نہ ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جو چاہو پوچھ لو۔ پھر حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

ضمام بن ثعلبہ: میں آپ کو خدا کی قسم دے کر جو آپ کا اور تمام انسانوں کا پروردگار ہے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو ہماری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟

نبی ﷺ : ''ہاں''

ضمام بن ثعلبہ : میں آپ کو خدا کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا نماز روزہ اور حج زکوٰۃ کو اللہ نے ہم لوگوں پر فرض کیا ہے؟

نبی ﷺ : ''ہاں''

ضمام بن ثعلبہ : آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں۔

میری قوم نے مجھے اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کے دین کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی قوم بنی سعد بن بکر تک اسلام کا پیغام دوں۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر اپنے وطن میں پہنچے اور ساری قوم کو جمع کر کے سب سے پہلے اپنی قوم کے تمام بتوں یعنی ''لات وعزیٰ'' اور ''منات و ہبل'' کو برا بھلا کہنے لگے اور خوب خوب ان بتوں کی توہین کرنے لگے ان کی قوم نے جو بتوں کی توہین سنی تو ایک دم سب چونک پڑے اور کہنے لگے کہ اے ثعلبہ کے بیٹے تو کیا کہہ رہا ہے؟ خاموش ہو جا ورنہ ہم کو ڈر ہے کہ ہمارے یہ دیوتا تجھ کو برص اور کوڑھ اور جنون میں مبتلا کر دیں گے۔ آپ یہ سن کر طیش میں آگئے اور تڑپ کر فرمایا کہ اے بے عقل انسانو! یہ پتھر کے بت بھلا ہم کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔ سنو! اللہ تعالیٰ جو ہر نفع ونقصان کا مالک ہے اس نے اپنا ایک رسول بھیجا ہے اور ایک کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم انسانوں کو اس گمراہی سے نجات عطاء فرمائے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں میں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام کا پیغام تم لوگوں کے پاس لایا ہوں۔ پھر انہوں نے

اعمال اسلام یعنی نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسلام کی حقانیت پر ایسی پر جوش اور مؤثر تقریر فرمائی کہ رات بھر میں قبیلے کے تمام مرد و عورت مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں نے اپنے بتوں کو توڑ پھوڑ کر پاش پاش کر ڈالا اور اپنے قبیلہ میں ایک مسجد بنالی اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے پابند ہو کر صادق الایمان مسلمان بن گئے۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 364)

وفد بلی:

یہ لوگ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ جو پہلے ہی سے مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس وفد کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ لوگ میری قوم کے افراد ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم اور تمہاری قوم کو ''خوش آمدید'' کہتا ہوں پھر حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ سب لوگ اسلام کا اقرار کرتے تھے اور اپنی پوری قوم کے مسلمان ہونے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔

اس وفد میں ایک بہت ہی بوڑھا آدمی بھی تھا جس کا نام ''ابو الضیف'' تھا۔ اس نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مجھے مہمانوں کی مہمان نوازی کا بہت زیادہ شوق ہے تو کیا اس مہمان نوازی کا مجھے کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد جس مہمان کی بھی مہمان نوازی کرو گے خواہ وہ امیر ہو یا فقیر تم ثواب کے حق دار ٹھہرو گے۔

پھر ابو الضیف رضی اللہ عنہ نے یہ پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ مہمان کتنے دنوں تک مہمان نوازی کا حق دار ہے؟ آپ نے فرمایا تین دن تک۔ اس کے بعد وہ جو کھائے گا وہ صدقہ ہو گا۔

(مدارج النبوۃ ج 2، ص 364)

وفد تجیب:

یہ تیرہ آدمیوں کا ایک وفد تھا جو اپنے مالوں اور مویشیوں کی زکوٰۃ لے کر بارگاہ

اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر ان لوگوں کا استقبال فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے اس مالِ زکوٰۃ کو اپنے وطن میں لے جاؤ اور وہاں کے فقراء و مساکین کو یہ سارا مال دے دو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے وطن کے فقراء و مساکین کو اس قدر مال دے چکے ہیں کہ یہ مال ان کی حاجتوں سے زیادہ ہمارے پاس بچ رہا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ان لوگوں کی اس زکوٰۃ کو قبول فرما لیا اور ان لوگوں پر بہت زیادہ کرم فرماتے ہوئے ان خوش نصیبوں کی خوب خوب مہمان نوازی فرمائی اور بوقت رخصت ان لوگوں کو اکرام و انعام سے بھی نوازا۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری قوم میں کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے؟ جس نے میرا دیدار نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ ایک جوان کو ہم اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں جو ہمارے گھروں کی حفاظت کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس جوان کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے وطن پہنچ کر اس جوان کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ جب وہ جوان بارگاہِ عالی میں باریاب ہوا تو اس نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے میری قوم کی حاجتوں کو تو پوری فرما کر انہیں وطن میں بھیج دیا اب میں بھی ایک حاجت لے کر آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گیا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ میری حاجت بھی پوری فرما دیں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنے گھر سے یہ مقصد لے کر نہیں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کچھ مال عطاء فرمائیں بلکہ میری فقط اتنی حاجت اور دلی تمنا ہے جس کو دل میں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور مجھ پر اپنا رحم فرمائے اور میرے دل میں بے نیازی اور استغناء کی دولت پیدا فرما دے۔ جوان کی اس دلی مراد اور تمنا کو سن کر محبوب خدا ﷺ بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں ان لفظوں کے ساتھ دعا فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِیْ قَلْبِهٖ۔

ترجمہ: اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کے دل میں بے نیازی ڈال دے۔

پھر آپ نے اس جوان کو اس کی قوم کا امیر مقرر فرما دیا اور یہی جوان اپنے قبیلے کی

مسجد کا امام ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 364)

وفد مزینہ:

اس وفد کے سربراہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے چار سو آدمی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جب ہم لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم ان لوگوں کو کچھ تحفہ عنایت کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے گھر میں بہت ہی تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ یہ لوگ اتنے قلیل تحفہ سے شاید خوش نہ ہوں گے آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا کہ اے عمر! جاؤ ان لوگوں کو ضرور کچھ تحفہ عطاء کرو۔ ارشاد نبوی سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چار سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر جب مکان پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مکان میں کھجوروں کا ایک بہت ہی بڑا تودہ پڑا ہوا ہے۔ آپ نے وفد کے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جتنی اور جس قدر چاہو ان کھجوروں میں سے لے لو۔ ان لوگوں نے اپنی حاجت اور مرضی کے مطابق کھجوریں لے لیں۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے آخر میں جب میں کھجوریں لینے کے لئے مکان میں داخل ہوا تو مجھے ایسا نظر آیا کہ گویا اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی ہے۔

یہ وہی حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو فتح مکہ کے دن قبیلہء مزینہ کے علمبردار تھے۔ یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ گھر تو ایمان کے ہیں اور کچھ گھر نفاق کے ہیں اور آل مقرن کا گھر ایمان کا گھر ہے۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 367)

وفد دوس:

اس وفد کے قائد حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ تھے یہ ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ یہ ایک بڑے ہوشمند اور شعلہ بیان شاعر تھے۔ یہ کسی ضرورت سے مکہ آئے تو کفار قریش نے ان سے کہہ دیا کہ خبردار تم محمد ﷺ سے نہ ملنا اور ہرگز ہرگز ان کی بات نہ سننا۔ ان کے کلام میں ایسا جادو ہے کہ جو سن لیتا ہے اپنا دین و مذہب چھوڑ بیٹھتا ہے اور عزیز و اقارب سے اس کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ کفار مکہ کے فریب میں آگئے اور اپنے کانوں

میں انہوں نے روئی بھر لی کہ کہیں قرآن کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے۔ لیکن ایک دن صبح کو یہ حرم کعبہ میں گئے تو رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں قرأت فرما رہے تھے۔ ایک دم قرآن کی آواز جوان کے کان میں پڑی تو یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت پر حیران رہ گئے اور کتاب الٰہی کی عظمت اور اس کی تاثیر ربانی نے ان کے دل کو موہ لیا۔ جب حضور اکرم ﷺ کاشانہ نبوت کو چلے تو یہ بے تابانہ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور مکان میں آ کر آپ کے سامنے مؤدبانہ بیٹھ گئے اور اپنا اور قریش کی بدگوئیوں کا سارا حال سنا کر عرض کیا کہ خدا کی قسم! میں نے قرآن سے بڑھ کر فصیح و بلیغ آج تک کوئی کلام نہیں سنا۔ للہ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور ﷺ نے اسلام کے چند احکام ان کے سامنے بیان فرما کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

پھر انہوں نے درخواست کی یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی کرامت و علامت عطاء فرمایئے کہ جس کو دیکھ کر لوگ میری باتوں کی تصدیق کریں تاکہ میں اپنی قوم میں یہاں سے جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپ نے دعا فرمادی کہ الٰہی تو ان کو ایک خاص قسم کا نور عطاء فرمادے۔ چنانچہ اس دعائے نبوی کی بدولت ان کو یہ کرامت عطاء ہوئی کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کے مانند ایک نور چمکنے لگا۔ مگر انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ نور میرے سر میں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ ان کا سر قندیل کی طرح چمکنے لگا۔ جب یہ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور اسلام کی دعوت دینے لگے تو ان کے ماں باپ اور بیوی نے تو اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان کی قوم مسلمان نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی مخالفت پر تل گئی یہ اپنی قوم کے اسلام سے مایوس ہو کر پھر حضور ﷺ کی خدمت میں چلے گئے اور اپنی قوم کی سرکشی اور سرتابی کا سارا حال بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم پھر اپنی قوم میں چلے جاؤ اور نرمی کے ساتھ ان کو خدا کی طرف بلاتے رہو۔ چنانچہ یہ پھر اپنی قوم میں آ گئے اور لگا تار اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ستر یا اسی گھرانوں میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہ ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر خیبر میں تاجدار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور آپ نے خوش ہو کر خیبر کے مال غنیمت میں سے ان سب لوگوں کو حصہ عطاء فرمایا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص

370)

وفد بنی عبس:

قبیلہ بنی عبس کے وفد نے دربار اقدس میں جب حاضری دی تو یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے مبلغین نے ہم کو خبر دی ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام قبول ہی نہیں ہے تو یارسول اللہ ﷺ ! اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے سارے مال و متاع اور مویشیوں کو بیچ کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کیلئے ہجرت ضروری نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ تم جہاں بھی رہو خدا سے ڈرتے رہو اور زہد و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہو۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 370)

وفدِ دارم:

یہ وفد دس آدمیوں کا ایک گروہ تھا جن کا تعلق قبیلہ ''لخم'' سے تھا اور ان کے سربراہ اور پیشوا کا نام ''ہانی بن حبیب'' تھا۔ یہ لوگ حضور ﷺ کیلئے تحفے میں چند گھوڑے اور ایک ریشمیں جبہ اور ایک مشک شراب اپنے وطن سے لے کر آگئے۔ حضور ﷺ نے گھوڑوں اور جبہ کے تحائف کو تو قبول فرمالیا لیکن شراب کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام فرما دیا ہے۔ ہانی بن حبیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو میں اس شراب کو بیچ ڈالوں۔ آپ نے فرمایا کہ جس خدا نے شراب کے پینے کو حرام فرمایا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا تم شراب کی اس مشک کو لے جا کر کہیں زمین پر اس شراب کو بہا دو۔

ریشمی جبہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطاء فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ! میں اس کو لے کر کیا کروں گا؟ جبکہ مردوں کے لئے اس کا پہننا ہی حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں جس قدر سونا ہے آپ اس کو اس میں سے جدا کر لیجئے اور اپنی بیویوں کے لئے زیورات بنوا لیجئے اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لایئے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس جبہ کو آٹھ ہزار درہم میں بیچا۔ یہ وفد بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر نہایت خوشدلی کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ ج 2، ص 365)

وفد غامد:

یہ دس آدمیوں کی ایک جماعت تھی جو 10ھ میں مدینہ آئے اور اپنی منزل میں سامانوں کی حفاظت کے لئے ایک جوان لڑکے کو چھوڑ دیا۔ وہ سو گیا اتنے میں ایک چور آیا اور ایک بیگ چرا کر لے بھاگا۔ یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ناگہاں آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا ایک بیگ چور لے گیا۔ مگر پھر تمہارے جوان نے اس بیگ کو پالیا۔ جب یہ لوگ بارگاہِ اقدس سے اٹھ کر اپنی منزل پر پہنچے تو ان کے جوان نے بتایا کہ میں سو رہا تھا ایک چور بیگ لے کر بھاگا مگر میں بیدار ہونے کے بعد جب اس کی تلاش میں نکلا تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مجھ کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہاں کی زمین کھودی ہوئی ہے۔ جب میں نے مٹی ہٹا کر دیکھا تو بیگ وہاں دفن تھا میں اس کو نکال لے آیا یہ سن کر سب بول پڑے کہ بلاشبہ یہ رسول حق ہیں اور ہم کو انہوں نے اسی لئے اس واقعہ کی خبر دے دی تاکہ ہم لوگ اس کی تصدیق کرلیں اور ان سب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور اس جوان نے بھی دربار رسول میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور اسلام کے دامن میں آگیا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جتنے دن ان لوگوں کا مدینہ میں قیام رہے تم ان لوگوں کو قرآن پڑھنا سکھا دو۔ (مدارج النبوۃ ج2،ص374)

وفد نجران:

یہ نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ اس میں ساٹھ سوار تھے چوبیس ان کے شرفاء اور معززین تھے اور تین اشخاص اس درجہ کے تھے کہ انہیں کے ہاتھوں میں نجران کے نصاریٰ کا مذہبی اور قومی سارا نظام تھا۔ ایک عاقب جس کا نام "عبدالمسیح" تھا۔ دوسرا شخص سید جس کا نام "الیم" تھا۔ تیسرا شخص "ابو حارثہ بن علقمہ" تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سے سوالات کئے اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملات پر گفتگو چھڑ گئی ان لوگوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس کو "آیت مباہلہ" کہتے ہیں کہ

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۝ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ۝ فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ۔ (آل عمران)

ترجمہ: بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے۔ ان کو مٹی سے بنایا۔ پھر فرمایا ''ہوجا'' وہ فوراً ہو جاتا ہے (اے سننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تم شک والوں میں نہ ہونا۔ پھر (اے محبوب) جو تم سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو کہ آؤ۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضور ﷺ نے جب ان لوگوں کو اس مباہلہ کی دعوت دی تو ان نصرانیوں نے رات بھر کی مہلت مانگی۔ صبح کو حضور ﷺ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے کاشانہ نبوت سے نکل پڑے۔ مگر نجران کے نصرانیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے کا اقرار کر کے حضور ﷺ سے صلح کر لی۔ (تفسیر جلالین وغیرہ)



باب نمبر:15

هجرت کا دسواں سال 10ھ

حجة الوداع:

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ شاندار اور اہم ترین واقعہ ''حجة الوداع'' ہے۔ یہ آپ کا آخری حج تھا اور ہجرت کے بعد یہی آپ کا پہلا حج تھا۔ ذوالقعدہ 10 ھ میں آپ نے حج کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں ہر طرف پھیل گئی اور تمام عرب شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ پڑا۔

حضرت اقدس ﷺ نے آخری ذوالقعدہ میں جمعرات کے دن مدینہ میں غسل فرما کر تہبند اور چادر زیب تن فرمایا اور نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اپنی تمام ازواج مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میکات ''ذوالحلیفہ'' پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لئے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر پر خوشبو لگائی۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے ''لبیک'' پڑھا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان

ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ بیہقی کی روایت ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار اور دوسری روایت میں ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔

(زرقانی ج 3، ص 106 و مدارج ج 2، ص 387)

چوتھی ذوالحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے آپ کے خاندان بنو ہاشم کے لڑکوں نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور آپ نے نہایت ہی محبت و پیار کے ساتھ کسی کو آگے کسی کو پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھالیا۔

(نسائی باب استقبال الحاج ج 2، ص 26 مطبوعہ رحیمیہ)

فجر کی نماز آپ نے مقام ''ذی طویٰ'' میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور چاشت کے وقت یعنی آفتاب بلند ہو چکا تھا تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب کعبہ معظّمہ پر نگاہِ نبوت پڑی تو آپ نے یہ دعا پڑھی کہ

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّزِدْ مَنْ حَجَّہٗ وَاعْتَمَرَہٗ تَکْرِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا۔

ترجمہ: اے اللہ تو سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے اے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندگی رکھ۔ اے اللہ اس گھر کی عظمت و شرف اور عزت ہیبت کو زیادہ کر اور جو اس گھر کا حج اور عمرہ کرے تو اس کی بزرگی اور شرف و عظمت کو زیادہ کر۔

جب حجر اسود کے سامنے آپ تشریف لے گئے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ شروع کے تین پھیروں میں آپ نے ''رمل'' کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے۔ ہر چکر میں جب حجر اسود کے سامنے پہنچتے تو اپنی چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے۔ حجر اسود کا استلام کبھی آپ نے چھڑی کے ذریعے سے کیا کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیا۔ کبھی لب مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی رکن یمانی کا بھی آپ نے استلام کیا۔ (نسائی ج 2، ص 31,30)

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے کے دروازہ سے صفا کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کے نشانیوں میں سے ہیں۔

پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چونکہ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اُتارا۔

آٹھویں ذوالحجہ جمعرات کے دن آپ منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشائ، فجر، منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذوالحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔

زمانہ جاہلیت میں چونکہ قریش اپنے کو سارے عرب میں افضل و اعلیٰ شمار کرتے تھے۔ اس لئے وہ عرفات کی بجائے ''مزدلفہ'' میں قیام کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب ''عرفات'' میں ٹھہرتے تھے۔ لیکن اسلامی مساوات نے قریش کے لئے اس تخصیص کو گوارا نہیں کیا اور اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔

ترجمہ: (اے قریش) تم بھی وہیں (عرفات) سے پلٹ کر آؤ جہاں سے سب لوگ پلٹ کر آتے ہیں۔

حضور ﷺ نے عرفات پہنچ کر ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی ''قصوائ'' پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں آپ نے بہت سے ضروری احکام اسلام کا اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بے ہودہ رسموں کو آپ نے مٹاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ تَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ۔

ترجمہ: سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔

(ابو داؤد ج 1، ص 263 و مسلم ج 1، ص 397 باب حجۃ النبی)

اسی طرح زمانہء جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور رنگ ونسل کی برتری اور قومیت میں نیچ اونچ وغیرہ تصورات جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اور مساوات اسلام کا علم بلند فرماتے ہوئے تاجدار دوعالم ﷺ نے اپنے اس تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ

اَيُّهَا النَّاسُ اَلاَ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ لاَفَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلاَ لاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلاَ لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلاَّ بِالتَّقْوٰى۔ (مسند امام احمد)

ترجمہ: اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اسی طرح تمام دنیا میں امن وامان قائم فرمانے کے لئے امن وسلامتی کے شہنشاہ تاجدارِ دوعالم ﷺ نے یہ خدائی فرمان جاری فرمایا کہ

اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ۔

ترجمہ: تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ، تمہارا یہ شہر محترم ہے۔

(بخاری ومسلم وابوداؤد)

اپنا خطبہ ختم فرماتے ہوئے آپ نے سامعین سے فرمایا کہ

وَاَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ۔

ترجمہ: تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟

تمام سامعین نے کہا کہ ہم لوگ خدا سے کہہ دیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔

ترجمہ: اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ (ابوداؤد ج 1، ص 263 باب صفۃ حج النبی)

عین اسی حالت میں جب کہ خطبہ میں آپ اپنا فرض رسالت ادا فرما رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

شہنشاہِ کونین کا تخت شاہی:

یہ حیرت انگیز و عبرت خیز واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت شہنشاہِ کونین خدا کے نائب اکرم اور خلیفہء اعظم ہونے کی حیثیت سے فرمان ربانی کا اعلان فرما رہے تھے آپ کے تخت شہنشاہی یعنی اونٹنی کا کجادہ اور عرق گیر شاید دس روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا نہ اس اونٹنی پر کوئی شاندار کجادہ تھا نہ کوئی ہودج نہ کوئی محمل نہ کوئی چتر نہ کوئی تاج۔

کیا تاریخ عالم میں کسی اور بادشاہ نے بھی ایسی سادگی کا نمونہ پیش کیا ہے؟ اس کا جواب یہی اور فقط یہی ہے کہ ''نہیں''۔

یہ وہ زاہدانہ شہنشاہی ہے جو صرف شہنشاہِ دوعالم ﷺ کی شہنشاہیت کا طرۂ امتیاز ہے۔

خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر ''موقف'' میں تشریف لے گئے اور جبلِ رحمت کے نیچے غروب آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے۔ غروب آفتاب کے بعد عرفات سے ایک لاکھ سے زائد حجاج کے ازدھام میں ''مزدلفہ'' پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب پھر عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ مشعر حرام کے پاس رات بھر امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور وادی محسر کے راستہ سے منیٰ میں آپ ''جمرہ'' کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں۔ پھر آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ

لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّىْ لَا اَدْرِىْ لَعَلِّىْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِىْ هٰذِهٖ۔

ترجمہ: حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد میں دوسرا حج نہ کروں گا۔ (مسلم ج 1، ص 419 باب رمی جمرۃ العقبہ)

منیٰ میں بھی آپ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ جس میں عرفات کے خطبہ کی طرح بہت سے مسائل واحکام کا اعلان فرمایا۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے کچھ کو تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور گوشت پوست، جھول، نکیل، سب کو خیرات کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں سے نہ ادا کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔

موئے مبارک:

قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے آپ نے سر کے بال اتروائے اور کچھ حصہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطاء فرمایا اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔ (مسلم ج 1، ص 421 باب بیان ان السنۃ یوم النحر الخ) اس کے بعد آپ مکہ تشریف لائے اور طوافِ زیارت فرمایا۔

ساقی کوثر چاہ زمزم پر:

پھر چاہ زمزم کے پاس تشریف لائے۔ خاندان عبدالمطلب کے لوگ حاجیوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینے لگیں تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیتا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمزم شریف پیش کیا اور آپ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا۔ پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ذوالحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔ تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔ تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر "محصب" میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طوافِ وداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

غدیر خم کا خطبہ:

راستہ میں مقام "غدیر خم" پر جو ایک تالاب ہے یہاں تمام ہمراہیوں کو جمع فرما کر ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ (ملک الموت) جلد آجائے اور مجھے اس کا پیغام قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

(مسلم ج 1، ص 279 باب من فضائل علی)

اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

مَنۡ كُنۡتُ مَوۡلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوۡلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنۡ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنۡ عَادَاهُ۔ (مشکوٰۃ ص 565 مناقب علی)

ترجمہ: جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولیٰ خداوندا! جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

غدیر خم کے خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کی کوئی تصریح کہیں حدیثوں میں نہیں ملتی۔ ہاں البتہ بخاری کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام کر ڈالا تھا۔ جس کو اُن کے یمن سے آنے والے ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے بارگاہ رسالت میں اس کی شکایت بھی کر دی جس کا حضور ﷺ نے یہ جواب دیا کہ علی کو اس سے زیادہ کا حق ہے۔ ممکن ہے اسی قسم کے شبہات و شکوک کو مسلمان یمنیوں کے دلوں سے دور کرنے کے لئے اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل بھی بیان کر دیئے ہوں۔ (بخاری باب بعث علی الی الیمن ج 2، ص 223 و ترمذی مناقب علی)

روافض کا ایک شبہ:

بعض شیعہ صاحبان نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ''غدیر خم'' کا خطبہ یہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا اعلان تھا مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ یہ محض ایک ''تک بندی'' کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ اگر واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت بلا فصل کا اعلان کرنا تھا تو عرفات یا منیٰ کے خطبوں میں یہ اعلان زیادہ مناسب تھا۔ جہاں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا اجتماع تھا نہ کہ غدیر خم پر جہاں یمن اور مدینہ والوں کے سوا کوئی بھی نہ تھا''۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر حضور ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ میں رات بسر فرمائی اور صبح کو مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔



باب نمبر:16

هجرت کا گیارهواں سال 11ھ

جیشِ اُسامه:

اس لشکر کا دوسرا نام ''سریہ اُسامہ'' بھی ہے۔ یہ سب سے اُخری فوج ہے، جس کے روانہ کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔ 26 صفر 11ھ دوشنبہ کے دن حضور اقدس ﷺ نے رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور دوسرے دن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ میں نے تم کو اس فوج کا امیر لشکر مقرر کیا۔ تم اپنے باپ کی شہادت گاہ ''ابنیٰ'' میں جاؤ اور نہایت تیزی کے ساتھ سفر کر کے ان کفار پر اچانک حملہ کر دو۔ تاکہ وہ لوگ جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ باوجود یہ کہ مزاج اقدس ناساز تھا۔ مگر اسی حالت میں آپ نے خود اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھا اور یہ نشان اسلام حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر ارشاد فرمایا کہ

اُغْدُ بِسْمِ اللّٰهِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ۔

ترجمہ: اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ بن الخصیب رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنایا اور مدینہ سے نکل کر ایک کوس دور مقام ''جرف'' میں پڑاؤ کیا تاکہ وہاں پورا لشکر جمع ہو جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے انصار و مہاجرین کے تمام معززین کو بھی اس لشکر میں شامل ہو جانے کا حکم دے دیا۔ بعض لوگوں پر یہ شاق گزرا کہ ایسا لشکر جس میں انصار و مہاجرین کے اکابر و عمائد موجود ہیں۔ ایک نوعمر لڑکا جس کی عمر بیس سے زائد نہیں، کس طرح لشکر امیر بنا دیا؟ جب حضور ﷺ کو اس اعتراض کی خبر ملی تو آپ کے قلب نازک پر صدمہ گزرا اور آپ نے علالت کے باوجود سر میں پٹی باندھے ہوئے ایک چادر اوڑھ کر منبر پر ایک خطبہ دیا۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اسامہ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کی ہے تو تم لوگوں نے اس سے قبل اس کے باپ کے سپہ سالار ہونے پر بھی طعنہ زنی کی تھی۔ حالانکہ خدا کی قسم اس کا باپ (زید بن حارث) سپہ سالار ہونے کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا (اسامہ بن زید) بھی سپہ سالار ہونے کے قابل ہے اور میرے نزدیک یہ میرے محبوب ترین صحابہ میں سے ہے جیسا کہ اس کا باپ میرے محبوب ترین اصحاب میں سے تھا۔ لہٰذا اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تم لوگ میری نیک وصیت کو قبول کرو کہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ یہ خطبہ دے کر مکان میں تشریف لے گئے اور آپ کی علالت میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی تکمیل کرتے ہوئے مقام جرف میں پہنچ گئے تھے اور وہاں لشکر اسلام کا اجتماع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ 10 ربیع الاول 11 ھ کو جہاد میں جانے والے خواص حضور ﷺ سے رخصت ہونے کے لئے آئے اور رخصت ہو کر مقام جرف میں پہنچ گئے۔ اس کے دوسرے دن حضور اکرم کی علالت نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی مزاج پرسی اور رخصت ہونے کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا مگر ضعف کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے۔ بار بار دست مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور ان کے بدن پر اپنا مقدس ہاتھ پھیرتے تھے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ حضور میرے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رخصت ہو کر اپنی فوج میں تشریف لے گئے اور 12 ربیع الاول 11 ھ کو کوچ کرنے کا اعلان فرما دیا۔ اب سوار ہونے کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ ان کی والدہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کا فرستادہ آدمی پہنچا کہ حضور ﷺ نزع کی حالت میں ہیں۔ یہ ہوش ربا خبر سن کر حضرت اسامہ و حضرت ابوعبیدہ وغیرہ رضی اللہ عنہم فوراً ہی مدینہ آئے تو یہ دیکھا کہ آپ سکرات کے عالم میں ہیں اور اسی دن دوپہر کو یا سہ پہر کے وقت آپ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ یہ خبر سن کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ واپس چلا گیا مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر رونق افروز ہو گئے تو آپ نے بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود ربیع الآخر کی آخری تاریخوں میں اس لشکر کو روانہ فرمایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مقام ''ابنیٰ'' میں تشریف لے گئے اور وہاں بہت ہی خونریز جنگ کے بعد لشکر اسلام فتح یاب ہوا اور آپ نے اپنے باپ کے قاتل اور دوسرے کفار کو قتل کیا اور بے شمار مال غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2، ص 409 تا 411 و زرقانی جلد 3 ص 107 تا 112)

وفاتِ اقدس

حضور رحمت للعالمین ﷺ کا اس عالم میں تشریف لانا صرف اس لئے تھا کہ آپ خدا کے آخری اور قطعی پیغام، یعنی دین اسلام کے احکام اس کے بندوں تک پہنچا دیں اور خدا کی حجت تمام فرما دیں۔ اس کام کو آپ نے کیونکر انجام دیا؟ اور اس میں آپ کو کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا عالم وجود میں آئی ہزاروں انبیاء و رسل علیہم السلام اس عظیم الشان کام کو انجام دینے کے لئے اس عالم میں تشریف لائے مگر انبیاء و مرسلین کے تبلیغی کارناموں کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ حضور سرور عالم ﷺ کے تبلیغی شاہکاروں کے مقابلہ میں ایسے ہی نظر آئیں گے ایک سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ آپ کی تبلیغ نے عالم میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ کائنات ہستی کی ہر پستی کو معراج کمال کی سربلندی عطاء فرما کر ذلت کی زمین کو عزت کا آسمان بنا دیا اور دین حنیف کے اس مقدس اور نورانی محل کو جس کی تعمیر کے لئے حضرت آدم علیہ

السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رسل معمار بنا کر بھیجے جاتے رہے آپ نے خاتم النبیین کی شان سے اس قصر ہدایت کو اس طرح مکمل فرما دیا کہ حضرت حق جل جلالہ نے اس پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی مہر لگا دی۔

جب دین اسلام مکمل ہو چکا اور دنیا میں آپ کے تشریف لانے کا مقصد پورا ہو چکا تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ محکم اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔

حضور کو اپنی وفات کا علم:

حضور ﷺ کو بہت پہلے سے اپنی وفات کا علم حاصل ہو گیا تھا اور آپ نے مختلف مواقع پر لوگوں کو اس کی خبر دے دی تھی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے لوگوں کو یہ فرما کر رخصت فرمایا تھا کہ

''شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں گا''۔

اسی طرح ''غدیر خم'' کے خطبہ میں اسی انداز سے کچھ اسی قسم کے الفاظ آپ کی زبان اقدس سے ادا ہوئے تھے اگرچہ ان دونوں خطبات میں لفظ لَعَلَّ (شاید) فرما کر ذرا پردہ ڈالتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دی مگر حجۃ الوداع سے واپس آ کر آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے اس میں لعل (شاید) کا لفظ آپ نے نہیں فرمایا بلکہ صاف صاف اور یقین کے ساتھ اپنی وفات کی خبر سے لوگوں کو آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن حضور ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے اور شہداء احد کی قبروں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر پلٹ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا پیشرو تم سے پہلے وفات پانے والا ہوں اور تمہارا گواہ ہوں اور میں خدا کی قسم اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

(بخاری کتاب الحوض جلد 2، ص 975)

اس حدیث میں اِنِّی فَرَطٌ لَّکُمْ فرمایا۔ یعنی میں اب تم لوگوں سے پہلے ہی وفات پا کر جا رہا ہوں تاکہ وہاں جا کر تم لوگوں کے لئے حوض کوثر وغیرہ کا انتظام کروں۔

یہ قصہ مرض وفات شروع ہونے سے پہلے کا ہے لیکن اس قصہ کو بیان فرمانے کے وقت آپ کو اس کا یقینی علم حاصل ہو چکا تھا کہ میں کب اور کس وقت دنیا سے جانے

والا ہوں اور مرض وفات شروع ہونے کے بعد تو اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صاف صاف لفظوں میں بغیر ''شاید'' کا لفظ فرماتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دے دی چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ

اپنے مرض وفات میں آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور چپکے چپکے ان سے کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں۔ پھر بلایا اور چپکے چپکے کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں جب ازواج مطہرات نے اس کے بارے میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے آہستہ آہستہ مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں وفات پاجاؤں گا تو میں رو پڑی۔ پھر چپکے چپکے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم وفات پاکر میرے پیچھے آؤ گی تو میں ہنس پڑی۔ (بخاری باب مرض النبی جلد 2،ص 638)

بہر حال حضور ﷺ کو اپنی وفات سے پہلے اپنی وفات کے وقت کا علم حاصل ہو چکا تھا۔ کیوں نہ ہو کہ جب دوسرے لوگوں کی وفات کے اوقات سے حضور ﷺ کو اللہ عزوجل نے آگاہ فرما دیا تھا تو اگر خداوند علام الغیوب کے بتا دینے سے حضور کو اپنی وفات کے وقت کا قبل از وقت علم ہو گیا تھا تو اس میں کونسا استبعاد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو علم ما کان و ما یکون عطا فرمایا تھا۔ یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کا علم عطا فرما کر آپ کو دنیا سے اٹھایا۔ چنانچہ اس مضمون کو ہم نے اپنی کتاب ''قرآنی تقریریں'' میں مفصل تحریر کیا ہے۔

علالت کی ابتداء:

مرض کی ابتداء کب ہوئی؟ اور حضورؐ کتنے دنوں تک علیل رہے؟ اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بہر حال 20 یا 22 صفر 11 ھ کو حضور ﷺ جنۃ البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ آدھی رات میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج اقدس ناساز ہو گیا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔
(مدارج النبوۃ جلد 2،ص 417 وزرقانی جلد 3،ص 110)

دوشنبہ کے دن آپ کی علالت بہت شدید ہوگئی۔ آپ کی خواہش پر تمام ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ حضرت عباس و حضرت علی نے سہارا دے کر آپ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں پہنچا دیا۔ جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھاتے رہے۔ جب کمزوری بہت بڑھ گئی تو آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق میرے مصلی پر امامت کریں۔ چنانچہ سترہ نمازیں حضرت ابوبکر صدیق نے پڑھائیں۔

ایک دن ظہر کی نماز کے وقت مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ سات پانی کی مشکیں میرے اوپر ڈالی جائیں۔ جب آپ غسل فرما چکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کا مقدس بازو تھام کر آپ کو مسجد میں لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارہ سے ان کو روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے مقتدی لوگ ارکان نماز ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ بھی دیا جس میں بہت سی وصیتیں اور احکام اسلام بیان فرما کر انصار کے فضائل اور ان کے حقوق کے بارے میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور سورہ والعصر اور ایک آیت بھی تلاوت فرمائی۔

(مدارج النبوۃ جلد 2، ص 425 و بخاری جلد 2، ص 639)

گھر میں سات دینار رکھے ہوئے تھے، آپ نے حضرت بی بی عائشہ سے فرمایا کہ تم ان دیناروں کو لاؤ تاکہ میں ان دیناروں کو خدا کی راہ میں خرچ کردوں۔ چنانچہ حضرت علی کے ذریعے آپ نے ان دیناروں کو تقسیم کر دیا اور اپنے گھر میں ایک ذرہ بھر سونا یا چاندی نہیں چھوڑا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 424)

آپ کے مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، خاص وفات کے دن یعنی دوشنبہ کے روز طبیعت اچھی تھی، حجرہ مسجد سے متصل ہی تھا۔ آپ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر خوشی سے آپ ہنس پڑے لوگوں نے کہا کہ آپ مسجد میں آنا چاہتے ہیں، مارے خوشی کے تمام لوگ بے قابو ہو گئے مگر آپ نے اشارہ سے روکا اور حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال دیا۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام نبوت

کی زیارت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کا رخ انور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن کا کوئی ورق ہے یعنی سفید ہو گیا تھا۔

(بخاری جلد 2، ص 640 باب مرض النبی ﷺ)

اس کے بعد بار بار آپ یہ فرماتے رہے کہ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا کا انعام ہے اور کبھی یہ فرماتے کہ "اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الاعلی" خداوند! بڑے رفیق میں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بیشک موت کے لئے سختیاں ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ وفات کو قبول کریں یا حیات دنیا کو جب حضور ﷺ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوئے تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ نے آخرت قبول فرمالیا۔

(بخاری جلد 2، ص 640، 641 باب آخر ماتکلم النبی ﷺ)

وفات سے تھوڑی دیر پہلے حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر تازہ مسواک ہاتھ میں لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف نظر جما کر دیکھا۔ حضرت عائشہ نے سمجھا کہ مسواک کی خواہش ہے۔ انہوں نے فوراً ہی مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کی اور دست اقدس میں دے دی۔ آپ نے مسواک فرمائی۔ سہ پہر کا وقت تھا کہ سینہ اقدس میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہونے لگی اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے کہ

اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

ترجمہ: نماز اور لونڈی غلاموں کا خیال رکھو۔

پیاس میں پانی کی ایک لگن تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ اقدس پر ملتے اور کلمہ پڑھتے چادر مبارک کو کبھی منہ پر ڈالتے کبھی ہٹا دیتے۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ سر اقدس کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں آپ نے ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ فرمایا اور تین مرتبہ یہ فرمایا کہ

بَلِ الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔

ترجمہ: (اب کوئی نہیں) بلکہ وہ بڑا رفیق چاہیے۔

یہی الفاظ زبان اقدس پر تھے کہ نا گہاں مقدس ہاتھ لٹک گئے اور آنکھیں چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کھلی رہیں اور آپ کی قدسی روح عالم قدس میں پہنچ گئی (انا للہ وانا الیہ راجعون) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ۔

(بخاری جلد 2، ص 640 تا 641 باب مرض النبی ﷺ)

تاریخ وفات میں مورخین کا بڑا اختلاف ہے لیکن اس پر تمام علماء سیرت کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ بہرحال عام طور پر یہی مشورہ ہے کہ 12 ربیع الاول 11ھ میں دوشنبہ کے دن تیسرے پہر آپ نے وصال فرمایا۔ واللہ اعلم

وفات کا اثر:

حضور اقدس ﷺ کی وفات سے حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو کتنا بڑا صدمہ پہنچا؟ اور اہل مدینہ کا کیا حال ہو گیا؟ اس کی تصویر کشی کے لئے ہزاروں صفحات بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہ شمع نبوت کے پروانے جو چند دنوں تک جمال نبوت کا دیدار نہ کرتے تو ان کے دل بیقرار اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان عاشقان رسول پر جان عالم ﷺ کے دائمی فراق کا کتنا روح فرسا اور کس قدر جانکاہ صدمہ عظیم ہوا ہو گا؟ جلیل القدر صحابہ کرام بلا مبالغہ ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ ان کی عقلیں گم ہو گئیں۔ آوازیں بند ہو گئیں اور وہ اس قدر مخبوط الحواس ہو گئے کہ ان کے لئے یہ سوچنا بھی مشکل ہو گیا کہ کیا کہیں؟ اور کیا کریں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ایسا سکتہ طاری ہو گیا کہ وہ ادھر ادھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے مگر کسی سے نہ کچھ کہتے تھے نہ کسی کی کچھ سنتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رنج و ملال میں نڈھال ہو کر اس طرح بیٹھ رہے کہ ان میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کی سکت ہی نہ رہی۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے قلب پر ایسا دھچکا لگا کہ وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اور اس کا ہاٹ فیل ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر ہوش وحواس کھو بیٹھے کہ انہوں نے تلوار کھینچ لی اور ننگی تلوار لے کر مدینہ کی گلیوں میں ادھر ادھر آتے جاتے تھے اور یہ کہتے پھرتے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ وفات کے بعد حضرت عمر و حضرت مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اجازت لے کر مکان میں داخل ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھ کر کہا کہ بہت ہی سخت غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ جب وہاں سے چلنے لگے تو حضرت مغیرہ نے کہا کہ اے عمر! تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ حضور ﷺ کا اس وقت تک انتقال نہیں ہوسکتا جب تک دنیا سے ایک ایک منافق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

مواہب لدنیہ میں طبری منقول ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ''سخ'' میں تھے جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت خارجہ وہیں رہتی تھیں۔ چونکہ دوشنبہ کی صبح کو مرض میں کمی نظر آئی اور کچھ سکون معلوم ہوا۔ اس لئے حضور نے خود حضرت ابوبکر صدیق کو اجازت دے دی تھی کہ تم ''سخ'' چلے جاؤ اور بیوی بچوں کو دیکھتے آؤ۔

بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ''سخ'' سے آئے اور کسی سے کوئی بات نہ کہی نہ سنی۔ سیدھے حضرت عائشہ کے حجرے میں چلے گئے اور حضور ﷺ کے رخ انور سے چادر ہٹا کر آپ پر جھکے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان نہایت گرمجوشی کے ساتھ ایک بوسہ دیا اور کہا کہ آپ اپنی حیات اور وفات دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فداں ہوں۔ ہرگز خداوند تعالٰی آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا آپ کی جو موت لکھی ہوئی تھی آپ اس موت کے ساتھ پا چکے اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت حضرت عمر لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کہ اے عمر! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمر نے بیٹھنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں چھوڑ دیا اور خود لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے خطبہ دینا شروع کر دیا کہ

> اماّ بعد جو شخص تم میں سے محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے) کہ محمد ﷺ کا وصال ہوگیا اور جو شخص تم میں سے خدا کی پرستش کرتا تھا تو خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے سورہ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ

مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ ط وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ
فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا وَ سَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ o (آل عمران)

اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا۔ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو ثواب دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے یہ آیت تلاوت کی تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی اس آیت کو جانتا ہی نہ تھا ان سے سن کر ہر شخص اسی آیت کو پڑھنے لگا۔

(بخاری جلد 1، ص 166 باب الدخول علی المیت الخ و مدارج النبوۃ جلد 2، ص 433)

حضرت عمر کا بیان ہے کہ میں نے جب حضرت ابوبکر صدیق کی زبان سے سورہ آل عمران کی یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ واقعی نبی ﷺ کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت عمر اضطراب کی حالت میں ننگی شمشیر لے کر جو اعلان کرتے پھرتے تھے کہ حضور ﷺ کا وصال نہیں ہوا۔ اس سے رجوع کیا اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ گویا ہم پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا کہ اس آیت کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے خطبہ نے اس پردہ کو اٹھا دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 434)

تجہیز و تکفین:

چونکہ حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرما دی تھی کہ میری تجہیز و تکفین میرے اہل بیت اور اہل خاندان کریں۔ اس لئے کہ یہ خدمت آپ کے خاندان ہی کے لوگوں نے انجام دی۔ چنانچہ حضرت فضل بن عباس و حضرت قثم بن عباس و حضرت علی و حضرت عباس و حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مل جل کر آپ کو غسل دیا اور ناف مبارک اور پلکوں پر جو پانی کے قطرات اور تری جمع تھی حضرت علی نے جوش محبت اور فرط عقیدت سے ان کو زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 438 تا 439)

غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کا جو "سحول" گاؤں کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا۔ ان میں قمیض و عمامہ نہ تھا۔ (بخاری جلد 1، ص 169 باب الثیاب البیض للکفن)

نمازِ جنازہ:

جنازہ تیار ہوا تو لوگ نماز جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی، جنازہ مبارکہ حجرہ مقدسہ کے اندر ہی تھا۔ باری باری سے تھوڑے تھوڑے لوگ اندر جاتے تھے اور نماز پڑھ کر چلے آتے تھے لیکن کوئی امام نہ تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد 2، ص 247 وابن ماجہ ص 118 باب ذکر وفاتہ)

قبرانور:

حضرت ابوطلحہ انصاری نے قبر شریف تیار کی جو بغلی تھی جسم اطہر کو حضرت علی و حضرت فضل بن عباس و حضرت عباس و حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم نے قبر منور میں اتارا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 442)

لیکن ابوداؤد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُسامہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف بھی قبر میں اترے تھے۔ (ابوداؤد جلد 2، ص 458 باب کم یدخل القبر)

صحابہ کرام میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ حضور ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے کچھ لوگوں نے کہا کہ مسجد نبوی میں آپ کا مدفن ہونا چاہئے اور کچھ نے یہ رائے دی کہ آپ کو صحابہ کرام کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ہر نبی اپنی وفات کے بعد اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اس کی وفات ہوئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں نے حضور ﷺ کے بچھونے کو اٹھایا اور اسی جگہ (حجرہ عائشہ) میں آپ کی قبر تیار کی اور آپ اسی میں مدفون ہوئے۔ (ابن ماجہ ص 118 باب ذکر وفاتہ)

حضور اقدس ﷺ کے غسل شریف اور تجہیز و تکفین کی سعادت میں حصہ لینے کے لئے ظاہر ہے کہ شمع نبوت کے پروانے کس قدر بیقرار رہے ہوں گے؟ مگر جیسا کہ ہم تحریر کر چکے کہ چونکہ حضور ﷺ نے خود ہی یہ وصیت فرما دی تھی کہ میرے غسل اور

تجہیز و تکفین میرے اہل بیت ہی کریں۔ پھر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق نے بھی بحیثیت امیر المومنین ہونے کا یہی حکم دیا کہ ”یہ اہل بیت ہی کا حق ہے“۔ اس لئے حضرت عباس اور اہل بیت نے کواڑ بند کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا مگر شروع سے آخر تک خود حضرت امیر المومنین اور دوسرے تمام صحابہ کرام حجرہ مقدسہ کے باہر حاضر ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2،ص 437)

حضورکاترکہ:

حضور اقدس ﷺ کی مقدس زندگی اس قدر زاہدانہ تھی کہ کچھ اپنے پاس رکھتے ہی نہیں تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ آپ نے وفات کے بعد کیا چھوڑا ہوگا؟ چنانچہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

مَاتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِہٖ دِرْھَمًا وَلاَ دِینارًا وَلاَ عَبْدًا وَلاَ اَمَۃً وَلاَ شَیْئًا اِلاَّ بَغْلَتَہُ الْبَیْضَاءَ وَسِلاَحَہٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَۃً۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم و دینار چھوڑا نہ لونڈی و غلام نہ اور کچھ، صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ چھوڑا تھا۔

(بخاری جلد 1،ص 382 کتاب الوصایا)

بہرحال پھر بھی آپ کے متروکات میں تین چیزیں تھیں۔ ((1 بنونضیر، فدک، خیبر کی زمینیں ((2 سواری کا جانور ((3 ہتھیار یہ تینوں چیزیں قابل ذکر ہیں۔

زمین:

بنونضیر، فدک، خیبر کی زمینوں کے باغات وغیرہ کی آمدنیاں آپ اپنے اور اپنی ازواج مطہرات کے سال بھر کے اخراجات اور فقراء و مساکین اور عام مسلمانوں کی حاجات میں صرف فرماتے تھے۔ (مدارج النبوۃ جلد 2،ص 445 و ابو داؤد جلد 2،ص 412 باب صفایا رسول اللہ)

حضور ﷺ کے بعد حضرت عباس اور حضرت فاطمہ اور بعض ازواج مطہرات

چاہتی تھیں کہ ان جائیدادوں کو میراث کے طور پر وارثوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے چنانچہ حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق کے سامنے ان لوگوں نے اس کی درخواست پیش کی۔ مگر آپ اور حضرت عمر وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو یہ حدیث سنا دی کہ

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَ کْنَا صَدَقَةٌ (ابو داؤد جلد 2، ص 413 بخاری جلد 1، ص 436 باب فرض الخمس)

ترجمہ: ہم (انبیاءؑ) کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے۔

اور اس حدیث کی روشنی میں صاف صاف کہہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے بموجب یہ جائیدادیں وقف ہو چکیں ہیں۔ لہٰذا حضور اقدس ﷺ اپنی مقدس زندگی میں جن مدات و مصارف میں ان کی آمدنیاں خرچ فرمایا کرتے تھے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصرار سے بنو نضیر کی جائیداد کا ان دونوں کو اس شرط پر متولی بنا دیا تھا کہ اس جائیداد کی آمدنیاں انہیں مصارف میں خرچ کرتے رہیں گے جن میں رسول اللہ ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے پھر ان دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی اور ان دونوں حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی کہ بنو نضیر کی جائیداد تقسیم کر کے آدھی حضرت عباس کی تولیت میں دے دی جائے اور آدھی کے متولی حضرت علی رہیں گے مگر حضرت عمر نے اس درخواست کو نامنظور فرما دیا۔
(ابو داؤد جلد 2، ص 413 باب فی وصایا رسول اللہ و بخاری جلد 1، ص 436 باب فرض الخمس)

لیکن خیبر اور فدک کی زمینیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک خلفاء ہی کے ہاتھوں میں رہیں۔ حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے اس کو اپنی جاگیر بنا لی تھی مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں پھر وہی عملدرآمد جاری کر دیا جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں تھا۔ (ابو داؤد جلد 2، ص 417 باب فی وصایا رسول اللہ مطبوعہ نامی پریس)

سواری کے جانور:

زرقانی علی المواہب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضور ﷺ کی ملکیت میں سات گھوڑے پانچ خچر تین گدھے دو اونٹنیاں تھیں۔ (زرقانی جلد 3،ص 386 تا 391)

لیکن اس میں یہ تشریح نہیں ہے کہ بوقت وفات ان میں سے کتنے جانور موجود تھے کیونکہ حضور اپنے جانور دوسروں کو عطاء فرماتے رہتے تھے کچھ نئے خریدتے کچھ ہدایا اور نذرانوں میں ملتے بھی رہے۔

بہرحال روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات اقدس کے وقت جو سواری جانور موجود تھے ان میں ایک گھوڑا تھا جن کا نام ''لحیف'' تھا۔ ایک سفید خچر تھا جس کا نام ''دلدل'' تھا یہ بہت ہی عمر دراز ہوا۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانے تک زندہ رہا اتنا بوڑھا ہوگیا تھا کہ اس کے تمام دانت گر گئے تھے اور آخر میں اندھا بھی ہوگیا تھا۔ ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ حضرت علی بھی جنگ خوارج میں اس پر سوار ہوئے تھے۔

(زرقانی جلد 3،ص 389)

ایک عربی گدھا تھا جس کا نام ''عفیر'' تھا ایک اونٹنی تھی جس کا نام ''عضباء وقصواء'' تھا یہ وہی اونٹنی تھی جس کو بوقت ہجرت آپ نے حضرت ابوبکر صدیق سے خریدا تھا اس اونٹنی پر آپ نے ہجرت فرمائی اور اسی کی پشت پر حجۃ الوداع میں آپ نے عرفات و منیٰ کا خطبہ پڑھا تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہتھیار:

چونکہ جہاد کی ضرورت ہر وقت درپیش رہتی تھی اس لئے آپ کے اسلحہ خانے میں نو یا دس تلواریں سات لوہے کی زریں چھ کمانیں ایک تیردان ایک ڈھال، پانچ برچھیاں، دو مغفر، تین جبے ایک سیاہ رنگ کا بڑا جھنڈا باقی سفید و زرد رنگ کے چھوٹے جھنڈے تھے ایک خیمہ بھی تھا۔

ہتھیاروں میں تلواروں کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں...... کہ یہ سب تلواریں بیک وقت جمع تھیں یا مختلف اوقات میں آپ کے پاس رہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد 3، ص 595)

ظروف ومختلف سامان:

ظروف اور برتنوں میں کئی پیالے تھے ایک شیشہ کا پیالہ بھی تھا ایک پیالہ لکڑی کا تھا جو پھٹ گیا تھا تو حضرت انس نے اس کے شگاف کو بند کرنے کے لئے ایک چاندی کی زنجیر سے اس کو جکڑ دیا تھا۔ (بخاری جلد 1، ص 438 باب ماذکر من ورع النبی)

چمڑے کا ایک ڈول، ایک پرانی مشک، ایک پتھر کا تغار، ایک بڑا پیالہ جس کا نام "السعہ" تھا۔ ایک چمڑے کا تھیلا جس میں آپ آئینہ، قینچی اور مسواک رکھتے تھے ایک کنگھی، ایک سرمہ دانی، ایک بہت بڑا پیالہ جس کا نام "الغرایٔ" تھا صاع اور مد دو ناپنے کے پیمانے۔

ان کے علاوہ ایک چارپائی جس کے پائے سیاہ لکڑی کے تھے یہ چارپائی حضرت اسعد بن زراہ نے ہدیۃً خدمت اقدس میں پیش کی تھی۔ بچھونا اور تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، مقدس جوتیاں یہ حضور ﷺ کے اسباب وسامانوں کی ایک فہرست ہے جن کا تذکرہ احادیث میں متفرق طور پر آتا ہے۔

تبرکات نبوت:

حضور ﷺ کے ان متروکہ سامانوں کے علاوہ بعض یادگاری تبرکات بھی ہیں جن کو عاشقان رسول فرط عقیدت سے اپنے اپنے گھروں میں محفوظ کئے ہوئے تھے اور ان کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، چنانچہ موئے مبارک، نعلین شریفین اور ایک لکڑی کا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑا ہوا تھا، حضرت انس نے ان تینوں آثار متبرکہ کو اپنے گھر میں محفوظ رکھا تھا۔ (بخاری جلد 1، ص 438 باب ماذکر من ورع النبی الخ)

اسی طرح ایک موٹا کمبل حضرت بی بی عائشہ کے پاس تھا جن کو وہ بطور تبرک اپنے پاس رکھے ہوئے تھیں اور لوگوں کو اس کی زیارت کراتی تھیں۔ چنانچہ حضرت ابو بردہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت مبارکہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے ایک موٹا کمبل نکالا اور فرمایا کہ یہ وہ کمبل ہے جس میں حضور ﷺ نے وفات پائی۔ (بخاری جلد 1، ص 438 باب ماذکر من ورع النبی ﷺ)

حضور ﷺ کی ایک تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا۔ حضرت علی کے پاس تھی اس کے

بعد ان کے خاندان میں رہی، یہاں تک کہ یہ تلوار کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد جب حضرت امام زین العابدین یزید بن معاویہ کے پاس رخصت ہو کر مدینہ تشریف لائے تو مشہور صحابی حضرت مسور بن مخرمہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اور اگر آپ کو کوئی حاجت ہو یا میرے لائق کوئی خدمت ہو تو آپ مجھے حکم دیں۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں آپ نے فرمایا مجھے کوئی حاجت نہیں پھر حضرت مسور بن مخرمہ نے یہ گزارش کی کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی جو تلوار (ذوالفقار) ہے کیا آپ وہ مجھے عنایت فرما سکتے ہیں؟ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یزید کی قوم آپ پر غالب آجائے اور یہ تبرک آپ کے ہاتھ سے جاتا رہے اور اگر آپ نے اس مقدس تلوار کو مجھے عطاء فرما دیا تو خدا کی قسم جب تک میری ایک سانس باقی رہے گی ان لوگوں کی اس تلوار تک رسائی بھی نہیں ہو سکتی مگر حضرت امام زین العابدین نے اس مقدس تلوار کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

(بخاری جلد 1،ص 438 باب ماذکر من ورع النبی ﷺ)

آپ کی انگوٹھی اور عصائے مبارک پر جانشین ہونے کی بنا پر خلفائے کرام حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق وحضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے دور خلافت میں قابض رہے مگر انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے کنویں میں گر کر ضائع ہو گئی۔ اس کنویں کا نام "بیر اریس" ہے جس کو لوگ "بیر خاتم" بھی کہتے ہیں۔

(بخاری جلد 2،ص 872 باب خاتم الفضہ)

اور عصائے مبارک اس طرح ضائع ہوا کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی اس مقدس عصائے نبوی کو اپنے دست مبارک میں لے کر مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ناگہاں بدنصیب "جہجاہ غفاری" اٹھا اور اچانک آپ کے ہاتھ سے اس مبارک تبرک کو لے کر توڑ ڈالا۔ اس بے ادبی سے اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کے ہاتھ میں کینسر ہو گیا اور پورا ہاتھ سڑ گل کر ٹوٹ پڑا اور اسی عذاب میں وہ ہلاک ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ جلد 3،ص 211)

اسی قسم کے دوسرے اور بھی تبرکات نبویہ ہیں جو مختلف صحابہ کرام کے پاس محفوظ تھے۔ جن کا تذکرہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں جابجا متفرق طور پر مذکور ہے اور

ان مقدس تبرکات سے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو اس قدر والہانہ محبت تھی کہ وہ ان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔





باب نمبر:17

شمائل وخصائل

حضور اقدس ﷺ نے جس طرح کمال سیرت میں تمام اولین و آخرین سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ بنایا اسی طرح آپ کو جمالِ صورت میں بھی بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا۔ ہم اور آپ حضور اکرم ﷺ کی شان بے مثال کو بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں؟ حضرات صحابہ کرام جو دن رات سفر و حضر میں جمال نبوت کی تجلیاں دیکھتے رہے۔ انہوں نے محبوب خدا ﷺ کے جمال بے مثال کے فضل و کمال کی جو مصوری کی ہے اس کو سن کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ جو کسی مداح رسول نے کیا خوب کہا ہے کہ

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ
اَبَدًا وَعِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا یَخْلُقٗ

ترجمہ:یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کا مثل پیدا فرمایا ہی نہیں اور میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کبھی نہ پیدا کرے گا۔

(حیواۃ الحیوان دمیری جلد 1،ص 42)

صحابی رسول ﷺ اور تاجدار دو عالم ﷺ کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت نے اپنے قصیدہ ہمزیہ میں جمال نبوت کی شان بے مثال کو اس شان کے ساتھ بیان فرمایا کہ ؎

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ!
وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

ترجمہ:یعنی یارسول اللہ! آپ سے زیادہ حسن و جمال والا میری آنکھ نے کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ کمال والا کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ!
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ!

ترجمہ:(یارسول اللہ ﷺ) آپ ہر عیب و نقصان سے پاک پیدا کئے

گئے ہیں گویا آپ ایسے ہی پیدا کئے گئے جیسے حسین و جمیل پیدا ہونا چاہتے تھے۔

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ میں فرمایا کہ ؎

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

ترجمہ: یعنی حضرت محبوب خدا ﷺ اپنی خوبیوں میں ایسے یکتا ہیں کہ اس معاملہ میں ان کا کوئی شریک ہی نہیں ہے کیونکہ ان میں جو حسن کا جوہر ہے وہ قابل تقسیم ہی نہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے بھی اس مضمون کی عکاسی فرماتے ہوئے کتنے نفیس انداز میں فرمایا کہ ؎

تری خلق کو حق نے ''جمیل'' کہا ترے خلق کو حق نے ''عظیم'' کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم

بہرحال اس پر تمام امت کا ایمان ہے کہ تناسب اعضاء اور حسن و جمال میں حضور نبی آخرالزمان ﷺ بے مثل و بے مثال ہیں، چنانچہ حضرات محدثین و مصنفین سیرت نے روایات صحیحہ کے ساتھ آپ کے ہر ہر عضو شریفہ کے تناسب اور حسن و جمال پیدا کرنے کے لئے اس عنوان پر حضرت مولانا محمد کامل صاحب چراغ ربانی نعمانی ولید پوری کے منظوم ''حلیہ مبارک'' کے چند اشعار نقل فرماتے ہیں تاکہ اس عالم کامل کی برکتوں سے یہ بھی کتاب سرفراز ہو جائے حضرت مولانا موصوف نے اپنی کتاب ''پنجہ نور'' میں تحریر فرمایا کہ

حُلیۂ مقدّسہ

روح حق کا میں سراپا کیا لکھوں — حلیہ نور خدا میں کیا لکھوں
پر جمال رحمۃٌ للعالمین! — جلوہ گر ہوگا مکان قبر میں
اس لئے ہے آگیا مجھ کو خیال — مختصر لکھ دوں جمال بے مثال
تاکہ یاروں کو مرے پہچان ہو — اور اس کی یاد بھی آسان ہو
تھا میانہ قد و اواسط پاک تن — پر سپید و سرخ تھا رنگ بدن

چاند کے ٹکڑے تھے اعضاء آپ کے
تھے حسین و گول سانچے میں ڈھلے

تھی جبیں روشن کشادہ آپ کی
چاند میں ہے داغ وہ بے داغ تھی

دونوں ابرو تھیں مثال دو ہلال
اور دونوں کو ہوا تھا اتصال

اتصالِ دومہ ''عیدین'' تھا
یا کہ ادنیٰ قربِ تھا ''قوسین'' کا

تھیں بڑی آنکھیں حسین و سرگیں
دیکھ کر قربان تھیں سب حور عیں

کان دونوں خوبصورت ارجمند
ساتھ خوبی کے دہن بینی بلند

صاف آئینہ تھا چہرہ آپ کا
صورت اپنی اس میں ہر اک دیکھتا

تابہ سینہ ریش محبوب الٰہ
خوب تھی گنجان مو، رنگ سیاہ

تھا سپید اکثر لباس پاک تن
ہوازار وجبہ دیا پیرہن

سبز رہتا تھا عمامہ آپ کا
پر کبھی سود و سپیدو صاف تھا

میں کہوں پہچان عمدہ آپ کی
دونوں عالم میں نہیں ایسا کوئی

جسم اطہر:

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ حضور انور ﷺ کے جسم اقدس کا رنگ گورا سپید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ ﷺ کا مقدس بدن چاندی سے ڈھال کر بنایا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی ص 2)

حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک نہایت نرم و نازک تھا۔ میں نے دیبا وحریر (ریشمی کپڑوں) کو بھی آپ کے بدن سے زیادہ نرم و نازک نہیں دیکھا اور آپ کے جسم مبارک کی خوشبو سے زیادہ اچھی کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

(بخاری جلد 1، ص 503 باب صفۃ النبی ﷺ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ خوش ہوتے تھے تو آپ ﷺ کا چہرہ انور اس طرح چمک اٹھتا تھا کہ گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم لوگ اسی کیفیت سے حضور ﷺ کی شادمانی ومسرت کو پہچان لیتے تھے۔

(بخاری ج 1، ص 502 باب صفتہ النبی ﷺ)

آپ کے رُخ انور پر پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح ڈھلکتے تھے اور اس میں مشک و عنبر سے بڑھ کر خوشبو رہتی تھی چنانچہ حضرت انس کی والدہ حضرت بی بی اُم سلیم ایک چمڑے کا بستر حضور اکرم ﷺ کے لئے بچھا دیتی تھیں اور آپ اس پر دوپہر کو قیلولہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کے جسم اطہر کے پسینے کو وہ ایک شیشی میں جمع فرمالیتی تھیں، پھر اس کو اپنی خوشبو میں ملا لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت انس نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میرے بدن اور کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں حضور انور ﷺ کے جسم اطہر کا پسینہ ملا ہوا تھا۔ (بخاری جلد 2، ص 929 باب من زار قوماً فقال عندہم و بخاری جلد 1، ص 365 حدیث الافک)

جسم انور کا سایہ نہ تھا:

آپ کے قد مبارک کا سایہ نہ تھا۔ حکیم ترمذی (متوفی 255ھ) نے اپنی کتاب ''نوادر الاصول'' میں حضرت ذکوان تابعی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ امام ابن سبع کا قول ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ نور تھے اس لئے جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اس کا شاہد وہ حدیث ہے جس میں آپ کی اس دعا کا ذکر ہے کہ آپ نے دعا مانگی کہ خداوند! تو میرے تمام اعضاء کو نور بنا دے اور آپ نے اپنی اس دعا کو اس قول پر ختم فرمایا کہ ''وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا'' یعنی یا اللہ تو مجھ کو سراپا نور بنا دے۔ ظاہر ہے کہ جب سراپا نور تھے تو پھر آپ کا سایہ کہاں سے پڑتا؟

اسی طرح عبداللہ بن مبارک اور ابن الجوزی نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ (زرقانی جلد 5، ص 259)

مکھی، مچھر، جوئوں سے محفوظ:

حضرت امام فخر الدین رازی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور علامہ حجازی وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے کہ بدن تو کیا آپ کے کپڑوں پر بھی کبھی مکھی نہیں بیٹھی نہ کپڑوں میں کبھی جوئیں پڑیں، نہ کبھی کھٹمل یا مچھر نے آپ کو کاٹا، اس مضمون کو ابوالربیع سلیمان

بن سبع نے اپنی کتاب ''شفاء الصدور فی اعلام نبوۃ الرسول'' میں بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نور تھے۔ پھر مکھیوں کی آمد، جوؤں کا پیدا ہونا چونکہ گندگی، بدبو وغیرہ کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور آپ چونکہ ہر قسم کی گندگیوں سے پاک اور آپ کا جسم اطہر خوشبودار تھا اس لئے آپ ان چیزوں سے محفوظ رہے امام سبتی نے بھی اس مضمون کو ''اعظم الموارد'' میں مفصل لکھا ہے۔ (زرقانی جلد 5، ص 249)

مُہرِ نبوت:

حضور اقدس ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر مہر نبوت تھی۔ یہ بظاہر سرخی مائل ابھرا ہوا گوشت تھا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کی مقدار میں سرخ ابھرا ہوا ایک غدود تھا۔ (شمائل ترمذی ص 3 و ترمذی جلد 2، ص 205)

لیکن ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اور اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ

اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ بِرَجِہٖ حَیْثُ کُنْتَ فَاِنَّکَ مَنْصُوْرٌ۔

ترجمہ: یعنی ایک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں (اے رسول ﷺ) آپ جہاں بھی رہیں گے آپ کی مدد کی جائے گی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ

''کَانَ نُوْرًا یَتَلَالَئُ لَاَئً''

ترجمہ: یعنی مہر نبوت ایک چمکتا ہوا نور تھا۔ راویوں نے اس کی ظاہری شکل وصورت اور مقدار کو کبوتر کے انڈے سے تشبیہ دی ہے۔

(حاشیہ ترمذی جلد 2، ص 205 باب ماجاء فی خاتم النبوۃ)

قد مبارک:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور ﷺ نہ بہت زیادہ لمبے تھے۔ نہ پستہ قد بلکہ آپ درمیانی قد والے تھے اور آپ کا مقدس بدن انتہائی خوبصورت تھا جب چلتے تھے تو کچھ خمیدہ ہو کر چلتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 1)

اسی طرح حضرت علی فرماتے ہیں کہ آپ نہ طویل القامت تھے، نہ پستہ قد بلکہ آپ میانہ قد تھے بوقت رفتار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں میں نے آپ کا مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد (شمائل ترمذی ص 1)

اس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ آپ میانہ قد تھے لیکن یہ آپ کی معجزانہ شان ہے کہ میانہ قد ہونے کے باوجود اگر آپ ہزاروں انسانوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا سر مبارک سب سے زیادہ اونچا نظر آتا تھا۔

قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قفس جس کی ہیں قمریاں اسی سہی سروقامت پہ لاکھوں سلام

سراقدس:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا حلیہ مبارک بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ضخم الراس" یعنی آپ کا سر مبارک "بڑا" تھا۔ جو شاندار اور وجیہ ہونے کا نشان ہے۔ (شمائل ترمذی ص 1)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں اس تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

مقدس بال:

حضور انور ﷺ کے موئے مبارک نہ گھونگھر دار تھے نہ بالکل سیدھے، بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان تھے آپ کے مقدس بال پہلے کانوں کی لو تک تھے پھر شانوں تک خوبصورت گیسو لٹکتے رہتے تھے۔ مگر حجتہ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے بالوں کو اتروا دیا۔ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قبلہ بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے مقدس بالوں کی ان تینوں صورتوں کو اپنے دو شعروں میں بہت ہی نفیس و لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

گوش تک سنتے تھے فریاد کہ اب آئے تا دوش
تا بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو!
آخری حج غم امت میں پریشان ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

آپ اکثر بالوں میں تیل بھی ڈالتے تھے اور کبھی کبھی کنگھی بھی کرتے تھے اور اخیر

زمانہ میں بیچ سر مانگ بھی نکالتے تھے آپ کے مقدس بال آخر تک سیاہ رہے سر اور داڑھی شریف میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 504)

حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں جب اپنے مقدس بال اتروائے تو وہ صحابہ کرام میں بطور تبرک تقسیم ہوئے اور صحابہ کرام نے نہایت ہی عقیدت کے ساتھ اس موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اس کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان مقدس بالوں کو ایک شیشی میں لیا تھا جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا کوئی مرض ہوتا تو آپ اس شیشی کو پانی میں ڈبو کر دیتی تھیں اور اس پانی سے شفا حاصل ہوتی تھی۔ (بخاری جلد 2، ص 875 باب مایذ کرفی الشیب)

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا   لکہ ابر رحمت پہ لاکھوں سلام

رُخِ انور:

حضور اقدس ﷺ کا چہرہ منور جمال الٰہی کا آئینہ اور انور تجلی کا مظہر تھا۔ نہایت ہی وجیہ پر گوشت اور کس قدر گولائی لئے ہوئے تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ایک مرتبہ چاندنی رات میں دیکھا میں ایک مرتبہ چاند کی طرف دیکھتا اور ایک مرتبہ آپ کے چہرہ انور کو دیکھتا تو مجھے آپ کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ خوب صورت نظر آتا تھا۔

حضرت براء بن عازب سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اکرم ﷺ کا چہرہ (چمک دمک) میں تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ کا چہرہ چاند کی مثل تھا۔
حضرت علی نے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ

مَنْ رَاٰهُ بَدَاهَةً هَابَهٗ وَ مَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ۔

(شمائل ترمذی ص 2)

ترجمہ: جو آپ کو اچانک دیکھتا وہ آپ کے رعب داب سے ڈر جاتا اور پہچاننے کے بعد آپ سے ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔

حضرت براء بن عازب کا قول ہے کہ رسول اکرم ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر

خوبرو اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔

(بخاری جلد 1، ص 502 باب صفۃ النبی ﷺ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرہ انور کے بارے میں کہا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ یعنی میں نے جب حضور ﷺ کے چہرہ انور کو بغور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کے چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ جلد 1، ص 168 باب فضل الصدقہ)

اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

عربی زبان میں بھی کسی مداح رسول ﷺ نے آپ کے رخ انور کے حسن و جمال کا کتنا حسین منظر اور کتنی بہترین تشریح کی ہے۔

نَبِيُّ جَمَالٍ كُلُّ مَافِيْهِ مُعْجِزٌ مِنَ
الْحُسْنِ لٰكِنْ وَجْهُهُ الْاٰيَةُ الْكُبْرىٰ
يُنَادِيْ بَلاَلُ الْخَالِ فِيْ صَحْنِ خَدِّهٖ
يُطَالِعُ مِنْ لَا لَاۤئِ غُرَّتِهِ الْفَجْرَ!

یعنی حضور ﷺ حسن و جمال کے بھی نبی ہیں۔ یوں تو ان کی ہر ہر چیز حسن کا معجزہ ہے لیکن خاص کر ان کا چہرہ تو آیت کبریٰ (بہت ہی بڑا معجزہ) ہے۔

ان کے رخسار کے صحن میں ان کے تل کا بلال ان کی روشن پیشانی کی چمک سے صبح صادق کو دیکھ کر اذان کہا کرتا تھا۔

محراب ابرو:

آپ کی بھوئیں دراز و باریک اور گھنے بال والی تھیں اور دونوں بھوئیں اس قدر متصل تھیں کہ دور سے دونوں ملی جلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور ان دونوں بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی ص 2)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ابروئے مبارک کی مدح میں فرماتے ہیں کہ

جن کے سجدہ کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

اور حضرت محسن کاکوروی علیہ الرحمۃ نے چہرہ انور میں محراب ابرو کے حسن کی تصویر کشی کرتے ہوئے یہ لکھا کہ

مہ کامل میں مہ نور کی یہ تصویریں یا کھینچی معرکہ بدر میں شمشیریں ہیں

ہیں

نُورانی آنکھ:

آپ کے چشمان مبارک بڑی بڑی اور قدرتی طور پر سرمگیں تھیں۔ پلکیں گھنی اور دراز تھیں، پتلی کی سیاہی خوب سیاہ اور آنکھ کی سفیدی خوب سفید تھی جن میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 2، و دلائل النبوۃ ص 54)

آپ کے مقدس آنکھوں کا یہ اعجاز ہے کہ آپ بیک وقت آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے، دن رات، اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھا کرتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 5، ص 246 و خصائص کبریٰ جلد 1، ص 61)

چنانچہ بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَ السُّجُوْدَ فَوَاللّٰہِ اِنِّی لَاَرَاکُمْ مِنْ بَعْدِیْ۔ (مشکوٰۃ ص 82 باب الرکوع)

یعنی اے لوگو! تم رکوع و سجود کو درست طریقے سے ادا کرو۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ وَھِیَ مِنَ الْخَوَارِقِ الَّتِیْ اُعْطِیَھَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص 82 باب الرکوع)

یعنی یہ باب آپ کے ان معجزات میں سے ہے جو آپ کو عطاء کئے گئے ہیں۔

پھر آپ کی آنکھوں کا دیکھنا محسوسات ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ غیر مرئی وغیرہ محسوس چیزوں کو بھی جو آنکھوں سے دیکھنے کے لائق ہی نہیں ہیں دیکھ لیا کرتے تھے چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَ لَا خُشُوْعُکُمْ۔ (بخاری جلد 1، ص 59)

یعنی خدا کی قسم تمہارا رکوع و خشوع میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا سبحان اللہ پیارے مصطفی ﷺ کی نورانی آنکھوں کا اعجاز کا کیا کہنا؟ کہ پیٹھ کے پیچھے سے نمازیوں کے رکوع بلکہ ان کے خشوع کو دیکھ رہے ہیں۔

''خشوع'' کیا چیز ہے؟ خشوع دل میں خوف اور عاجزی کی ایک کیفیت کا نام ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے مگر نگاہ نبوت کا یہ معجزہ دیکھو کہ ایسی چیز کو بھی آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جو آنکھ سے دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ سبحان اللہ! چشمان مصطفی ﷺ کے اعجاز کی شان کا کیا کوئی بیان کرسکتا ہے؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم ''والنجم'' میں ہے آپ کی بینائی کی!
فرش تا عرش سب آئینہ، ضمائر حاضر
بس قسم کھایئے امی! تیری دانائی کی

بینی مبارک:

آپ کے متبرک ناک خوبصورت دراز اور بلند تھی جس پر ایک نور چمکتا تھا جو شخص بغور نہیں دیکھتا وہ یہ سمجھتا تھا کہ آپ کی مبارک ناک بہت اونچی ہے حالانکہ آپ کی ناک بہت زیادہ اونچی نہ تھی بلکہ بلندی اس نور کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی جو آپ کی مقدس ناک کے اوپر جلوہ فگن تھا۔ (شمائل ترمذی ص 2 وغیرہ)

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اُونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

مقدس پیشانی:

حضرت ہند بن ابی ہالہ آپ کے چہرہ انور کا حلیہ بیان کرتے ہیں کہ ''واسع الجبین'' یعنی آپ کی مبارک پیشانی کشادہ اور چوڑی تھی۔ (شمائل ترمذی ص 2)

قدرتی طور سے آپ کی پیشانی پر ایک نورانی چمک تھی چنانچہ دربار رسالت کے شاعر مداح رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت نے اسی حسین و جمیل نورانی منظر کو دیکھ کر یہ کہا ہے کہ

مَتیٰ تَبدُ فِیْ الدَّاجِیْ الْبَھِیْمِ جَبِینُہٗ!
یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ

یعنی جب اندھیری رات میں آپ کی مقدس پیشانی ظاہر ہوتی ہے تو اس طرح

چمکتی ہے جس طرح رات کی تاریکی میں روشن چراغ چمکتے ہیں۔

گوش مبارک:

آپ کی آنکھوں کی طرح آپ کے کان میں بھی معجزانہ شان تھی۔ چنانچہ آپ نے خود اپنی زبان اقدس سے ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ۔

(خصائص کبریٰ جلد 1، ص 67)

یعنی میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم میں سے کوئی نہیں دیکھتا اور میں ان آوازوں کو سنتا ہوں جن کو تم میں سے کوئی نہیں سنتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سمع و بصر کی قوت بے مثال اور معجزانہ شان رکھتی تھی۔ کیونکہ آپ دور نزدیک کی آوازوں کو یکساں طور پر سن لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے حلیف بنی خزانہ نے جیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں تین دن کی مسافت سے آپ کو اپنی امداد و نصرت کے لئے پکارا تو آپ نے ان کی فریاد سن لی۔ علامہ زرقانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ لَابُعْدَ فِیْ سَمَاعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدْ کَانَ یَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَآءِ یعنی اگر حضور اقدس ﷺ نے تین دن کی مسافت سے ایک فریادی کہ فریاد سن لی تو آپ سے کوئی بعید نہیں ہے کیونکہ آپ تو زمین پر بیٹھے ہوئے آسمانوں کی چرچراہٹ کو سن لیا کرتے تھے۔ بلکہ عرش کے نیچے چاند کے سجدہ میں گرنے کی آواز کو بھی سن لیا کرتے تھے۔

(خصائص کبریٰ ج 1، ص 53 و حاشیہ الدولتہ المکیتہ ص 180)

دور و نزدیک سے سننے والے وہ کان
کانِ لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

دھن شریف:

حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپ کے رخسار نرم و نازک اور ہموار تھے اور آپ کا منہ فراخ، دانت کشادہ اور روشن تھے جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے دونوں اگلے دانتوں کے درمیان سے ایک نور نکلتا تھا اور جب کبھی اندھیرے میں آپ مسکرا دیتے تو دندان مبارک کی چمک سے روشنی ہو جاتی تھی۔

(شمائل ترمذی ص 2 و خصائص کبریٰ ج 1، ص 74)

آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے کہ ان کو کبھی جمائی نہیں آتی۔ کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوا کرتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام شیطان کے تسلط سے محفوظ و معصوم ہیں۔ (زرقانی ج5،ص248)

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

زبان اقدس:

آپ کی زبان اقدس وحی الٰہی کی ترجمان اور سرچشمۂ آیات و مخزن معجزات ہے اس کی فصاحت و بلاغت اس قدر حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء آپ کے کلام کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

آپ کے مقدس زبان کی حکمرانی اور شان کا یہ اعجاز تھا کہ زبان سے جو فرما دیا وہ ایک آن میں معجزہ بن کر عالم وجود میں آ گیا۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں   اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود   اس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

لعاب دہن:

آپ کا لعاب دہن (تھوک) زخمیوں اور بیماریوں کے لئے شفا اور زہروں کے لئے تریاق اعظم تھا۔ چنانچہ آپ کے معجزات کے بیان میں پڑھیں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں غار ثور کے اندر سانپ نے کاٹا۔ اس کا زہر آپ کے لعاب دہن سے اتر گیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آشوب چشم کے لئے یہ لعاب دہن ''شفاء العین'' بن گیا۔ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جنگ بدر کے دن تیر لگا اور پھوٹ گئی، مگر آپ کے لعاب دہن سے ایسی شفاء حاصل ہوئی کہ درد بھی جاتا رہا اور آنکھ کی روشنی بھی برقرار رہی۔ (زادالمعاد غزوہ بدر)

حضرت ابو قتادہ کے چہرے پہ تیر لگا، آپ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا، فوراً

ہی خون بند ہو گیا اور پھر زندگی بھر ان کو کبھی تیر و تلوار کا زخم نہ لگا۔ (اصابہ تذکرہ ابو قتادہ)

شفاء کے علاوہ اور بھی لعاب دہن سے بڑی بڑی معجزانہ برکات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تو اس کا پانی اتنا شیریں ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی شیریں کنواں نہ تھا۔ (زرقانی ج 5،ص 246)

امام بیہقی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشورا کے دن دودھ پیتے بچوں کو بلاتے تھے اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے تھے اور ان کی ماؤں کو حکم دیتے تھے کہ وہ رات تک اپنے بچوں کو دودھ نہ پلائیں۔آپ کا یہی لعاب دہن ان بچوں کو اس قدر شکم سیر اور سیراب کر دیتا تھا کہ ان بچوں کو دن بھر نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔ (زرقانی ج 5، ص 246)

جس کے پانی سے شاداب جان جنان اس دہن کی ترادت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنویں شیرہ جاں بنے اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

آوازمبارک:

یہ حضرات انبیاء کرام کے خصائص میں سے ہے کہ وہ خوب صورت اور خوش آواز ہوتے ہیں لیکن حضور سید المرسلین ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ خوبرو اور سب سے بڑھ کر خوش گلو، خوش آواز اور خوش کلام تھے، خوش آوازی کے ساتھ ساتھ آپ اس قدر بلند آوازی بھی تھے کہ خطبوں میں دور اور نزدیک والے سب یکساں اپنی اپنی جگہ پر آپ کا مقدس کلام سن لیا کرتے تھے۔ (زرقانی ج 4 ص 178)

جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

پرنُورگردن:

حضرت ہند بن ابی ہالہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک نہایت ہی معتدل، صراحی دار اور سڈول تھی۔ خوبصورتی اور صفائی میں نہایت ہی بے

مثل خوب صورت اور چاندی کی طرح صاف وشفاف تھی۔ (شمائل ترمذی ص 2)

دست رحمت:

آپ کی مقدس ہتھیلیاں چوڑی پر گوشت کلائیاں لمبی بازو دراز اور گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 2)
حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم اور دیبا کو آپ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم و نازک نہیں پایا اور نہ کسی خوشبو سے بہتر اور بڑھ کر خوشبو دار پایا۔
(بخاری ج 1،ص 502 باب صفۃ النبی ﷺ ومسلم ج 2،ص 257)
جس شخص سے آپ مصافحہ فرماتے وہ دن بھر اپنے ہاتھوں کو خوشبو دار پاتا۔
جس بچے کے سر پر آپ اپنے دست اقدس پھرا دیتے تھے وہ خوشبو میں تمام بچوں سے ممتاز ہوتا۔ حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ آپ کو دیکھ دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے آپ کی طرف دوڑ پڑے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر اپنا دست رحمت پھیرنے لگے میں سامنے آیا تو میرے رخسار پر بھی آپ نے اپنا دست مبارک لگا دیا تو میں نے اپنے گالوں پر آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی اور ایسی خوشبو آئی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ کسی عطر فروش کی صندوقچی میں سے نکالا ہے۔ (مسلم ج 2،ص 256 باب طیب ریحہ ﷺ)
اس دست مبارک سے کیسے کیسے معجزات و تصرفات عالم ظہور میں آئے ان کا تذکرہ آپ معجزات کے بیان میں پڑھیں گے۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا — موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام
جس کو بار دو عالم کی پروا نہیں — ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبہ دین و ایمان کے دونوں ستون — ساعدین رسالت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم — اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں — انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

شکم و سینہ:

آپ کا شکم و سینہ اقدس دونوں ہموار اور برابر تھے نہ سینہ شکم سے اونچا تھا۔ نہ شکم سینہ سے، آپ کا سینہ چوڑا تھا اور سینہ کے اوپر کے حصہ سے ناف تک مقدس بالوں کی ایک پتلی سی لکیر چلی گئی تھی۔ مقدس چھاتیاں اور پورا شکم بالوں سے خالی تھا۔ ہاں شانوں اور کلائیوں پر قدرے بال تھے۔ (شمائل ترمذی ص2)

آپ کا شکم صبر و قناعت کی ایک دنیا اور آپ کا سینہ معرفت الٰہی کے انوار کا سفینہ اور وحی الٰہی کا گنجینہ تھا۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

پائے اقدس:

آپ کے مقدس پاؤں چوڑے، پرگوشت ایڑیاں کم گوشت والی تلوا اونچا جو زمین میں نہ لگتا تھا دونوں پنڈلیاں قدرے پتلی اور صاف و شفاف پاؤں کی نرمی اور نزاکت کا یہ عالم تھا کہ ان پر پانی ذرا بھی نہیں ٹھہرتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص 2 و مدارج النبوۃ وغیرہ)

آپ چلنے میں بہت ہی وقار و تواضع کے ساتھ قدم شریف کو زمین پر رکھتے تھے حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ چلنے میں میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لئے لپیٹی جاتی تھی، ہم لوگ آپ کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اور تیز چلنے سے مشقت میں پڑ جاتے تھے مگر آپ نہایت ہی وقار و سکون کے ساتھ چلتے رہتے تھے، مگر پھر بھی ہم سب لوگوں سے آپ آگے ہی رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 2 وغیرہ)

ساق اصل قدم شاخ نخل کرم شمع راہ ہدایت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

لباس:

حضور ﷺ زیادہ تر سوتی لباس پہنتے تھے۔ اون اور کتان کا لباس بھی کبھی کبھی

آپ نے استعمال فرمایا ہے۔لباس کے بارے میں کسی خاص پوشاک یا امتیازی لباس کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ جبہ قبا، پیرہن، تہبند، حلہ، چادر، عمامہ، ٹوپی، موزہ ان سب کو آپ نے زیب تن فرمایا ہے پائجامہ کو آپ نے پسند فرمایا اور منیٰ کے بازاروں میں ایک پائجامہ خریدا بھی تھا۔لیکن یہ ثابت نہیں کہ کبھی آپ نے پائجامہ پہنا ہو۔

عمامہ:

آپ عمامہ میں شملہ چھوڑتے تھے جو کبھی ایک شانہ پر اور کبھی دونوں شانوں کے درمیان پڑا رہتا تھا آپ کا عمامہ سفید، سبز، زعفرانی، سیاہ رنگ کا تھا۔ فتح مکہ کے دن آپ کالے رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 9 وغیرہ)

عمامہ کے نیچے ٹوپی ضرور ہوتی تھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں یہی فرق و امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔
(ابو داؤد باب العمائم ص 209، ج 2 مجتبائی)

چادر:

یمن کی تیار شدہ سوتی دھاری دار چادریں جو عرب میں ''حبرہ'' یا ''برویمانی'' کہلاتی تھیں آپ کو بہت زیادہ پسند تھیں اور آپ ان چادروں کو بکثرت استعمال فرماتے تھے کبھی کبھی سبز رنگ کی چادر بھی آپ نے استعمال فرمائی ہے۔
(ابو داؤد ج 2، ص 207 باب فی الخضرۃ مجتبائی)

کملی:

آپ کملی بھی بکثرت استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ بوقت وفات بھی ایک کملی اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بردہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹا کمبل اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند نکالا اور فرمایا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضور ﷺ نے وفات پائی۔ (ترمذی ج 1، ص 206 باب ماجاء فی الثوب)

نعلین اقدس:

حضور ﷺ کی نعلین اقدس کی شکل و صورت اور نقشہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے ہندوستان میں چپل ہوتے ہیں۔ چمڑے کا ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے

تھے۔ آپ کی مقدس جوتیوں میں دو تسمے عام طور پر لگے ہوتے تھے جو کروم چمڑے کے ہوا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 7 وغیرہ)

پسندیدہ رنگ:

آپ نے سفید، سیاہ، سبز، زعفرانی رنگوں کے کپڑے استعمال فرمائے ہیں مگر سفید کپڑا آپ کو بہت زیادہ محبوب و مرغوب تھا، سرخ رنگ کے کپڑوں کو آپ بہت زیادہ ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ناگواری ظاہر فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ یہ کپڑا کیسا ہے؟ انہوں نے ان کو جلا دیا۔ آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ اس کو جلانے کی کیا ضرورت نہیں تھی۔ کسی عورت کو دے دینا چاہئے تھا۔ کیونکہ عورتوں کے لیے سرخ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ ایک مرتبہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو دو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(ابوداؤد ج 2، ص 208,207 باب فی الحمرة)

انگوٹھی:

جب آپ نے بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ سلاطین بغیر مہر والے خطوط کو قبول نہیں کرتے، تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر اوپر تلے تین سطروں میں "محمد رسول اللہ" کندہ کیا ہوا تھا۔ (محمد رسول اللہ) (شمائل ترمذی ص 7 وغیرہ)

خوشبو:

آپ کو خوشبو بہت زیادہ پسند تھی آپ ہمیشہ عطر کا استعمال کیا کرتے تھے۔ حالانکہ خود آپ کے جسم اطہر سے ایسی خوشبو نکلتی تھی کہ جس گلی میں سے آپ گزر جاتے تھے وہ گلی معطر ہو جاتی تھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہئے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کے لئے وہ خوشبو بہتر ہے کہ وہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے کوئی آپ کے پاس خوشبو بھیجتا تو آپ کبھی رد نہ فرماتے اور ارشاد

فرماتے کہ خوشبو کے تحفہ کو ردمت کرو۔ کیونکہ یہ جنت سے نکلی ہوئی ہے۔
(شمائل ترمذی ص 15)

سرمہ:

حضور ﷺ روزانہ رات کو "اثمد" کا سرمہ لگایا کرتے تھے۔آپ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اثمد کا سرمہ لگایا کرو۔ یہ نگاہ کو روشن اور تیز کرتا ہے اور پلک کے بال لگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی ص 5)

سواری:

گھوڑے کی سواری آپ کو بہت پسند تھی، گھوڑوں کے علاوہ اونٹ، خچر، حمار (عربی گدھا جو گھوڑے سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے) پر بھی سواری فرمائی ہے۔
(صحیحین وغیرہ کتب احادیث وسیر)

نفاست پسندی:

حضور اقدس ﷺ کا مزاج اقدس نہایت ہی لطیف اور نفاست پسند تھا۔ ایک آدمی کو آپ نے میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو ناگواری کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ یہ اپنے کپڑوں کو دھولیا کرے۔ اسی طرح ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال الجھے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ کیا اس کو کوئی ایسی چیز (تیل کنگھی) نہیں ملتی کہ یہ الجھے بالوں کو سنوار لے۔ (ابوداؤد ج 2، ص 207 باب فی الخلقان الخ مجتبائی)

اسی طرح ایک آدمی آپ کے پاس بہت ہی خراب قسم کے کپڑے پہنے ہوئے آ گیا، تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ مال بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں میرے پاس اونٹ بکریاں گھوڑے غلام سبھی قسم کا مال ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے تو چاہئے کہ تمہارے اوپر اس کی نعمتوں کا کچھ نشان بھی نظر آئے یعنی اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنو۔ (ابو داؤد ج 2، ص 207 مجتبائی)

مرغوب غذائیں:

حضور اقدس ﷺ کی مقدس زندگی چونکہ بالکل ہی زاہدانہ اور صبر وقناعت کا نمونہ تھی اس لئے آپ کبھی لذیذ اور پر تکلف کھانوں کی خواہش ہی نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ کبھی آپ نے چپاتی نہیں کھائی۔ پھر بھی بعض کھانے آپ کو بہت پسند تھے جن کو بڑی رغبت کے ساتھ آپ تناول فرماتے تھے مثلاً عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جو ''حیس'' کہلاتا ہے یہ گھی پنیر اور کھجور ملا کر پکایا جاتا ہے اس کو آپ بڑی رغبت کے ساتھ کھاتے تھے۔

جو کی موٹی روٹیاں اکثر غذا میں استعمال فرماتے، سالنوں میں گوشت سرکہ، شہد، روغن زیتون، کدو خصوصیت کے ساتھ مرغوب تھے گوشت میں کدو پڑا ہوتا تو پیالہ میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے کھاتے تھے۔

آپ نے بکری، دنبہ، بھیڑ، اونٹ، گورخر، خرگوش، مرغ، بٹیر، مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ اسی طرح کھجور اور ستو بھی بکثرت تناول فرماتے تھے، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھجور کے ساتھ ککڑی ملا کر روٹی کے ساتھ کھجور بھی کبھی کبھی تناول فرمایا کرتے تھے انگور، انار وغیرہ پھل فروٹ بھی کھایا کرتے تھے۔ ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا۔ دودھ میں کبھی پانی ملا کر اور کبھی خالص دودھ نوش فرماتے کبھی کشمش اور کھجور پانی میں ملا کر اس کا رس پیتے تھے جو کچھ پیتے تین سانس میں نوش فرماتے۔

ٹیبل (میز) پر کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا، ہمیشہ کپڑے یا چمڑے کے دستر خوان پر کھانا کھاتے مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر یا لیٹ کر، کبھی کچھ نہ کھاتے نہ اس کو پسند فرماتے۔ کھانا صرف انگلیوں سے تناول فرماتے، چمچہ کانٹا وغیرہ سے کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

روزمرہ کے معمولات:

احادیث کریمہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے اپنے دن رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا مخلوق کے لئے تیسرا اپنی ذات کے لئے۔

عام طور پر آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد آپ اپنے مصلّٰی پر بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ آفتاب خوب بلند ہو جاتا عام لوگوں سے ملاقات کا یہی خاص وقت تھا لوگ

آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنی حاجات وضروریات کو آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے آپ ان کی ضروریات کو پوری فرماتے اور لوگوں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم وتلقین فرماتے اور اپنے اور لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے اس کے بعد مختلف قسم کی گفتگو فرماتے کبھی کبھی لوگ زمانہ جاہلیت کی باتوں اور رسموں کا تذکرہ کرتے اور ہنستے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مسکرا دیتے، کبھی کبھی صحابہ کرام آپ کو اشعار بھی سناتے۔ (مشکوٰۃ ج 2، ص 406 باب الضحک)

(ابو داؤد ج 2، ص 318 باب فی الرجل یجلس متربعاً)

اکثر اسی وقت میں مال غنیمت اور وظائف کی تقسیم بھی فرماتے جب سورج خوب بلند ہو جاتا تو کبھی چار رکعت کبھی آٹھ رکعت نماز چاشت ادا فرماتے پھر ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور گھریلو ضروریات کے بندوبست میں مصروف ہو جاتے اور گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات کی مدد فرماتے۔

(بخاری جلد 1، ص 93 باب من کان فی حاجۃ اہلہ)

نماز عصر کے بعد آپ تمام ازواج مطہرات کو شرف ملاقات سے سرفراز فرماتے اور سب کے حجروں میں تھوڑی دیر ٹھہر کر گفتگو فرماتے پھر جس کی باری ہوتی وہیں بسر فرماتے، تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں، عشاء تک آپ ان سے بات چیت فرماتے رہتے پھر نماز عشاء کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور مسجد سے واپس آ کر آرام فرماتے اور عشاء کے بعد بات چیت کو ناپسند فرماتے۔

(مسلم جلد 1، ص 472 باب القسم بین الزوجات)

سونا جاگنا:

نماز عشاء پڑھ کر آرام کرنا عام طور پر یہی آپ کا معمول تھا۔ سونے سے پہلے قرآن مجید کی کچھ سورتیں ضرور تلاوت فرماتے اور کچھ دعاؤں کا بھی ورد فرماتے۔ پھر اکثر یہ دعا پڑھ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے کہ

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى۔

ترجمہ: یا اللہ! تیرا نام لے کر وفات پاتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

نیند سے بیدار ہوتے تو اکثر یہ دعا پڑھتے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

ترجمہ: اس اللہ کے لئے حمد ہے جس کے بعد ہم کو زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

آدھی رات یا پہر رات رہے بستر سے اٹھ جاتے مسواک فرماتے پھر وضو فرماتے، خصوصیت کے ساتھ نماز تہجد ادا فرماتے تہجد کی نماز میں لمبی لمبی چھوٹی سورتیں پڑھتے ضعف پیری میں کبھی کچھ رکعتیں بیٹھ کر بھی ادا فرماتے، نماز تہجد کے بعد وتر پڑھتے اور پھر صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد سنت فجر ادا فرما کر نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے کبھی کبھی کئی کئی بار رات میں سوتے اور جاگتے اور قرآن مجید کی آیات تلاوت فرماتے اور کبھی ازواج مطہرات سے گفتگو بھی فرماتے۔ (صحاح ستہ وغیرہ)

رفتار:

حضور ﷺ بہت ہی باوقار رفتار کے ساتھ چلتے تھے، حضرت علی کا بیان ہے کہ بوقت رفتار حضور ﷺ ذرا جھک کر چلتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ اس قدر تیز چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے قدموں کے نیچے سے لپٹی جا رہی ہے۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ چلنے میں ہانپنے لگتے اور مشقت میں پڑ جاتے تھے مگر حضور ﷺ بلا تکلف بغیر کسی مشقت کے تیز رفتاری کے ساتھ چلتے رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 9)

کلام:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ بہت تیزی کے ساتھ جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے تھے بلکہ کلام اتنا صاف اور واضح ہوتا تھا کہ سننے والے اس کو سمجھ کر یاد کر لیتے تھے۔ اگر کوئی اہم بات ہوتی تو اس جملہ کو کبھی کبھی تین مرتبہ فرما دیتے تاکہ سامعین اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ آپ کو ''جوامع الکلم'' کا معجزہ عطاء کیا گیا تھا کہ مختصر سے جملہ میں لمبی چوڑی بات کو بیان فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت ؟؟؟ بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ بلا ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ اکثر خاموش ہی رہتے تھے۔

(شمائل ترمذی ص 15)

دربارِ نبوت:

حضور تاجدار دو عالم ﷺ کا دربار سلاطین اور بادشاہوں جیسا دربار نہ تھا۔ یہ دربار تخت و تاج، نقیب و دربان، پہرہ دار اور باڈی گارڈ وغیرہ کے تکلفات سے قطعاً بے نیز تھا مسجد نبوی کے صحن میں صحابہ کرام نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا۔ یہی تاجدار اور شہنشاہ کونین رونق افروز ہوتے تھے مگر اس سادگی کے باوجود جلال نبوت سے ہر شخص اس دربار میں پیکر تصویر نظر آتا تھا۔ بخاری شریف وغیرہ کی روایات میں آیا ہے کہ لوگ آپ کے دربار میں بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں کوئی ذرا جنبش نہیں کرتا تھا۔ (بخاری جلد 1، ص 398)

آپ اپنے اس دربار میں سب سے پہلے اہل حاجت کی طرف توجہ فرماتے اور سب کی درخواستوں کو سن کر ان کی حاجت روائی فرماتے قبائل کے نمائندوں سے ملاقاتیں فرماتے تمام حاضرین کمال ادب سے سر جھکائے رہتے اور جب آپ کچھ ارشاد فرماتے تو مجلس پر سناٹا چھا جاتا اور سب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر شہنشاہ کونین ﷺ کے فرمان نبوت کو سنتے۔ (بخاری جلد 1، ص 380 شروط فی الجہاد)

آپ کے دربار میں آنے والوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی امیر و فقیر شہری اور بدوی سب قسم کے لوگ حاضر دربار ہوتے اور اپنے اپنے لہجوں میں سوال و جواب کرتے کوئی شخص اگر بولتا تو خواہ کتنا ہی غریب و مسکین کیوں نہ ہو مگر دوسرا شخص اگرچہ وہ کتنا ہی امیر و کبیر نہ ہو اس کی بات کاٹ کر بول نہیں سکتا تھا۔ سبحان اللہ!

وہ عادل جس کے میزان عدالت میں برابر ہیں
غبار مسکنت ہو، یا وقار تاج سلطانی

جو لوگ سوال و جواب میں حد سے زیادہ بڑھ جاتے تو آپ کمال علم سے برداشت فرماتے اور سب کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم و تلقین اور مواعظ و نصائح فرماتے رہتے اور اپنے مخصوص اصحاب سے مشورہ بھی فرماتے رہتے اور صلح و جنگ اور امت کے نظام و انتظام کے بارے میں ضروری احکام بھی صادر فرمایا کرتے تھے۔ اسی دربار میں آپ مقدمات کا فیصلہ بھی فرماتے تھے۔

تاجدار دو عالم کے خطبات:

نبی و رسول چونکہ دین کے داعی اور شریعت ملت کے مبلغ ہوتے ہیں اور تعلیم شریعت اور تلقین دین کا بہترین ذریعہ خطبہ اور وعظ ہی ہے اس لئے ہر نبی و رسول کا خطیب اور واعظ ہونا ضروریات ولوازم نبوت میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رسالت سے سرفراز فرما کر فرعون کے پاس بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت یہ دعا مانگی کہ

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ۝ لا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ لا یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ (طٰهٰ)

ترجمہ: اے میرے رب میرا سینہ کھول دے میرے لئے میرا کام آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں۔

حضور اقدس ﷺ چونکہ تمام رسولوں کے سردار اور سب نبیوں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطابت و تقریر میں ایسا بے مثال کمال عطاء فرمایا کہ آپ افصح العرب (تمام عرب میں سب سے بڑھ کر فصیح) ہوئے اور آپ کو جوامع الکلم کا معجزہ بخشا گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ میں معانی و مطالب کا سمندر موجیں مارتا ہا نظر آتا تھا اور آپ کے جوش تکلم کی تاثیرات سے سامعین کے دلوں کی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا تھا۔

چنانچہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے سوا سینکڑوں مواقع پر آپ نے ایسے ایسے فصیح وبلیغ
ریعت اور تلقین دین کا بہترین ذریعہ خطبہ اور وعظ ہی ہے اس لئے ہر نبی ان خطبوں کے

نطیب اور واعظ ہونا ضروریات ولوازم نبوت میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب اللہ عالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رسالت سے سرفراز فرما کر فرعون کے پاس بھیجا و حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت یہ دعا مانگی کہ

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ۝ لا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ لا یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ (طٰهٰ)

ترجمہ: اے میرے رب میرا سینہ کھول دے میرے لئے میرا کام آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں۔

حضور اقدس ﷺ چونکہ تمام رسولوں کے سردار اور سب نبیوں اس لئے اللہ تعالیٰ

آنکھیں سرخ اور آواز بہت ہی بلند ہو جاتی تھی اور جلال نبوت کے جذبات سے آپ کے چہرہ انور پر غضب کے آثار نمودار ہو جاتے تھے بار بار انگلیوں کو اٹھا اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی لشکر کو للکار رہے ہیں۔

(مسلم جلد 1، ص 284 کتاب الجمعہ)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر آپ کے پر جوش خطبہ اور تقریر کے جوش و خروش کی بہترین تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

> میں نے حضور ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ جبار آسمانوں اور زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں جبار ہوں، میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں جبار لوگ؟ کدھر ہیں متکبرین؟ یہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ کبھی مٹھی بند کر لیتے کبھی مٹھی کھول دیتے اور آپ کا جسم اقدس جوش میں کبھی دائیں کبھی بائیں جھک جھک جاتا یہاں تک میں نے یہ دیکھا کہ منبر کا نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ میں (اپنے دل میں) یہ کہنے لگا کہ کہیں یہ منبر آپ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔ (ابن ماجہ ص 326 ذکر البعث)

آپ نے منبر پر، زمین پر، اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہو کر جیسا موقع پیش آیا خطبہ دیا ہے کبھی کبھی آپ نے طویل خطبات بھی دیئے۔ لیکن عام طور پر آپ کے خطبات بہت مختصر مگر جامع ہوئے تھے۔

میدان جنگ میں آپ کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے اور مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ پڑھتے وقت دست مبارک میں "عصا" ہوتا تھا۔

(ابن ماجہ ص 79 باب ماجاء فی الخطبہ یوم الجمعہ)

آپ کے خطبوں کے اثرات کا یہ عالم ہوتا تھا کہ بعض مرتبہ سخت سے سخت اشتعال انگیز موقعوں پر آپ کے چند جملے محبت کا دریا بہا دیتے تھے۔ حضرت انس کا بیان ہے ایک دن آپ نے ایسا اثر انگیز اور ولولہ خیز خطبہ پڑھا کہ میں نے کبھی ایسا

خطبہ نہیں سنا تھا درمیان خطبہ میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ زبان مبارک سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ سامعین کا یہ حال ہو گیا کہ لوگ کپڑوں میں منہ چھپا چھپا کر زار و قطار رونے لگے۔

(بخاری جلد 2، ص 665 تفسیر سورہ مائدہ)

سرورکائنات کی عبادات

حضور اقدس ﷺ باوجود بے شمار مشاغل کے اتنے بڑے عبادت گزار تھے کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی مقدس زندگیوں میں اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تمام انبیاء سابقین کے بارے میں صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اور ان کے کون کون سے اوقات عبادتوں کے لئے مخصوص تھے؟ تمام انبیاء کرام کی امتوں میں یہ فخر و شرف صرف حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے صحابہ ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کی عبادات کے تمام طریقوں، ان کے اوقات و کیفیات غرض اس کے ایک ایک جزئیہ کو محفوظ رکھا ہے گھروں کے اندر اور راتوں کی تاریکیوں میں آپ جو اور جس قدر عبادتیں فرماتے تھے ان کو ازواج مطہرات نے دیکھ کر یاد رکھا اور ساری امت کو بتا دیا اور گھر کے باہر کی عبادتوں کو حضرات صحابہ کرام نے نہایت ہی اہتمام کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیا اور آپ کے قیام و قعود، رکوع و سجود اور ان کی کمیات و کیفیات، اذکار اور دعاؤں کے بعینہ الفاظ یہاں تک کہ آپ کے ارشادات اور خضوع و خشوع کی کیفیات کو بھی اپنی یادداشت کے خزانوں میں محفوظ کر لیا۔ پھر امت کے سامنے ان عبادتوں کا اس قدر چرچا کیا کہ نہ صرف کتابوں کے اوراق میں وہ محفوظ ہو کر رہ گئے بلکہ امت کے ایک فرد، یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کو بھی ان کا علم حاصل ہو گیا اور آج مسلمان کا ایک ایک بچہ خواہ کرہ زمین کے کسی بھی گوشہ میں رہتا ہو اس کو اپنے نبی کی عبادتوں کے مکمل حالات معلوم ہیں اور وہ ان عبادتوں پر اپنے نبی کی اتباع میں جوش و ایمان اور جذبہ عمل کے ساتھ کاربند ہے آپ کی عبادتوں کا ایک اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

نماز:

اعلان نبوت سے قبل بھی آپ غار حرا میں قیام و مراقبہ اور ذکر و فکر کے طور پر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے، نزول وحی کے بعد ہی آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتا دیا گیا۔ پھر شب معراج میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ حضور ﷺ نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز اشراق، نماز چاشت، تحیۃ المسجد، صلوٰۃ الاوابین وغیرہ سنن و نوافل بھی ادا فرماتے تھے۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ تمام عمر نماز تہجد کے پابند رہے، راتوں کے نوافل کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نماز عشاء کے بعد کچھ دیر سوتے۔ پھر کچھ دیر تک اٹھ کر نماز پڑھتے۔ پھر سو جاتے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے۔ غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی۔ کبھی دو تہائی رات گزر جانے کے بعد بیدار ہوتے اور صبح صادق تک نمازوں میں مشغول رہتے۔ کبھی نصف رات گزر جانے کے بعد بستر سے اٹھ جاتے اور پھر ساری رات بستر پر پیٹھ نہیں لگاتے تھے اور لمبی لمبی سورتیں نمازوں میں پڑھا کرتے کبھی رکوع و سجود طویل ہوتا کبھی قیام طویل ہوتا۔ کبھی چھ رکعت، کبھی آٹھ رکعت کبھی اس سے کم، کبھی اس سے زیادہ، اخیر عمر شریف میں کچھ رکعتیں کھڑے ہو کر، کچھ بیٹھ کر ادا فرماتے، نماز وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا فرماتے، رمضان شریف خصوصاً آخری عشرہ میں آپ کی عبادات بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ آپ ساری رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات سے بے تعلق ہو جاتے تھے اور گھر والوں کو نمازوں کے لئے جگایا کرتے تھے اور عموماً اعتکاف فرماتے تھے۔ نمازوں کے ساتھ ساتھ کبھی کھڑے ہو کر، کبھی بیٹھ کر، کبھی سر بسجود ہو کر، نہایت آہ و زاری اور گریہ و بکا کے ساتھ گڑ گڑا گڑ گڑا کر راتوں میں دعائیں بھی مانگا کرتے، رمضان شریف میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن عظیم کا دور بھی فرماتے اور تلاوت قرآن مجید کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی مختلف دعاؤں کا ورد بھی فرماتے تھے اور کبھی کبھی ساری رات نمازوں اور دعاؤں میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ پائے اقدس میں ورم آجایا کرتا تھا۔

(صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث)

روزہ:

رمضان شریف کے روزوں کے علاوہ شعبان میں بھی قریب قریب مہینہ بھر آپ روزہ دار ہی رہتے تھے۔ سال کے باقی مہینوں میں بھی یہی کیفیت رہتی تھی کہ اگر روزہ رکھنا شروع فرما دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہیں چھوڑیں گے پھر ترک فرما دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔ خاص کر ہر مہینے میں تین دن ایام بیض کے روزے، دوشنبہ و جمعرات کے روزے، عاشورا کے روزے عشرہ ذوالحجہ کے روزے، شوال کے چھ روزے، معمولاً رکھا کرتے تھے، کبھی کبھی آپ ''صوم وصال'' بھی رکھتے تھے۔ یعنی کئی کئی دن رات کا ایک روزہ، مگر اپنی امت کو ایسا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں ارشاد فرمایا کہ تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں اپنے رب کے دربار میں رات بسر کرتا ہوں اور وہ مجھ کو (روحانی غذا) کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (بخاری و مسلم صوم وصال)

زکوٰۃ:

چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ قدوس نے زکوٰۃ فرض ہی نہیں فرمائی ہے اس لئے آپ پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں تھی۔ (زرقانی جلد 8، ص 90)

لیکن آپ کے صدقات و خیرات کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے پاس سونا چاندی یا تجارت کا کوئی سامان یا مویشیوں کا کوئی ریوڑ رکھتے ہی نہیں تھے بلکہ جو کچھ بھی آپ کے پاس آتا سب اللہ کی راہ میں مستحقین پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کو یہ گوارا ہی نہیں تھا کہ رات بھر کوئی مال و دولت کاشانہ نبوت میں رہ جائے ایک مرتبہ ایسا اتفاق پڑا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آ گئی کہ وہ شام تک تقسیم کرنے کے باوجود ختم نہ ہو سکی تو آپ رات بھر مسجد ہی میں رہ گئے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر یہ خبر دی کہ یارسول اللہ ﷺ! ساری رقم تقسیم ہو چکی تو آپ نے اپنے مکان میں قدم رکھا۔

(ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین)

حج:

اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ نے دو یا تین حج کئے۔

(ترمذی باب کم حج النبی ﷺ وابن ماجہ)

لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے 10 ھ میں آپ نے ایک حج فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے جس کا مفصل تذکرہ گزر چکا۔

حج کے علاوہ ہجرت کے بعد آپ نے چار عمرے بھی ادا فرمائے۔

(ترمذی و بخاری و مسلم کتاب الحج)

ذکرالٰہی:

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آپ ہر وقت ہر گھڑی ہر لحظہ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ وغیرہ)

اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے نئے کپڑے، سوار ہوتے، سواری سے اترتے، سفر میں جاتے، سفر سے واپس ہوتے، بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور نکلتے، مسجد میں آتے جاتے، جنگ کے وقت آندھی، بارش، بجلی کڑکتے وقت، ہر وقت ہر حال میں دعائیں ورد زبان رہتی تھیں، خوشی اور غمی کے اوقات میں، صبح صادق طلوع ہونے کے وقت، غروب آفتاب کے وقت، مرغ کی آواز سن کر، گدھے کی آواز سن کر، غرض کون سا ایسا موقع تھا کہ آپ کوئی دعا نہ پڑھتے دن ہی میں نہیں بلکہ رات کے سناٹوں میں بھی برابر دعا خوانی اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ بوقت وفات بھی جو فقرہ بار بار ورد زبان رہا وہ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کی دعا تھی۔

(صحاح ستہ حصن حصین وغیرہ کتب احادیث)



باب نمبر:18

اخلاقِ نبوت

آپ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں خلق اللہ سے کیا پوچھنا؟ جب کہ خود خالق اخلاق نے یہ فرما دیا کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ٥ یعنی اے حبیب! بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے درجہ پر ہیں۔ آج تقریباً چودہ سو برس گزر جانے کے بعد دشمنان رسول کی کیا مجال کہ آپ کو بداخلاق کہہ سکیں اس وقت جب کہ آپ اپنے دشمنوں کے مجمعوں میں اپنے عملی کردار کا مظاہرہ فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ قدس نے قرآن میں اعلان فرمایا کہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران)

ترجمہ:(اے حبیب) اللہ کی رحمت سے آپ لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آتے ہیں اگر آپ کہیں بد اخلاق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ جاتے۔

دشمنان رسول نے قرآن کی زبان سے یہ اللہ کا اعلان سنا، مگر کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اس کے خلاف کوئی بیان دیتا یا اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کو جھٹلاتا، بلکہ آپ کے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ آپ بہت ہی بلند اخلاق، نرم خو اور رحیم و کریم ہیں۔

بہر حال حضور نبی کریم ﷺ محاسن اخلاق کے تمام گوشوں کے جامع تھے یعنی حلم و عفو، رحم و کرم، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار و قربانی، مہمان نوازی، عدم تشدد شجاعت، ایفاء عہد، حسن معاملہ، صبر و قناعت، نرم گفتاری، خوشروئی، ملنساری، مساوات، غمخواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع و انکساری، حیا داری کی اتنی بلند منزلوں پر آپ فائز و سرفراز ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک جملے میں اس کی صحیح تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" یعنی تعلیمات قرآن پر پورا پورا عمل یہی آپ کے اخلاق تھے۔

اخلاق نبوت کا ایک مفصل و عظم ہم نے اپنی کتاب "حقانی تقریریں" میں تحریر کر دیا ہے یہاں بھی ہم اخلاق نبوت کے "شجرۃ الخلد" کی چند شاخوں کے کچھ پھول پھل پیش کر دیتے ہیں تاکہ ہم اور آپ ان پر عمل کر کے اپنی اسلامی زندگی کو کامل و اکمل بنا کر عالم اسلام میں مکمل مسلمان بن جائیں اور دار العمل سے دار الجزاء تک اللہ تعالیٰ عزوجل کے شامیانہ رحمت میں اس کے اعلیٰ و افضل انعاموں کے میٹھے میٹھے پھل کھاتے رہیں۔ وَاللّٰہُ تعالیٰ ھو الموافق و المعین۔

حضور کی عقل:

چونکہ تمام علمی و عملی اور اخلاقی کمالات کا دار و مدار عقل ہی پر ہے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل کے بارے میں بھی کچھ تحریر کر دینا انتہائی ضروری ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں ہم یہاں صرف ایک حوالہ تحریر کرتے ہیں۔

وہب بن منبہ نے فرمایا کہ میں نے اکہتر کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب سے دنیا عالم وجود میں آئی ہے، اس وقت سے قیامت تک کے تمام انسانوں کی عقلوں کا اگر حضور ﷺ کی عقل شریف سے موازنہ کیا جائے تو تمام انسانوں کی عقلوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل شریف سے وہی نسبت ہوگی جو ایک ریت کے ذرے کو تمام دنیا کے ریگستانوں سے نسبت ہے یعنی تمام انسانوں کی عقلیں ایک ریت کے ذرے کے برابر ہیں اور حضور ﷺ کی عقل شریف تمام دنیا کے ریگستانوں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم محدث نے حلیہ میں روایت کیا اور محدث ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ (زرقانی جلد 4، ص 250 و شفاء شریف جلد 1، ص 42)

حلم و عفو:

حضرت زید بن سعنہ جو پہلے ایک یہودی عالم تھے انہوں نے حضور ﷺ سے کھجوریں خریدی تھیں۔ کھجوریں دینے کی مدت میں ابھی ایک دو دن باقی تھے کہ انہوں نے بھرے مجمع میں حضور ﷺ سے انتہائی تلخ و ترش لہجے میں سختی کے ساتھ تقاضا کیا اور آپ کا دامن اور چادر پکڑ کر نہایت تند و تیز نظروں سے آپ کی طرف دیکھا اور چلا چلا کر یہ کہا کہ اے محمد ﷺ تم سب عبدالمطلب کی اولاد کا یہی طریقہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں دیر لگایا کرتے ہو اور ٹال مٹول کرنا تم لوگوں کی عادت بن چکی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور نہایت غضب ناک اور زہریلی نظروں سے گھور گھور کر کہا کہ اے اللہ کے دشمن! تو اللہ کے رسول سے ایسی گستاخی کر رہا ہے؟ اللہ کی قسم! اگر حضور ﷺ کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں ابھی ابھی اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں تو یہ چاہیئے تھا کہ مجھ کو ادائے حق کی ترغیب دے کر اور اس کو نرمی کے ساتھ تقاضا کرنے کی ہدایت کر کے ہم دونوں کی مدد کرتے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! اس کو اس کے حق کے برابر کھجوریں دے دو! اور کچھ زیادہ بھی دے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حق سے زیادہ کھجوریں دیں تو حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! میرے حق سے زیادہ کیوں دے رہے

ہو؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ میں ٹیڑھی ترچھی نظروں سے دیکھ کرتم کوخوفزدہ کر دیا تھا اس لئے حضور ﷺ نے تمہاری دلجوئی و دلداری کے لئے تمام حق سے کچھ زیادہ دینے کا مجھے حکم دیا ہے یہ سن کر حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں زید بن سعنہ ہوں رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں زید بن سعنہ ہوں آپ نے فرمایا تم وہی زید بن سعنہ ہو جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے حضور ﷺ کے ساتھ ایسی گستاخی کیوں کی؟ حضرت زید بن سعنہ نے جواب دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! دراصل بات یہ ہے کہ میں نے توراۃ میں نبی آخرالزمان کی جتنی نشانیاں پڑھی تھیں ان سب کو میں نے ان کی ذات میں دیکھ لیا مگر دونشانیوں کے بارے میں مجھے ان کا امتحان کرنا باقی رہ گیا تھا ایک یہ کہ ان کا حلم جہل پر غالب رہے گا اور جس قدر زیادہ ان کے ساتھ جہل کا برتاؤ کیا جائے گا اسی قدر ان کا حلم بڑھتا جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس ترکیب سے ان دونوں نشانیوں کو بھی ان میں دیکھ لیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً یہ نبی برحق ہیں اور اے عمر رضی اللہ عنہ! میں بہت ہی مالدار آدمی ہوں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا آدھا مال حضور ﷺ کی امت پر صدقہ کر دیا پھر یہ بارگاہ رسالت میں آئے اور کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں آگئے۔ (دلائل النبوۃ جلد 1، ص 23 و زرقانی جلد 4، ص 253)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ حنین سے واپسی پر دیہاتی لوگ آپ سے چمٹ گئے اور آپ سے مال کا سوال کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ کو چمٹے کہ آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک ببول کے درخت کے پاس ٹھہر گئے اتنے میں ایک بدوی آپ کی چادر مبارک اچک کر لے بھاگا پھر آپ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میری چادر تو مجھے دے دو اگر میرے پاس ان جھاڑیوں کے برابر چوپائے ہوتے تو میں ان سب کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، تم لوگ مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل۔ (بخاری ج 1، ص 446)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا اور

آپ ایک بخرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کندھے موٹے اور کھردرے تھے ایک دم ایک بدوی نے آپ کو پکڑ لیا اور اتنے زبردست جھٹکے سے چادر مبارک کو اس نے کھینچا کہ حضور ﷺ کی نرم و نازک گردن پر چادر کی کنار سے خراش آ گئی پھر اس بدوی نے یہ کہا کہ اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے آپ حکم دیجئے کہ اس میں سے مجھے کچھ مل جائے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے جب اس بدو کی طرف توجہ فرمائی تو کمال حلم وعفو سے اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے اور پھر اس کو کچھ مال عطاء فرمانے کا حکم صادر فرمایا۔

(بخاری جلد 1، ص 446 باب ما کان یعطی النبی المولفتہ)

جنگ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کر دیا اور عبداللہ بن قمیہ نے چہرہ انور کو زخمی اور خون آلودہ کر دیا مگر آپ نے ان لوگوں کے لئے اس کے سوا کچھ بھی نہ فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ مَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: یعنی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ مجھے نہیں جانتے ہیں۔

خیبر میں زینب نامی یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا مگر آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا اور بذریعہ وحی اس کا سارا حال معلوم ہوا مگر آپ نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں فرمایا، غورث بن الحارث نے آپ کے قتل کا ارادہ سے آپ کی تلوار لے کر نیام سے کھینچ لی، جب حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو غورث کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ "اللہ" نبوت کی ہیبت سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضور ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ بول اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچانے والا ہے؟ غورث گڑگڑا کر کہنے لگا کہ آپ ہی میری جان بچادیں رحمت عالم ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا۔ چنانچہ غورث اپنی قوم میں آکر کہنے لگا کہ اے لوگو! میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام دنیا کے انسانوں سے بہتر ہے۔ (شفا قاضی عیاض جلد 1، ص 62)

کفار مکہ نے وہ کون سا ایسا ظالمانہ برتاؤ تھا جو آپ کے ساتھ نہ کیا ہو مگر فتح مکہ کے دن جب یہ سب جباران قریش انصار و مہاجرین کے لشکروں کے محاصرہ میں محصور و مجبور ہو کر حرم کعبہ میں خوف و دہشت سے کانپ رہے تھے اور انتقام کے ڈر سے ان کے جسم کا ایک ایک بال لرز رہا تھا۔ رسول رحمت نے ان مجرموں اور پاپیوں کو یہ فرما کر چھوڑ دیا اور معاف کر دیا کہ

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

ترجمہ: آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ایک کافر کو صحابہ کرام پکڑ کر لائے کہ یارسول اللہ ﷺ اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ شخص خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ تم کوئی خوف نہ رکھو بالکل مت ڈرو اگر تم نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تو کیا ہوا؟ تم کبھی میرے اوپر غالب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ (شفاء قاضی عیاض جلد 1، ص 63 وغیرہ)

الغرض اس طرح کے نبی رحمت کی حیات طیبہ میں ہزاروں واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ حلم و عفو یعنی ایذاؤں کا برداشت کرنا اور مجرموں کو قدرت کے باوجود بغیر انتقام کے چھوڑ دینا اور معاف کر دینا آپ کی یہ عادات کریمہ بھی آپ کے اخلاق حسنہ کا وہ عظیم شاہکار ہے جو ساری دنیا میں عدیم المثال ہے۔ حضرت بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ

وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

(شفاء شریف جلد 1، ص 61 وغیرہ و بخاری جلد 1، ص 503)

ترجمہ: اپنی ذات کے لئے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں البتہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کا اگر کوئی مرتکب ہوتا تو ضرور اس سے مواخذہ فرماتے۔

تواضع:

حضور ﷺ کی شان تواضع بھی سارے عالم سے نرالی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار عطاء فرمایا کہ اے حبیب! اگر آپ چاہیں تو شاہانہ زندگی بسر فرمائیں اور اگر آپ

چاہیں تو ایک بندے کی زندگی گزاریں تو آپ نے بندہ بن کر زندگی گزارنے کو پسند فرمایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے آپ کی یہ تواضع دیکھ کر فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کی اس تواضع کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جلیل القدر مرتبہ عطاء فرمایا ہے کہ آپ تمام اولاد آدم میں سب سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے آپ اپنی قبر انور سے اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر میں سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے۔ (زرقانی جلد 4، ص 262 و شفاء جلد 1، ص 86)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے عصاء مبارک پر ٹیک لگاتے ہوئے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے تو ہم سب صحابہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے یہ دیکھ کر تواضع کے طور پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس طرح نہ کھڑے رہا کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے رہا کرتے ہیں۔ میں تو ایک بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔
(شفاء شریف جلد 1، ص 86)

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور تاجدار دو عالم ﷺ کبھی کبھی اپنے پیچھے سواری پر اپنے کسی خادم کو بھی بٹھالیا کرتے تھے ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جنگ قریظہ کے دن آپ کی سواری کے جانور کی لگام چھال کی رسی سے بنی ہوئی تھی۔ (زرقانی جلد 4، ص 264)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے تھے جو کی روٹی اور پرانی چربی کھانے کی دعوت دی جاتی تھی تو آپ اس دعوت کو قبول فرماتے تھے۔ مسکینوں کی بیمار پرسی فرماتے، فقراء کے ساتھ ہم نشینی فرماتے اور اپنے صحابہ کے درمیان مل جل کر نشست فرماتے۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 77)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ اپنے گھریلو کام خود اپنے دست مبارک سے کرلیا کرتے تھے۔ اپنے خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور گھر کے کاموں میں آپ اپنے خادموں کی مدد فرمایا کرتے تھے۔
(شفاء شریف جلد 1، ص 77)

ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا تو جلالت نبوت کی ہیبت سے ایک دم خائف ہوکر لرزہ براندام ہو گیا اور کانپنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بالکل مت ڈرو۔ میں نہ کوئی بادشاہ ہوں۔ نہ کوئی جبار حاکم، میں تو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک بوٹیاں کھایا کرتی تھیں۔ (زرقانی جلد 4، وشفاء جلد 1، ص 78)

فتح مکہ کے دن جب فاتحانہ شان کے ساتھ آپ اپنے لشکروں کے ہجوم میں شہر مکہ کے اندر داخل ہونے لگے تو اس وقت آپ پر تواضع اور انکسار کی ایسی تجلی نمودار ہوئی تھی کہ اونٹنی کی پیٹھ پر اس طرح سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے کہ آپ کا سر مبارک کجاوہ کے اگلے حصہ سے لگا ہوا تھا۔ (شفاء جلد 1، ص 77)

اسی طرح جب حجتہ الوداع میں آپ ایک لاکھ شمع نبوت کے پروانوں کے ساتھ اپنی مقدس زندگی کے آخری حج میں تشریف لے گئے تو آپ کی اونٹنی پر ایک پرانا پالان تھا اور آپ کے جسم انور پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہ تھی اسی اونٹنی کی پشت پر اور اسی لباس میں آپ نے اللہ تعالیٰ ذوالجلال کے نائب اکرم اور تاجدار دو عالم ہونے کی حیثیت سے اپنا شہنشاہی خطبہ پڑھا۔ جس کو ایک لاکھ سے زائد فرزندان توحید ہمہ تن گوش ہوکر سن رہے تھے۔ (زرقانی جلد 4، ص 286)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس کا تسمہ ٹوٹ گیا اور آپ اپنے دست مبارک سے اس کو درست فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے دیجئے میں اس کو درست کردوں، میری اس درخواست پر ارشاد فرمایا کہ یہ صحیح ہے تم اس کو ٹھیک کردو گے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں تم لوگوں پر اپنی برتری اور اور بڑائی ظاہر کروں، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو کسی کام میں مشغول دیکھ کر بار بار درخواست عرض کرتے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ خود یہ کام نہ کریں اس کام کو ہم لوگ انجام دیں گے مگر آپ یہی فرماتے کہ یہ سچ ہے کہ تم لوگ میرا سب کام کرو گے مگر مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ تم لوگوں کے درمیان کسی امتیازی شان کے ساتھ رہوں۔ (زرقانی جلد 4، ص 265)

حسنِ معاشرت:

حضور اقدس ﷺ اپنی ازواج مطہرات اپنے احباب، اپنے اصحاب، اپنے رشتہ داروں، اپنے پڑوسیوں ہر ایک کے ساتھ اتنی خوش اخلاقی اور ملنساری کا برتاؤ فرماتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک آپ کے اخلاق حسنہ کا گرویدہ اور مداح تھا، خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دس برس تک سفر و وطن میں حضور ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کیا مگر کبھی بھی حضور ﷺ نے مجھے ڈانٹا نہ جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ (زرقانی جلد 4، ص 266)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ سے زیادہ کوئی خوش اخلاق نہیں تھا آپ کے اصحاب یا آپ کے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی آپ کو پکارتا تو لبیک (حاضر جناب) کہہ کر جواب دیتے حضرت جریر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا کبھی بھی حضور ﷺ نے مجھے پاس آنے سے نہیں روکا اور جس وقت بھی مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے اور آپ اپنے اصحاب سے خوش طبعی بھی فرماتے اور سب کے ساتھ مل جل کر رہتے اور ہر ایک سے گفتگو فرماتے اور صحابہ کرام کے بچوں سے بھی خوش طبعی فرماتے اور ان بچوں کو اپنی مقدس گود میں بٹھا لیتے اور آزاد نیز لونڈی غلام اور مسکین سب کی دعوتیں قبول فرماتے اور مدینہ کی انتہائی حصہ میں رہنے والے مریضوں کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے اور عذر پیش کرنے والوں کے عذر کو قبول فرماتے۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 71)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کے کان میں کوئی سرگوشی کی بات کرتا تو آپ اس وقت تک اپنا سر اس کے منہ سے الگ نہ فرماتے جب تک وہ کان میں کچھ کہتا رہتا اور آپ اپنے اصحاب کی مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے اور جو آپ کے سامنے آتا آپ سلام کرنے میں پہل کرتے اور ملاقاتیوں سے مصافحہ فرماتے اور اکثر اوقات اپنے پاس آنے والے ملاقاتیوں کے لئے آپ اپنی چادر مبارک بچھا دیتے اور اپنی مسند بھی پیش کر دیتے اور اپنے اصحاب کو ان کی کنیتوں اور اچھے ناموں سے پکارتے کبھی کسی بات کرنے والے کی بات کو کاٹتے نہیں تھے ہر شخص سے خوشروئی کے ساتھ مسکرا کر ملاقات فرماتے۔ مدینہ کے خدام اور نوکر چاکر

برتنوں میں صبح کو پانی لے کر آتے، تاکہ حضور ﷺ ان کے برتنوں میں دست مبارک ڈبو دیں اور پانی متبرک ہو جائے تو سخت جاڑے کے موسم میں بھی صبح کو حضور ﷺ ہر ایک کے برتن میں اپنا مقدس ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے اور جاڑے تو سخت جاڑے کے موسم میں بھی صبح کو حضور ﷺ ہر ایک کے برتن میں اپنا مقدس ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے اور جاڑے کی سردی کے باوجود کسی کو محروم نہیں فرماتے تھے۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 72)

حضرت عمرو بن سائب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ کے رضاعی باپ یعنی حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تشریف لائے تو آپ نے اپنے کپڑے کا ایک حصہ ان کے لئے بچھا دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ کی رضاعی ماں حضرت بی بی حلیمہ تشریف لائیں تو آپ نے اپنے کپڑے کا باقی حصہ ان کے لئے بچھا دیا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ نے ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور حضور ﷺ حضرت ثوبیہ کے پاس ہمیشہ کپڑا وغیرہ بھیجتے رہتے تھے۔ یہ ابولہب کی لونڈی تھیں اور چند دنوں تک حضور ﷺ کو انہوں نے بھی دودھ پلایا تھا۔

(شفاء شریف جلد 1، ص 75)

آپ اپنے لئے کوئی مخصوص بستر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ ازواج مطہرات کے بستروں ہی پر آرام فرماتے تھے اور اپنے پیار و محبت سے ہمیشہ اپنی مقدس بیویوں کو خوش رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں پیالے میں پانی پی کر حضور ﷺ کو جب پیالہ دیتی تو آپ پیالے میں اسی جگہ اپنا لب مبارک لگا کر پانی نوش فرماتے جہاں میرے ہونٹ لگے ہوتے اور میں گوشت سے بھری ہوئی کوئی ہڈی اپنے دانتوں سے نوچ کر وہ ہڈی حضور ﷺ کو دیتی تو آپ بھی اسی جگہ سے گوشت کو اپنے دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے جس جگہ میرا منہ لگا ہوتا۔ (زرقانی جلد 4، ص 269)

آپ روزانہ اپنی ازواج مطہرات سے ملاقات فرماتے اور اپنی صاحبزادیوں کے گھروں پر بھی رونق افروز ہو کر ان کی خبر گیری فرماتے اور اپنے نواسوں اور نواسیوں کو بھی اپنے پیار و شفقت سے بار بار نوازتے اور سب کی دلجوئی و دلداری فرماتے اور بچوں سے

بھی گفتگو فرما کر ان کی بات چیت سے اپنا دل خوش کرتے اور ان کا بھی دل بہلاتے اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر گیری اور ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ فرماتے الغرض آپ نے اپنے طرز عمل اور اپنی سیرت مقدسہ سے ایسے اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرمائی کہ اگر آج دنیا آپ کی سیرت مبارکہ پر عمل کرنے لگے تو تمام دنیا میں امن وسکون اور محبت و رحمت کا دریا بہنے لگے اور سارے عالم سے جدال وقتال اور نفاق وشقاق کا جہنم بجھ جائے اور عالم کائنات امن وراحت اور پیار ومحبت کی بہشت بن جائے۔

حیائ:

حضور اقدس ﷺ کی ''حیائ'' کے بارے میں حضرت حق جل جلالہٗ کا قرآن مجید میں یہ فرمان سب سے بڑا گواہ ہے کہ

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ۔

ترجمہ: بے شک تمہاری یہ بات نبی کو ایذا پہنچاتی ہے لیکن وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور تم کو کچھ کہہ نہیں سکتے)

آپ کی شان حیاء کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک معزز صحابی حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا کہ

''آپ کنواری پردہ نشین عورت سے بھی کہیں زیادہ حیادار تھے''۔ (زرقانی جلد 4، ص 284 و بخاری جلد 1، ص 503 باب صفۃ النبی)

اس لئے ہر قبیح قول وفعل اور قابل مذمت حرکات وسکنات سے عمر بھر ہمیشہ آپ کا دامن عصمت سے پاک وصاف ہی رہا اور پوری حیات مبارکہ میں وقار ومروت کے خلاف آپ سے کوئی عمل سرزد نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نہ فحش کلام تھے نہ بیہودہ گو، نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ معاف کر دیا کرتے تھے آپ یہ بھی فرمایا کرتی تھیں کہ کمال حیاء کی وجہ سے میں نے کبھی بھی حضور ﷺ کو برہنہ نہیں دیکھا۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 69)

وعدہ کی پابندی:

ایفائے عہد اور وعدہ کی پابندی بھی درخت اخلاق کی ایک بہت ہی اہم اور نہایت ہی ہری بھری شاخ ہے، اس خصوصیت میں بھی رسول عربی ﷺ کا خلق عظیم بے مثال ہی ہے۔ حضرت ابوالحمساء کہتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے کچھ سامان خریدا اسی سلسلے میں آپ کی کچھ رقم میرے ذمے باقی رہ گئی میں نے آپ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریے میں ابھی ابھی گھر سے رقم لا کر اسی جگہ پر آپ کو دیتا ہوں حضور ﷺ نے اسی جگہ ٹھہرے رہنے کا وعدہ فرما لیا مگر میں گھر آ کر اپنا وعدہ بھول گیا پھر تین دن کے بعد مجھے جب خیال آیا تو رقم لے کر اس جگہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ اسی جگہ ٹھہرے ہوئے میرا انتظار فرما رہے ہیں مجھے دیکھ کر ذرا بھی آپ کی پیشانی پر بل نہیں آیا اور اس کے سوا آپ نے اور کچھ نہیں فرمایا کہ اے نوجوان تم نے تو مجھے مشقت میں ڈال دیا کیونکہ میں اپنے وعدے کے مطابق تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (شفاء شریف ص 74)

عدل:

اللہ کے مقدس رسول ﷺ تمام جہان میں سب سے زیادہ امین، سب سے بڑھ کر عادل اور پاک دامن و راست باز تھے یہ وہ روشن حقیقت ہے کہ آپ کے بڑے بڑے دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا، چنانچہ اعلان نبوت سے قبل تمام اہل مکہ آپ کو ''صادق الوعد'' اور ''امین'' کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت ربیع بن خثیم کا بیان ہے کہ مکہ والوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ آپ اعلیٰ درجہ کے امین اور عادل ہیں اسی لئے اعلان نبوت سے پہلے اہل مکہ اپنے مقدمات اور جھگڑوں کا آپ سے فیصلہ کرایا کرتے تھے اور آپ کے تمام فیصلوں کو انتہائی احترام کے ساتھ بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ امین کا فیصلہ ہے۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 79,78)

حضور اقدس ﷺ کس قدر بلند مرتبہ عادل تھے اس بارے میں بخاری شریف کی ایک روایت سے بڑھ کر شاہد عدل ہے قبیلہ قریش کے خاندان بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اسلام میں چور کی یہ سزا ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ پہنچوں سے کاٹ ڈالا جائے، قبیلہ قریش کو اس واقعہ سے بڑی فکر دامن گیر ہوگئی کہ اگر ہمارے قبیلہ کی اس عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا تو یہ ہماری خاندانی شرافت پر ایسا بدنما داغ ہوگا، جو بھی

مٹ نہ سکے گا اور ہم لوگ تمام عرب کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جائیں گے اس لئے ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ بارگاہ رسالت میں کوئی زبردست سفارش پیش کر دی جائے تاکہ آپ اس عورت کا ہاتھ نہ کاٹیں چنانچہ ان لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید کو جو نگاہ نبوت میں انتہائی محبوب تھے دباؤ ڈال کر اس بات کے لئے آمادہ کر لیا کہ وہ دربار اقدس میں سفارش پیش کریں حضرت اسامہ بن زید نے اشراف قریش کے اصرار سے متاثر ہو کر بارگاہ رسالت میں سفارش عرض کر دی یہ سن کر پیشانی نبوت پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ نے نہایت ہی غضبناک لہجہ میں فرمایا کہ اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ کہ اے اسامہ تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ایک سزا کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ پھر اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور اس خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ

> یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَکُمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا سَرَقَ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہُ وَاِذَا سَرَقَ الضَّعِیْفُ فِیْھِمْ اَقَامُوْا عَلَیْہِ الْحُدُوْدَ وَ اَیْمُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ یَدَھَا۔ (بخاری جلد 2، ص 103 باب کراہیۃ الشفاعت فی الحدود)

ترجمہ: اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس وجہ سے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی شریف چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر سزائیں قائم کرتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو یقیناً محمد اس کا ہاتھ کاٹ لے گا۔

وقار:

حضرت خارجہ بن زید فرمایا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مجلسوں میں جس قدر وقار کے ساتھ رونق افروز رہتے تھے بڑے سے بڑے بادشاہوں کے دربار میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی، حضرت جابر بن سمرہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی مجلس حلم وحیاء اور خیر و امانت کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ آپ کی مجلس میں کبھی کوئی

بلند آواز سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا اور جب آپ کلام فرماتے تو تمام اہل مجلس اس طرح سر جھکائے ہوئے ہمہ تن گوش بن کر آپ کا کلام سنتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نہایت ہی وقار کے ساتھ ساتھ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے جملوں کو گننا چاہتا تو وہ گن سکتا تھا۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 81,80 و بخاری جلد 1، ص 503)

آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، ہر ادا میں ایک خالص پیغمبرانہ وقار پایا جاتا تھا جس سے آپ کی عظمت نبوت کا جاہ وجلال آفتاب عالم تاب کی طرح ہر خاص و عام کی نظروں میں نمودار رہتا تھا۔

زاهدانه زندگی:

آپ شہنشاہ کونین اور تاجدار دو عالم ہوتے ہوئے ایسی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر فرماتے تھے کہ تاریخ نبوت میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، خوراک و پوشاک، مکان و سامان، رہن سہن غرض حیات مبارکہ کے ہر گوشہ میں آپ کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا عالم اس درجہ نمایاں تھا کہ جس کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں آپ کی نگاہ نبوت میں ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی مقدس زندگی میں کبھی تین دن لگاتار ایسے نہیں گزرے کہ آپ نے شکم سیر ہو کر روٹی کھائی ہو ایک ایک مہینہ تک کاشانہ نبوت میں چولہا نہیں جلتا تھا اور کھجور و پانی کے سوا آپ کے گھر والوں کی کوئی دوسری خوراک نہیں ہوا کرتی تھی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اے حبیب! اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کی پہاڑیوں کو سونا بنا دوں اور وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور آپ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کرتے رہیں مگر آپ نے اس کو پسند نہیں کیا اور بارگاہ اللہ تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے یہی زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانا کھاؤں۔ تاکہ بھوک کے دن خوب گڑگڑا کر تجھ سے دعائیں مانگوں اور آسودگی کے دن تیری حمد کروں اور شکر بجا لاؤں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور ﷺ جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا گدا تھا۔جس میں روئی کی جگہ درختوں کی چھال بھری ہوئی تھی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری باری کے دن حضور اقدس ﷺ ایک موٹے ٹاٹ پر سویا کرتے تھے جس کو میں دو تہ کر کے بچھا دیا کرتی تھی۔ایک مرتبہ میں نے اس ٹاٹ کو چار تہہ کر کے بچھا دیا تو صبح کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کی طرح اس ٹاٹ کو تم دہرا کر کے بچھا دیا کرو۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس بستر کی نرمی سے کہیں مجھ پر گہری نیند کا حملہ ہو جائے تو میری نماز تہجد میں خلل پیدا ہو جائے، روایت ہے کہ کبھی کبھی حضور ﷺ ایسی چارپائی پر بھی آرام فرمایا کرتے تھے جو کھردرے بان سے بنی ہوتی تھی۔ جب آپ بغیر بچھونے کے اس چارپائی پر لیٹتے تھے تو جسم نازک پر بان کے نشان پڑ جایا کرتے تھے۔ (شفاء شریف جلد 1،ص 83,82 وغیرہ)

شجاعت:

حضور اکرم ﷺ کی بے مثال شجاعت کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی جیسے بہادر صحابی کا یہ قول ہے کہ جب لڑائی خوب گرم ہوتی تھی اور جنگ کی شدت کو دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کی آنکھیں پتھرا کر سرخ پڑ جایا کرتی تھیں اس وقت میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر اپنا بچاؤ کیا کرتے تھے اور آپ ہم سب لوگوں سے زیادہ آگے بڑھ کر اور دشمنوں کے بالکل قریب پہنچ کر جنگ فرماتے تھے اور ہم لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب رہ کر دشمنوں سے لڑتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ سے زیادہ بہادر اور طاقتور سخی اور پسندیدہ میری آنکھوں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت براء بن عازب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا ہے کہ جنگ حنین میں بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر کفار کے حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا تھا اور کفار کی طرف سے لگاتار تیروں کا منہ برس رہا تھا اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ بلکہ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت سفیان بن الحارث

آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ اکیلے دشمنوں کے دل بادل لشکروں کے ہجوم کی طرف بڑھتے چلے جارہے ہیں اور رجز کے یہ کلمات زبان اقدس پر جاری تھے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔

ترجمہ: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(بخاری جلد 2، ص 617 باب قول اللہ و یوم حنین و زرقانی جلد 4، ص 293)

طاقت:

حضور اقدس ﷺ کی جسمانی طاقت بھی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی تھی اور آپ نے اپنی اس معجزانہ طاقت و قوت سے ایسے ایسے محیر العقول کارناموں اور کمالات کا مظاہرہ کیا ہے کہ عقل انسانی اس کے تصور سے حیران رہ جاتی ہے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام جب خندق کھود رہے تھے ایک ایسی چٹان ظاہر ہوگئی جو کسی طرح کسی شخص سے بھی نہیں ٹوٹ سکی۔ مگر جب آپ نے اپنی طاقت نبوت سے اس پر پھاوڑا مارا تو وہ ریت کے بھرے بھرے ٹیلے کی طرح بکھر کر پاش پاش، جس کا مفصل تذکرہ جنگ خندق میں ہم تحریر کر چکے ہیں۔

رکانہ پہلوان سے کشتی:

عرب کا مشہود پہلوان رکانہ آپ کے سامنے سے گزرا آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ اگر آپ مجھ سے کشتی لڑ کر مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ کی دعوت اسلام کو قبول کرلوں گا۔ حضور ﷺ تیار ہو گئے اور اس سے کشتی لڑ کر اس کو پچھاڑ دیا، پھر اس نے دوبارہ کشتی لڑنے کی دعوت دی آپ نے دوسری مرتبہ بھی اپنی پیغمبرانہ طاقت سے اس کو اس زور کے ساتھ زمین پر ٹپک دیا کہ وہ دیر تک اٹھ نہ سکا اور حیران ہو کر کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ اللہ کی قسم آپ کی عجیب شان ہے کہ آج تک عرب کا کوئی پہلوان میری پیٹھ زمین پر نہیں لگا سکا مگر آپ نے دم زدن میں مجھے دو مرتبہ زمین پر پچھاڑ دیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ رکانہ فوراً ہی مسلمان ہو گیا مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ رکانہ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زرقانی جلد 4،ص 291)

یزید بن رکانہ سے مقابلہ:

اسی رکانہ کا بیٹا یزید بن رکانہ بھی مانا ہوا پہلوان تھا یہ تین سو بکریاں لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد ﷺ ! آپ مجھ سے کشتی لڑیئے آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے تمہیں پچھاڑ دیا تو تم کتنی بکریاں مجھے انعام میں دو گے اس نے کہا کہ ایک سو بکریاں میں آپ کو دے دوں گا، حضور ﷺ تیار ہو گئے اور اس سے ہاتھ ملاتے ہی اس کو زمین پر ٹپک دیا اور وہ حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگا اور وعدہ کے مطابق ایک سو بکریاں اس نے آپ کو دیدیں مگر پھر دوبارہ اس نے کشتی لڑنے کا چیلنج دیا، آپ نے دوسری مرتبہ بھی اس کی پیٹھ زمین پر لگا دی اس نے پھر ایک سو بکریاں آپ کو دے دیں، پھر تیسری بار اس نے کشتی کے لئے للکارا، آپ نے ان کا چیلنج قبول فرمالیا اور کشتی لڑکر اس زور کے ساتھ اس کو زمین پر دے مارا کہ وہ چت ہو گیا۔ اس نے باقی ایک سو بکریوں کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ ! سارا عرب گواہ ہے کہ آج تک کوئی پہلوان مجھ پر غالب نہیں آسکا، مگر آپ نے تین بار جس طرح مجھے کشتی میں بچھاڑا ہے اس سے میرا دل مان گیا کہ یقیناً آپ خدا کے نبی ہیں، یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں آ گیا، حضور ﷺ اس کے مسلمان ہو جانے سے بے حد خوش ہوئے اور اس کو تین سو بکریاں واپس کر دیں۔ (زرقانی جلد 4،ص 292)

ابوالاسود سے زور آزمائی:

اس طرح ابوالاسود بھی اتنا بڑا طاقتور پہلوان تھا کہ وہ ایک چمڑے پر بیٹھ جاتا تھا اور دس پہلوان اس چمڑے کو کھینچتے تھے تاکہ وہ چمڑا اس کے نیچے سے نکل جائے مگر وہ چمڑا پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے باوجود اس کے نیچے سے نکل نہیں سکتا تھا اس نے بارگاہ اقدس میں آ کر یہ چیلنج دیا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں، تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، حضور ﷺ اس سے کشتی لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہی اس کو زمین پر بچھاڑ دیا۔ وہ آپ کی اس طاقت نبوت سے حیران ہو کر فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی جلد 4،ص 292)

سخاوت:

حضور اقدس ﷺ کی شان سخاوت محتاج بیان نہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ بڑھ کر سخی تھے۔ خصوصاً ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ برسنے والی بدلیوں کو اٹھانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ آپ سخی ہو جاتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی سائل کے جواب میں خواہ وہ کتنی ہی بڑی چیز کا سوال کیوں نہ کرے آپ نے لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 65)

یہی وہ مضمون ہے جس کو مرزوق شاعر تابعی متوفی 11 ھ نے کیا خوب کہا ہے کہ

مَا قَالَ لاَ قَطُّ اِلاَّ فِیْ تَشَھُّدِہٖ
لَوْ لاَ التَّشَھُّدُ کَانَتْ لاَئُہٗ نَعَمَ

اسی کا ترجمہ کسی شاعر فارسی نے اس طرح کیا ہے کہ

نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر در اشہدان لا الہ الا اللہ

یعنی حضور ﷺ نے کسی سائل کے جواب میں لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ نعم (ہاں) ہی کہا۔ مگر کلمہ شہادت میں لا (نہیں) کا لفظ ضرور آپ کی زبان مبارک پر آتا تھا اور اگر کلمہ شہادت میں لا کہنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اس میں بھی لا (نہیں) کی جگہ آپ نعم (ہاں) ہی فرماتے۔

حضور اقدس ﷺ کی سخاوت کسی سائل کے سوال ہی پر محدود منحصر نہیں تھی بلکہ بغیر مانگے ہوئے بھی آپ نے لوگوں کو اس قدر زیادہ مال عطاء فرما دیا کہ عالم سخاوت میں اس کی مثال نادر و نایاب ہے۔ آپ کے بہت بڑے دشمن امیہ بن خلف کافر کا بیٹا صفوان بن امیہ جب مقام "جعرانہ" میں حاضر دربار ہوا تو آپ نے اس کو اتنی کثیر تعداد میں اونٹوں اور بکریوں کا ریوڑ عطاء فرما دیا کہ دو پہاڑیوں کے درمیان کا میدان بھر گیا۔ چنانچہ صفوان مکہ جا کر چلا چلا کر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اے لوگو! دامن اسلام میں آجاؤ، محمد ﷺ اس قدر زیادہ مال عطاء فرماتے ہیں کہ فقیری کا کوئی اندیشہ ہی باقی

نہیں رہتا۔ اس کے بعد پھر صفوان خود بھی مسلمان ہو گئے۔ (زرقانی جلد 4، ص 295)

بہرحال آپ کے جود و نوال اور سخاوت کے احوال اسقدر عدیم المثال اور اتنے زیادہ ہیں ان کا تذکرہ تحریر کیا جائے تو بہت سی کتابوں کا انبار تیار ہو سکتا ہے مگر اس سے پہلے کے اوراق میں ہم جتنا اور جس قدر لکھ چکے ہیں وہ سخاوت نبوت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے خداوند کریم ہم سب مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

اسماء مُبارکہ:

عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ "كَثْرَةُ الْأَسْمَاءِ تُدُلُّ عَلٰى شَرَفِ الْمَسَمّٰى" یعنی کسی چیز کے ناموں کا بہت زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز عزت و شرف والی ہے، حضور اقدس ﷺ کو چونکہ خلاق عالم جل جلالہ نے اس قدر اعزاز و اکرام اور عزت و شرف سے سرفراز فرمایا ہے کہ آپ امام النبیین، سید المرسلین، محبوب رب العالمین اس لئے آپ کے اسماء مبارکہ اور القاب بہت زیادہ ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے پانچ نام ہیں "1- محمد" "2- احمد" ہوں اور میں "3- ماحی" ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹاتا ہے اور میں "4- حاشر" ہوں کہ میرے قدموں پر سب لوگوں کا حشر ہوگا اور "5- عاقب" ہوں۔ (یعنی سب سے آخری نبی) (بخاری جلد 1، ص 501 باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ)

قرآن مجید حضور ﷺ کے القاب و اسماء بہت زیادہ تعداد میں مذکور ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ خداوند قدوس کے ناموں کی طرح حضور ﷺ کے بھی ننانوے نام یہ ہیں اور علامہ ابن وحیہ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا کہ اگر حضور کے ان تمام ناموں کو شمار کیا جائے جو قرآن و حدیث اور اگلی کتابوں میں مذکور ہیں تو آپ کے ناموں کی گنتی تین سو تک پہنچتی ہے اور بعض صوفیاء کرام کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ایک ہزار نام ہیں اور حضور ﷺ کے ناموں کی تعداد بھی ایک ہزار ہے۔

(زرقانی جلد 2، ص 118)

بہر حال حضور اقدس ﷺ کے تمام اسماء مبارکہ میں سے دو نام سب سے زیادہ مشہور ہیں ایک ''محمد'' دوسرا ''احمد'' ﷺ۔

آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام ''محمد'' رکھا اور اس نام پر آپ کا عقیقہ کیا جب لوگوں نے پوچھا کہ اے عبدالمطلب! آپ نے اپنے پوتے کا نام ''محمد'' کیوں رکھا۔ آپ کے آباؤ اجداد میں کسی کا بھی یہ نام نہیں رہا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس نیت سے اور اس امید پر اس بچے کا نام ''محمد'' رکھا ہے کہ تمام روئے زمین کے لوگ اس کی تعریف کریں گے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ میں نے اس امید پر ''محمد'' نام رکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اس کی تعریف فرمائے گا اور زمین میں خدا کی تمام مخلوق اس کی تعریف کرے گی اور حضرت عبدالمطلب کی اس نیت اور امید کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میری پیٹھ سے ایک چاندی کی زنجیر نکلی جس کا ایک کنارہ زمین میں ہے اور ایک سرا آسمان کو چھو رہا ہے اور تمام مشرق و مغرب کے انسان اس زنجیر سے چمٹے ہوئے ہیں حضرت عبدالمطلب نے جب قریش کے کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ اے عبدالمطلب! آپ کی نسل سے عنقریب ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ تمام اہل مشرق و مغرب اس کی پیروی کریں گے اور تمام آسمان و زمین والے اس کی مدح و ثناء کا خطبہ پڑھیں گے۔ (زرقانی جلد 3، ص 114 تا 115)

اور بعض کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام ''محمد'' رکھا ہے کیونکہ جب حضور ﷺ ان کے شکم مبارک میں رونق افروز تھے تو انہوں نے خواب میں ایک فرشتہ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اے آمنہ! سارے جہان کے سردار تمہارے شکم میں تشریف فرما ہیں جب یہ پیدا ہوں تو تم ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔

(زرقانی جلد 3، ص 115)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے اور حضرت بی بی آمنہ کے خوابوں کی وجہ سے دونوں نے باہمی مشورہ سے حضور ﷺ کا نام ''محمد'' رکھا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ آپ کو ''محمد'' کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام "احمد" کے نام سے تمام زندگی آپ کے ذکر جمیل کا ڈنکا بجاتے رہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ خوشخبری سناتے ہوئے تشریف لائے تھے کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لانے والے ہیں جن کا نام نامی و اسم گرامی "محمد" ہے۔

آپ کی کنیّت:

آپ کی مشہور کنیت "ابوالقاسم" ہے، چنانچہ بہت سی احادیث میں آپ کی یہ کنیت مذکور ہے مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ کی کنیت "ابوابراہیم" بھی ہے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو ان لفظوں سے سلام کیا کہ: "السّلام علیک یا ابا ابراھیم"۔ یعنی اے ابراہیم کے والد آپ پر سلام۔
(زرقانی جلد 3، ص 151)

طبِ نبوی ﷺ

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم لوگ دوائیں استعمال کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا تمام بیماریوں کے لئے دوا پیدا فرمائی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ وہ کونسی بیماری ہے جس کی کوئی دوا نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ "بڑھاپا" ہے۔
(ترمذی جلد 2، ص 25 ابواب الطب)

حضرت عبداللہ بن عباس نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ جن جن طریقوں سے علاج کرتے ہو ان میں سب سے بہتر چار طریقہ علاج ہیں سعوط ناک کے ذریعے دوا چڑھانا، لدود منہ کے کسی ایک جانب سے دوا پلانا حجامتہ کسی عضو پر پچھنا لگوا کر خون نکلوا دینا کشی جلاب لینا۔ (ترمذی جلد 2، ص 26 ابواب الطب)

بعض دوائیں خود حضور ﷺ نے استعمال فرمائی ہیں اور بعض دواؤں کے اوصاف اور ان کے فوائد سے اپنی امت کو آگاہ فرمایا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے تبرکاً چند دواؤں کا ذکر تحریر کرتے ہیں تا کہ ہماری اس مختصر کتاب کے صفحات "طب نبوی"

کے اہم باب سے محروم نہ رہ جائیں۔

''اثمد'' (سرمہ سیاہ اصفہانی) حضور ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اثمد کو استعمال میں رکھو یہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور پلک کے بال اگاتا ہے۔

(ابن ماجہ ص 258 باب الکحل بالاثمد)

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس سرمہ دانی تھی جس میں اثمد کا سرمہ رہتا تھا اور آپ سونے سے پہلے ہر رات تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص 5)

حنا یعنی مہندی حضور ﷺ کے کوئی پھنسی نکلتی یا کانٹا چبھ جاتا تو آپ اس پر مہندی رکھ دیا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص 258 ابواب الطب)

اَلْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ (کلونجی جس کو شونیز بھی کہتے ہیں اور بعض جگہ اس کو منگریلا بھی کہا جاتا ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے استعمال کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں موت کے سوا سب بیماریوں سے شفاء ہے۔

(ابن ماجہ ص 254 ابواب الطب و بخاری جلد 2، ص 848)

اَلتَّلْبِيْنَه (آٹا پانی شہد تیل ملا کر حریرہ کی طرح بنایا جاتا ہے) حضور اکرم کے گھر والوں میں جب کوئی شخص جاڑا بخار میں مبتلا رہتا تھا تو آپ اس طعام کے تیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کھانا غمگین آدمی کے دل کو تقویت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تکلیف کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح تم لوگ پانی سے اپنے چہروں کے میل کچیل کو دور کر دیتے ہو۔

(ابن ماجہ ص 254، ابواب الطب و بخاری جلد 2، ص 849)

اَلْعَسَل (شہد) حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر شکایت کی کہ اس کے بھائی کو دست آ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ پھر وہ دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ دست بند نہیں ہوتے ارشاد فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ پھر وہ تیسری بار آ کر کہنے لگا کہ دست کا سلسلہ جاری ہے آپ نے پھر شہد پلانے کا حکم دیا اس نے کہا کہ یہ علاج تو میں

کر چکا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس کو شہد پلاؤ اس نے جا کر شہد پلایا تو وہ شفایاب ہو گیا۔
(بخاری جلد 2، ص 848 باب الدواء بالعسل)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر مہینہ میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے اس کو کوئی بڑی بلا نہ پہنچے گی۔ (ابن ماجہ ص 255، ابواب الطب)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دو شفاؤں کو لازم پکڑو، ایک شہد، دوسری قرآن شریف۔
(ابن ماجہ ص 255، باب العسل)

خَلّ (سرکہ) حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہترین سالن سرکہ ہے۔ اے اللہ! سرکہ میں برکت عطاء فرما، کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کا سالن ہے اور جس گھر میں سرکا ہوگا وہ گھر کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ (ابن ماجہ ص 246 باب الائتدام بالخل)

زیت (روغن زیتون) حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ روغن زیتون کو سالن کے طور پر استعمال کرو اور اس کو بدن پر بھی ملتے رہو کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلا ہوا ہے اور دوسری حدیث میں یوں وارد ہوا کہ تم لوگ روغن زیتون کو کھاؤ اور اس کو بدن میں لگاؤ کیونکہ یہ برکت والی چیز ہے۔ (ابن ماجہ ص 246 باب الزیت)

مُسَمِّن (بدن کو فربہ کرنے والی دوا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری والدہ نے جب میری رخصتی کا ارادہ کیا تو میرا علاج کرنے لگیں کہ میں ذرا فربہ بدن ہو جاؤں مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ مگر جب میں نے ککڑی کو تازہ کھجوروں کے ساتھ کھانا شروع کر دیا تو میں خوب فربہ بدن والی ہو گئی۔ (ابن ماجہ ص 246)

حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ککڑی تازہ کھجوروں کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص 246 باب القثاء و الرطب)

عَشَاء (رات کا کھانا) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کا کھانا ترک نہ کرو، کچھ نہ ملے تو ایک مٹھی کھجور ہی کھا لیا کرو۔ کیونکہ رات کا کھانا چھوڑ دینے سے جلد

بڑھاپا آجاتا ہے۔ (ابن ماجہ ص 248 باب ترک العشائ)

حِمْیَہ (مضر چیزوں سے پرہیز) حضور ﷺ اپنے ساتھ حضرت علی کو لے کر حضرت ام المنذر صحابیہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے کچی کچی کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا اور حضور اکرم ﷺ اس میں سے کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھایا تو آپ نے فرمایا اے علی! تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو اور نقاہت باقی ہے۔ اس لئے تم اس کو مت کھاؤ اس کے بعد حضرت اُم المنذر نے جو اور چقندر ملا کر کھانا پکایا تو حضور ﷺ نے علی سے فرمایا کہ تم یہ کھاؤ یہ تمہارے لئے بہت زیادہ مفید غذا ہے۔ (ابن ماجہ ص 284 باب الحمیہ)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ زبردستی کر کے اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور مت کیا کرو، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھلا پلا دیا کرتا ہے۔

(ابن ماجہ ص 254 باب لاتکرہوا المریض علی الطعام)

زَنْجَبِیل (سونٹھ) بادشاہ روم نے ایک گھڑا از ☜ سے بھرا ہوا آپ کے پاس ہدیۃً بھیجا تھا آپ نے اس میں سے ایک ایک ٹکڑا اپنے اصحاب کو کھانے کے لئے دیا۔ اس روایت کو ابو نعیم محدث نے اپنی کتاب ''طب نبوی'' میں بیان کیا ہے۔

(نشر الطیب)

عَجْوَہ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور کا نام ہے اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ عجوہ جنت سے ہے اور وہ جنون یا زہر سے شفاء ہے۔

(ابن ماجہ ص 255 باب الکماۃ والعجوۃ)

کَمْأَۃ جس کو بعض لوگ کھمبی اور بعض لوگ سانپ کی چھتری کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ کماۃ ''من'' کے مثل ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا (یعنی جیسے وہ مفت کی چیز اور بہت ہی مفید چیز تھی ایسی ہی یہ ہے) اور اس کا عرق آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص 255 باب الکماۃ و بخاری وغیرہ)

سَنَا (سنا کی ایک دوا ہے) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تم کس دوا سے جلاب لیتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ''شبرم'' سے

آپ نے فرمایا یہ تو بہت گرم دوا ہے پھر آپ نے اس کو سنا کا جلاب لینے کے لئے حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر موت سے شفا دینے والی کوئی چیز ہوتی تو وہ سنا ہے۔

(ابن ماجہ ص 255 باب دواء المشی)

سَنُّوت اس کے معنی میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے مگر اطباء نے ایک خاص تفسیر کو ترجیح دی ہے یعنی وہ شہد جو گھی کے برتن میں رکھا گیا ہو اور اس میں گھی کے کچھ اثرات پہنچ گئے ہوں، حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ سنا اور سنوت کو استعمال کرتے رہو کہ ان دونوں میں موت کے سوا تمام امراض سے شفاء ہے۔

(ابن ماجہ ص 255 باب السناء والسنوت)

بعض اطباء نے وجہ ترجیح میں کہا ہے کہ شہد اور گھی سے سنا کی اصلاح اور سہال کی اعانت ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

سَمٌ (زہر) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خبیث دوا یعنی زہر سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ ص 255 باب النہی عن الدواء الخبیث)

عُوْد ھندی (قسط شیریں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عود ہندی کو استعمال میں لایا کرو کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں، حلق میں کووں کے لئے اس کا سعوط کرنا چاہئے اور نمونیہ کے لئے اس کا جوشاندہ پلانا چاہئے۔

(ابن ماجہ ص 256 باب دوا ذات الجنب)

دوا عِرْقُ النِّسَائ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنگل میں چونے والی بکری کے سرین کو گلا کر تین ٹکڑے کر لئے جائیں اور تین دن نہار منہ ایک ٹکڑا کھائیں اس میں "عرق النسائ" کی شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص 256 باب دوا عرق النسائ)

حرام دوائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی اتاری ہے اور دوا بھی اور ہر بیماری کی دوا بتادی ہے لہٰذا تم لوگ دوا کرو مگر حرام چیز سے دوا علاج مت کرو۔

شراب۔ حضرت سوید بن طارق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا پھر دوبارہ پوچھا

تو آپ نے منع فرمایا، تیسری بار انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ! یہ تو دوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں" یہ بیماری ہے۔ (ابوداؤد جلد 2،ص 185 مجتبائی)

زخموں کا علاج۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور لوہے کی ٹوپی آپ کے سر اقدس پر توڑ ڈالی گئی تو حضرت فاطمہ چہرہ انور سے خون دھو رہی تھی اور حضرت علی ڈھال میں پانی رکھ کر زخم پر بہا رہے تھے۔ لیکن جب خون بہنے کا سلسلہ بڑھتا ہی رہا تو حضرت فاطمہ نے کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو جلا کر راکھ بنا ڈالا، پھر اسی راکھ کو زخموں پر چپکا دیا تو خون بہنا بند ہو گیا۔ (ابن ماجہ ص 256 ابواب الطب)

طاعون (پلیگ) کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بھیجا تھا جب تم سنو کہ کسی زمین میں طاعون پھیل گیا ہے تو تم لوگ اس زمین میں داخل نہ ہوا کرو اور جب تمہاری زمین میں طاعون آجائے تو تم اس زمین سے نکل کر نہ بھاگو۔ (مسلم جلد 2،ص 228 باب الطاعون)

اناڑی طبیب۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم طب کو نہیں جانتا اور علاج کرتا ہے تو وہ (مریض کو اگر کوئی نقصان پہنچا) ضامن ہے یعنی اس نقصان کا تاوان لیا جائے گا۔ (ابن ماجہ ص 256)

بخار۔ ایک شخص نے حضور ﷺ کے روبرو بخار کو گالی دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بخار کو گالی مت دو، بخار کی بیماری مریض کے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے جس طرح لوہے کے میل کو آگ دور کر دیتی ہے۔ (ابن ماجہ ص 256 باب الحمی)

بخار کا ایک علاج۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش مارنے سے ہے، لہٰذا تم لوگ اس کو پانی سے (پلا کر اور غسل کرا کر) ٹھنڈا کرو۔

(ابن ماجہ ص 256 باب الحمی)

نوٹ: بخار کا یہ علاج ایک خاص قسم کے بخار کا علاج ہے جو عرب میں ہوتا ہے جس کو اطباء صفراوی بخار یا حمی ناریہ (لُو لگنے کا بخار کہتے ہیں) یہ ہر قسم کے بخار کا علاج نہیں ہے۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص 256)

اس لئے ہر قسم کے بخاروں میں یہ علاج کامیاب نہیں ہوسکتا لہٰذا کسی طبیب

حاذق سے اچھی طرح بخار کی تشخیص کرا لینے کے بعد ہی اس کا علاج کرانا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

پیغمبری دُعائیں!

خداوند قدوس کے دربار میں بندوں کی دعاؤں کا بہت ہی بڑا درجہ ہے اور دواؤں کی طرح دعاؤں میں بھی خلاق عالم جل جلالہٗ نے بڑی بڑی خاص تاثیرات پیدا فرما دی ہیں، چنانچہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں بار بار بندوں کو دعائیں مانگنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی اے بندو! تم لوگ مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور حضور اقدس ﷺ نے بھی دعاؤں کی اہمیت اور ان کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی امت کو دعائیں مانگنے کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ لَیْسَ شَیْئٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا سے بڑھ کر عزت والی کوئی چیز نہیں ہے۔ (ترمذی باب فضل الدعاص جلد 2)

اور دعاؤں کی فضیلت و اہمیت کا اظہار فرماتے ہوئے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اَلدُّعَآئُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ (ترمذی جلد 2، ص 172)

یعنی دعا عبادت کا مغز ہے اور یہ بھی فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ۔ جو خدا سے دعا نہیں مانگتا خدا اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

(ترمذی جلد 2، ص 172 ابواب الدعوات)

اس لئے طب نبوی کی طرح حضور اقدس ﷺ کی ان چند دعاؤں کا تذکرہ بھی ہم اس کتاب میں تحریر کرتے ہیں جو آپ کے معمولات میں رہی ہیں اور جن کے فضائل و فوائد سے آپ نے اپنی امت کو آگاہ فرما کر ان کے ورد کا حکم فرمایا ہے تاکہ سیرت نبویہ کے اس مقدس باب سے بھی یہ کتاب مشرف ہو جائے اور مسلمان ان دعاؤں کا ورد کر کے دنیا و آخرت کے بے شمار منافع و فوائد سے مالا مال ہوتے رہیں۔

ہر بلا سے نجات:

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح و شام کو تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اس کو دنیا کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (ترمذی جلد 2، ص 173 باب ماجاء فی

الدعاء اذا اصبح و اذا امسیٰ)

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

سونے وقت کی دعائیں:

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بچھونے پر یہ دعا تین مرتبہ پڑھ کر سوئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ اس کے گناہ درختوں کے پتوں اور ٹیلوں کی ریت کی تعداد میں ہوں۔ (ترمذی جلد 2،ص 174)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ط

حضور اکرم ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیٰی نَفْسِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَھَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ (ترمذی جلد 2،ص 177)

رات میں جاگے تو کیا پڑھے:

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات میں نیند سے بیدار ہو تو یہ دعا پڑھے پھر اس کے بعد جو دعا مانگے گا وہ قبول ہوگی اور وضو کر کے جو نماز پڑھے گا وہ نماز بھی مقبول ہو جائے گی۔ (ترمذی جلد 1،ص 177)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ط

گھر سے نکلتے وقت کی دعا:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو اس کی مشکلات دور ہو جائیں گی اور وہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا اور شیطان اس سے الگ ہٹ جائے گا۔ (ترمذی جلد 2،ص 180)

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

بازار میں داخل ہو تو یہ پڑھے:

ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت ان کلمات کو پڑھ لے تو خداوند تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھنے کا حکم فرمائے گا اور اس کے دس لاکھ گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے دس لاکھ درجے بلند فرمائے گا۔

(ترمذی جلد 2،ص 180)

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّایَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥

دعا سفر:

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام جب سفر کے لئے روانہ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد 2،ص 181)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اَصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَهْلِنَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ ٥

سفر سے آنے کی دعا:

حضور ﷺ جب سفر سے لوٹ کر اپنے کاشانہ نبوت پر مدینہ تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ (ترمذی جلد 2، ص 182)

اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ٥

منزل پر اس دعا کا ورد کرے:

رحمتہ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سفر میں کسی جگہ پڑاؤ کرے اور یہ دعا پڑھ لے تو اس کو اس جگہ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ (ترمذی جلد 2،ص 181)

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

بے چینی کے وقت کی دُعا:

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کوئی بے چینی اور پریشانی لاحق ہوا کرتی تھی تو اس وقت آپ اس دعا کا ورد فرماتے تھے۔ (ترمذی جلد 2، ص 181)

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ٥ ط

کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ پڑھے:

حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرایا کہ جو شخص کسی بلا میں مبتلا ہونے والے کو دیکھے (بیمار یا مصیبت زدہ ہو) تو یہ دعا پڑھ لے تو تمام عمر وہ اس بلا بیماری یا مصیبت سے بچا رہے گا۔ (ترمذی جلد 2، ص 181)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلاکَ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً ٥

کسی کو رخصت کرنے کی دُعا:

حضور ﷺ جب کسی انسان کو رخصت فرماتے تھے تو یہ کلمات زبان مبارک سے ارشاد فرماتے تھے کہ

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِکَ۔

(ترمذی جلد 2، ص 182)

کھانا کھا کر کیا پڑھے:

حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تھا تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد 2، ص 183)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدَ اکَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَّلاَ مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔

آندھی کے وقت کی دعا:

حضور اقدس ﷺ جب آندھی چلتی تو یہ دعا پڑھتے تھے۔
(ترمذی جلد 2، ص 183)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَا فِیْهَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ۔

بجلی گرجنے کی دعا:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد 2، ص 183)

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُهْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔

کسی قوم سے ڈرے تو کیا پڑھے:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی قوم یا کسی لشکر سے جان و مال وغیرہ کا خوف ہو تو یہ دعا پڑھے۔ (ابوداؤد جلد 1، ص 222 مجتبائی)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

قرض ادا ہونے کی دُعا:

مشہور صحابی حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور سید عالم ﷺ ایک دن مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں حضرت ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے فرمایا اے ابو امامہ! تم اس وقت میں جب کہ نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں کیوں اور کیسے بیٹھے ہو۔ حضرت ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں بہت سی افکار اور قرضوں کے بار سے زیر بار ہو رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ کیا میں ایسا کلام نہ تعلیم کروں کہ جب تم اس کو پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہاری فکر کو دفع فرما دے اور تمہارے قرض کو ادا کردے۔ حضرت ابو امامہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ ضرور مجھے ارشاد فرمایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم روزانہ صبح و شام کو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ (ابو داؤد جلد 1، ص

(224

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡھَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡعَجۡزِ وَالۡکَسۡلِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غَلَبَۃِ الدَّیۡنِ وَقَھۡرِ الرِّجَالِ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو پڑھا تو میری فکر جاتی رہی اور خداوند تعالیٰ نے میرے قرض کو بھی ادا فرما دیا۔

جمعہ کے دن بکثرت درود شریف پڑھو:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیوں کہ تم لوگوں کا درود شریف میرے حضور پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جب قبر شریف میں آپ کا جسم مبارک بکھر کر پانی ہڈیوں کی صورت میں ہو جائے گا تو ہم لوگوں کا درود شریف کیسے آپ کے دربار میں پیش ہوا کرے گا؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الۡاَرۡضِ اَجۡسَادَ الۡاَنۡبِیَآءِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقدس اجسام کو زمین پر حرام فرما دیا ہے۔

(ابوداؤد جلد 1، ص 221 مجتبائی)

ضروری تنبیہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقدس اجسام ان کی مبارک قبروں میں سلامت رہتے ہیں اور زمین پر حضرت حق جل جلالہٗ نے حرام فرما دیا ہے کہ ان کے مقدس جسموں پر کسی قسم کا تغیر و تبدل پیدا کرے جب تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ شان ہے تو پھر بھلا حضور سید الانبیاء سید المرسلین اور امام الانبیاء و خاتم النبیین ﷺ کے جسم انور کو زمین کیونکر کھا سکتی ہے؟ اس لئے تمام علماء امت و اولیاء امت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اور خدا کے حکم سے بڑے بڑے تصرفات فرماتے رہتے ہیں اور اپنی خداداد پیغمبرانہ قوتوں اور معجزانہ طاقتوں سے اپنی امت کی مشکل کشائی اور ان کی فریاد رسی فرماتے رہتے ہیں۔

خوب یاد رکھیے کہ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ یقیناً بارگاہ اقدس کا

گستاخ بدعقیدہ، گمراہ اور اہل سنت کے مذہب سے خارج ہے۔

مرغ کی آواز سن کر دُعا:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم لوگ مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے۔

یعنی یہ دعا پڑھو کہا اَسْئَلُ اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہِ الْعَظِیْمِ ۝۔

(مسلم جلد 2، ص 351)

گدھا بولے تو کیا پڑھے:

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ گدھے کی آواز سن کر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

(مسلم جلد 2، ص 351)

جنت کا خزانہ:

حضرت عبداللہ بن قیس کا بیان ہے کہ مجھ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تیری رہنمائی ایسے کلمہ پر نہ کروں کہ جنت کے خزانوں میں سے ہے میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کون سا کلمہ ہے تو ارشاد فرمایا کہ وہ کلمہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے۔

(مسلم جلد 2، ص 346)

بھشت کا ٹکٹ:

حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جو اس دعا کو پڑھتا رہے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

وہ دعا یہ ہے۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا ط (ابوداؤد جلد 1، ص 221 مجتبائی)

سید الاستغفار

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان یقین قلب کے ساتھ دن میں اس دعا کو پڑھ لے گا اگر اس دن شام سے پہلے مرے گا تو جنتی ہوگا اور اگر رات میں پڑھ لے گا اور صبح سے پہلے مرے گا تو جنتی ہوگا۔ اس دعا کا نام سید الاستغفار ہے جو یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْئُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْئُ لَکَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ۔

(بخاری جلد 2، ص 933)

جماع کی دُعا

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے تو اس صحبت سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کو کبھی ہرگز شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا۔

(بخاری جلد 2، ص 945)

شفا امراض کے لئے

روایت ہے کہ عبدالعزیز بن صہیب اور ثابت بنانی رضی اللہ عنہما دونوں حضرت انس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ثابت بنانی نے عرض کیا کہ اے ابوحمزہ (انس) میں بیمار ہوگیا ہوں حضرت انس نے فرمائی کہ کیا میں اس دعا سے تمہارے مرض کا جھاڑ پھونک نہ کردوں جس دعا سے حضور ﷺ مریضوں پر شفا کے لئے دم فرمایا کرتے تھے۔ ثابت بنانی نے کہا کہ کیوں نہیں؟ اس کے بعد حضرت انس نے یہ دعا پڑھی کہ

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلاَّ اَنْتَ شِفَائً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا۔ (بخاری جلد 2، ص 855 باب رقیۃ النبی ﷺ)

مصیبت پر نعم البدل ملنے کی دُعا:

حضرت اُم المومنین بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ سنا تھا کہ کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ہ اَللّٰھُمَّ اُجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس کی

ضائع شدہ چیز سے بہتر عطاء فرمائے گا۔

حضرت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے (دل میں) کہا کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا۔ یہ پہلا گھر ہے جو حضور ﷺ کے پاس مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچا لیکن میں نے اس دعا کو پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر عطاء فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمالیا۔

(مسلم جلد 1، ص 300 کتاب الجنائز)



انیسواں باب

متعلقین رِسالت

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پر لاکھوں سلام
پارہائے صحف، غنچہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق!

بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

ازواجِ مطہرات

حضور اقدس ﷺ کی نسبت مبارکہ کی وجہ سے ازواجِ مُطہرات کا بھی بہت ہی بلند مرتبہ ہے ان کی شان میں قرآن کی بہت سی آیات بینات نازل ہوئیں جن میں ان کی عظمتوں کا تذکرہ اوران کی رفعت شان کا بیان ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ ط (احزاب)	اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر اللہ سے ڈرو۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ط (احزاب)	اور اس (نبی) کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔

یہ تمام امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی مقدس بیویاں دو باتوں میں حقیقی ماں کے مثل ہیں ایک یہ کہ ان کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی کا نکاح جائز نہیں۔ دوم یہ کہ ان کی تعظیم وتکریم ہر امتی پر اسی طرح لازم ہے جس طرح حقیقی ماں کی بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ لیکن نظر اور خلوت کے معاملہ میں ازواج مطہرات کا حکم حقیقی ماں کی طرح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْــٴَـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط (احزاب)	جب نبی کی بیویوں سے تم لوگ کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

مسلمان اپنی حقیقی ماں کو تو دیکھ بھی سکتا ہے اور تنہائی میں بیٹھ کر اس سے بات چیت بھی کر سکتا ہے مگر حضور ﷺ کی مقدس بیویوں سے ہر مسلمان کے لیے پردہ فرض ہے اور تنہائی میں ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔

اسی طرح حقیقی ماں کے ماں باپ، لڑکوں کے نانی نانا اور حقیقی ماں کے بھائی بہن، لڑکوں کے ماموں اور خالہ ہوا کرتے ہیں مگر ازواج مطہرات کے ماں باپ امت کے نانی نانا اور ازواجِ مطہرات کے بھائی بہن امت کے ماموں خالہ نہیں ہوا کرتے۔

یہ حکم حضور کی ان تمام ازواج مطہرات کے لیے ہے جن سے حضور علیہ السلام نے نکاح

فرمایا، چاہے حضور ﷺ سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہو یا حضور علیہ السلام کے بعد انہوں نے وفات پائی ہو۔ یہ سب کی سب امت کی مائیں ہیں۔ اور ہر امتی کے لیے اس کی حقیقی ماں سے بڑھ کر لائق تعظیم و واجب الاحترام ہیں۔ (زرقانی جلد 3 ص 216)

ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کے نکاحوں کی ترتیب کے بارے میں مورخین کا قدرے اختلاف ہے مگر گیارہ امہات المومنین کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ان میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تو حضور علیہ السلام کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا مگر نو بیویاں حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت موجود تھیں۔

ان گیارہ امت کی ماؤں میں سے چھ خاندان قریش کے اونچے گھرانوں کی چشم و چراغ تھیں جن کے اسماء مبارکہ یہ ہیں۔

1-خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد۔ -2عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوبکر صدیق ﷺ۔ -3حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمر فاروق ﷺ۔ -4اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوسفیان۔ 5-اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوامیہ۔ -6سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ۔

اور چار ازواج مطہرات خاندان قریش سے نہیں تھیں۔ بلکہ عرب کے دوسرے قبائل سے تعلق رکھتی تھیں وہ یہ ہیں۔

1-زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش۔ -2میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث۔ -3زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ۔ -4ام المساکین جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث اور ایک بیوی یعنی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حیی یہ عربی النسل نہیں تھیں، بلکہ خاندان بنی اسرائیل کی ایک شریف النسب رئیس زادی تھیں۔

اس بات میں بھی کسی مورخ کا اختلاف نہیں ہے کہ سب سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح فرمایا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں فرمایا۔ (زرقانی جلد 3 ص 218 تا 219)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

یہ حضور اقدس ﷺ کی سب سے پہلی رفیقہ حیات ہیں ان کے والد کا نام خویلد بن

اسد اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائد ہے۔ یہ خاندان قریش کی بہت ہی معزز اور نہایت ہی دولتمند خاتون تھیں ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں لکھ چکے ہیں کہ اہل مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی بناء پر ان کو ''طاہرہ'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے حضورں کے اخلاق و عادات اور اجمال صورت وکمال سیرت کو دیکھ کر خود ہی حضور اقدس ﷺ سے نکاح کی رغبت ظاہر کی اور پھر باقاعدہ نکاح ہو گیا جس کا مفصل ذکر گزر چکا۔ علامہ ابن اثیر اور امام ذہبی کا بیان ہے کہ اس بات پر تمام امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے یہی ایمان لائیں اور ابتدائے اسلام میں جب کہ ہر طرف سے آپ کی مخالفت کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں صرف انہیں کی ایک ذات تھی جو رسول اللہ ﷺ کی مونس حیات بن کر تسکین خاطر کا باعث تھی۔ انہوں نے اتنے خوفناک اور خطرناک اوقات میں جس استقلال اور استقامت کے ساتھ خطرات و مصائب کا مقابلہ کیا اور جس طرح تن من دھن سے بارگاہ نبوت میں اپنی قربانی پیش کی، اس خصوصیت میں تمام ازواج مطہرات پر ان کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے چنانچہ ولی الدین عراقی کا بیان ہے کہ قول صحیح اور مذہب مختار یہی ہے کہ امہات المومنین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے زیادہ ہی افضل ہیں۔

ان کے فضائل میں چند حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد (ﷺ) یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن لے کر آ رہی ہیں جس میں کھانا ہے جب یہ آپ کے پاس آ جائیں تو آپ ان سے ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیں۔ اور ان کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جنت میں ان کے لیے موتی کا ایک گھر بنا ہے جس میں نہ کوئی شور ہو گا نہ کوئی تکلیف ہو گی۔

(بخاری جلد 1 ص 539 باب تزویج النبی ﷺ)

امام احمد و ابو داؤد نسائی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم و حضرت آسیہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہن) (زرقانی جلد 3 ص 223 تا 224)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ

کی زبان مبارک سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت زیادہ تعریف سنی تو انہیں غیرت آ گئی اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی جب سب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے چیز دینے کے لیے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور انہیں کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ (زرقانی جلد 3 ص 224)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں غیرت آیا کرتی تھی۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ غیرت کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ بہت زیادہ ان کا ذکر خیر فرماتے رہتے تھے اور اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ آپ جب کوئی بکری ذبح فرماتے تھے تو کچھ گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کے گھروں میں ضرور بھیج دیا کرتے تھے اس سے میں چڑ جایا کرتی تھی اور کبھی کبھی یہ کہہ دیا کرتی تھی کہ "دنیا میں بس ایک خدیجہ ہی تو آپ کی بیوی تھیں۔ میرا یہ جملہ سن کر آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہاں ہاں بے شک وہ تھیں وہ تھیں انہیں کے شکم سے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔" (بخاری جلد 1 ص 539 ذکر خدیجہؓ)

امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دنیا میں جنت کا انگور کھلایا۔ اس حدیث کو امام سہیلی نے بھی نقل فرمایا ہے۔ (زرقانی جلد 3 ص 226)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پچیس سال تک حضور علیہ السلام کی خدمت گزاری سے سرفراز رہیں، ہجرت سے تین برس قبل پینسٹھ برس کی عمر پا کر ماہ رمضان میں مکہ معظمہ کے اندر انہوں نے وفات پائی۔ حضور اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان حجون (جنت المعلیٰ) میں خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو سپرد خاک فرمایا چونکہ اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ (زرقانی جلد 3 ص 227 واکمال فی اسماء الرجال

ص593)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا:

ان کے والد کا نام ''زمعہ'' اور ان کے والدہ کا نام شموس بنت عمرو ہے یہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے بیاہی گئی تھیں یہ میاں بیوی دونوں ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور ان دونوں نے حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی لیکن جب حبشہ سے واپس آ کر یہ دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ آئے تو ان کے شوہر سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں ان کا ایک لڑکا بھی تھا۔جن کا نام ''عبدالرحمن'' تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک خواب دیکھا کہ حضور ﷺ پیدل چلتے ہوئے ان کی طرف تشریف لائے اور ان کی گردنوں پر اپنا مقدس پاؤں رکھ دیا۔جب حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس خواب کو اپنے شوہر سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں یقیناً عنقریب ہی مر جاؤں گا اور حضور ﷺ تجھ سے نکاح فرمائیں گے اس کے بعد دوسری رات میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ خواب دیکھا کہ ایک چاند ٹوٹ کر ان کے سینے پر گرا ہے۔صبح کو انہوں نے اس خواب کا بھی اپنے شوہر سے ذکر کیا تو ان کے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ نے چونک کر کہا کہ اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو میں اب بہت جلد انتقال کر جاؤں گا اور تم میرے بعد حضور ﷺ سے نکاح کرو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے۔

(زرقانی جلد 3 ص 227)

حضور اقدس ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے ہر وقت بہت زیادہ مغموم اور اداس رہا کرتے تھے، یہ دیکھ کر حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی یارسول اللہ (ﷺ) آپ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیں تاکہ آپ کا خانہ معیشت آباد ہو جائے اور ایک وفادار اور خدمت گزار بیوی کی صحبت اور رفاقت سے آپ کا غم مٹ جائے۔آپ نے ان کے اس مخلصانہ مشورہ کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

باپ سے بات چیت کر کے نسبت طے کرادی اور نکاح ہوگیا۔اور یہ امہات المومنین کے زمرے میں داخل ہوگئیں اور آپ زندگی بھر حضور ﷺ کی زوجیت کے شرف سے سرفراز رہیں اور انتہائی والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ آپ کی وفادار اور خدمت گزار رہیں یہ بہت ہی فیاض اور بخشش تھیں ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے درہموں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ان کی خدمت میں بھیجا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لانے والے نے بتایا کہ درہم ہیں آپ نے فرمایا کہ بھلا درہم کھجوروں کے تھیلے میں بھیجے جاتے ہیں یہ کہا اور اٹھ کر اسی وقت ان تمام درہموں کو مدینہ کے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا۔

حدیث کی مشہور کتابوں میں ان کی روایت کی ہوئی پانچ حدیثیں مذکور ہیں جن میں سے ایک حدیث بخاری شریف میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت یحییٰ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ان کے شاگردوں میں ممتاز ہیں۔

ان کی وفات کے سال میں مختلف اور متضاد اقوال ہیں،امام ذہبی اور امام بخاری نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور خلافت 23ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی لیکن واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ان کی وفات کا سال 54ھ ہے اور صاحب اکمال نے بھی ان کا سنہ وفات شوال 54ھ ہی میں تحریر کیا ہے مگر حضرت علامہ بن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب التہذیب میں یہ لکھا ہے کہ ان کی وفات شوال 55ھ میں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد 3 ص 229 و کمال ص 599)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

یہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نور نظر اور دختر نیک اختر ہیں۔ان کی والدہ ماجدہ کا نام ''ام رومان'' ہے یہ چھ برس کی تھیں جب حضور ﷺ نے اعلان نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا اور شوال 2ھ میں مدینہ منورہ کے اندر یہ کاشانہ نبوت میں داخل ہوگئیں اور نو برس تک حضور ﷺ کی صحبت سے سرفراز رہیں ازواج مطہرات میں یہی کنواری تھیں اور سب سے زیادہ بارگاہِ نبوت میں محبوب ترین بیوی تھیں حضور اقدس ﷺ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نازل نہیں ہوئی مگر حضرت عائشہ جب میرے بستر نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی الٰہی اترتی رہتی ہے۔(بخاری جلد

1 ص 532 فضل عائشہ)

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تین راتیں خواب میں یہ دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ تم کو ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر میرے پاس لاتا رہا اور مجھ سے یہ کہتا رہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو ناگہاں وہ تم ہی تھیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس خواب کو پورا کر دکھائے گا۔

(مشکوٰۃ جلد 2 ص 573)

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواج مطہرات کے اندر ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے دو ہزار دو سو دس حدیثیں انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی ہیں۔ ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں اور چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواج مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواج مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں۔

1- حضور ﷺ نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔
2- میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی بھی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔
3- اللہ تعالیٰ نے میری برائت اور پاکدامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔
4- نکاح سے قبل حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لا کر حضور ﷺ کو دکھلا دی تھی اور آپ تین راتیں خواب میں مجھے دیکھتے رہے۔

5- میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے۔ یہ شرف میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

6- حضور اقدس ﷺ نماز تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی رہتی تھی۔ امہات المومنین میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کی اس کریمانہ محبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔

7- میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی یہ وہ اعزاز خداوندی ہے جو میرے سوا حضور ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کو حاصل نہیں ہوا۔

8- وفات اقدس کے وقت حضور ﷺ کو اپنی گود میں لیے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سر انور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور ﷺ کا وصال ہوا۔

9- حضور ﷺ نے میری باری کے دن وفات پائی۔

10- حضور اقدس ﷺ کی قبر انور خاص میرے گھر میں بنی۔

(زرقانی جلد 3 ص 323)

عبادت میں بھی آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے آپ کے بھتیجے حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق ﷺ کا بیان ہے کہ حضور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روزانہ بلا ناغہ نماز تہجد پڑھنے کی پابند تھیں۔ اور اکثر روزہ دار بھی رہا کرتی تھیں۔

سخاوت اور صدقات و خیرات کے معاملہ میں بھی تمام امہات المومنین خاص طور پر بہت ممتاز تھیں۔ ام درہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھی۔ اس وقت ایک لاکھ درہم کہیں سے آپ کے پاس آیا آپ نے اسی وقت ان سب درہموں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا اور ایک درہم بھی گھر میں باقی نہیں چھوڑا، اس دن وہ روزہ دار تھیں میں نے عرض کیا کہ آپ نے سب درہموں کو بانٹ دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں رکھا۔ تاکہ آپ گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اگر مجھ سے پہلے کہا ہوتا تو میں ایک درہم کا گوشت منگا لیتی۔

حضرت عروہ زبیر ﷺ جو آپ کے بھانجے تھے ان کا بیان ہے کہ فقہ و حدیث کے علاوہ میں نے حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے بڑھ کر کسی کو اشعار عرب کا جاننے والا نہیں پایا۔ وہ دوران گفتگو میں ہر موقع پر کوئی نہ کوئی شعر پڑھ دیا کرتی تھیں جو بہت ہی برمحل ہوا کرتا تھا۔

علم طب اور مریضوں کے علاج معالجہ میں بھی انہیں کافی بہت مہارت تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہا کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن حیران ہو کر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے علم حدیث و فقہ پر کوئی تعجب نہیں کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت اور صحبت کا شرف پایا ہے اور آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے محبوب ترین زوجہ مقدسہ ہیں۔ اسی طرح مجھے اس پر بھی کوئی تعجب اور حیرانی نہیں ہے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عرب کے شعار کیوں اور اس طرح یاد ہو گئے؟ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی نور نظر ہیں اور وہ اشعار عرب کے بہت بڑے حافظ و ماہر تھے مگر میں اس بات پر بہت ہی حیران ہوں کہ آخر یہ طبی معلومات اور علاج و معالجہ کی مہارت آپ کو کہاں سے اور کیسے شریف میں اکثر علیل ہو جایا کرتے تھے اور عرب و عجم کے اطباء آپ کے لیے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی اس لئے مجھے طبی معلوممات بھی حاصل ہو گئیں۔

آپ کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور آپ کے فضائل و مناقب میں بہت ہی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

17 رمضان شب سہ 57ھ یا 581ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواج مطہرات کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔

(اکمال وحاشیہ اکمال ص 612 زرقانی جلد 3 ص 234 تا 235)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد امیر المومنین حضرت عمر ابن

الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت زینت بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہیں جو ایک مشہور صحابیہ ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی حضرت حنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو ہجرت بھی کی تھی۔ لیکن ان کے شوہر جنگ بدر یا جنگ احد میں زخمی ہو کر وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں پھر رسول اللہ ﷺ نے 3ھ میں ان سے نکاح فرمایا اور یہ ام المومنین کی حیثیت سے کاشانہ نبوی کی سکونت سے مشرف ہو گئیں۔

یہ بہت ہی شاندار، بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون ہیں۔ حق گوئی، حاضر جوابی اور فہم و فراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا۔ اکثر روزہ دار رہا کرتی تھیں، اور تلاوت قرآن مجید اور دوسری قسم قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ ان کے مزاج میں کچھ سختی تھی اس لیے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں ان کی کسی سخت کلامی سے حضور اقدس ﷺ کی دل آزادی نہ ہو جائے چنانچہ آپ بار بار ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے حفصہ! تم کو جس چیز کی ضرورت حضور ﷺ کی کبھی ہرگز دل آزادی نہ کرنا ورنہ یاد رکھو کہ اگر حضور ﷺ تم سے ناراض ہو گئے تو تم خدا کے غضب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔

یہ بہت بڑی عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن میں سے پانچ حدیثیں بخاری شریف میں مذکور ہیں، باقی احادیث دوسری کتب حدیث میں درج ہیں۔

علم حدیث میں بہت سے صحابہ اور تابعین ان کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں جن میں خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت مشہور ہیں۔ شعبان 45ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازہ کو بھی اٹھایا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیے جاتے رہے ان کے دو بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ و حضرت عبداللہ بن

عبداللہ وحضرت حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا اور یہ جنت البقیع میں دوسری ازواج مطہرات کے پہلو میں مدفون ہوئیں بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔

(زرقانی جلد 3 ص 236 تا 238)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

ان کا نام ہند ہے اور نیت ''ام سلمہ'' ہے مگر یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہیں۔ ان کے باپ کا نام ''حذیفہ'' اور بعض مورخین کے نزدیک ''سہیل'' ہے مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ''عاتکہ بنت عامر'' ہیں ان کا نکاح پہلے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن اسد رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو حضور ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اعلان نبوت کے بعد جلد ہی دامن اسلام میں آ گئے تھے۔ اور سب سے پہلے ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ پھر یہ دونوں حبشہ سے مکہ مکرمہ آ گئے گئے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر کجاوہ باندھا اور حضرت بی بی ام سلمہ اور اپنے فرزند سلمہ کو کجاوہ میں سوار کر دیا، مگر جب اونٹ کی نکیل پکڑ کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے تو حضرت ام سلمہ کے میکے والے بنومغیرہ دوڑ پڑے اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم اپنے خاندان کی اس لڑکی کو ہرگز ہرگز مدینہ نہیں جانے دیں گے اور زبردستی اونٹ سے اتار لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندانی لوگوں کو بھی طیش آ گیا اور ان لوگوں نے غضب ناک ہو کر کہا کہ تم لوگ ام سلمہ کو محض اس بناء پر روکتے ہو کہ یہ تمہارے خاندان کی لڑکی ہے تو ہم اس کے بچہ ''سلمہ'' کو ہرگز ہرگز تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے اس لیے یہ بچہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے یہ کہہ کر ان لوگوں نے بچہ اس کی ماں کی گود سے چھین لیا مگر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ ترک نہیں کیا بلکہ بیوی اور بچہ دونوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور بچے جدائی پر صبح سے شام تک مکہ کی پتھریلی زمین میں کسی چٹان پر بیٹھی ہوئی تقریباً سات دنوں تک زار و قطار روتی رہیں ان کا یہ حال دیکھ کر ان کے ایک چچا زاد بھائی کو ان پر رحم آ گیا اور اس نے بنومغیرہ کو سمجھا بجھا کر یہ کہا کہ آخر

اس مسکینہ کو تم لوگوں نے اس کے شوہر اور بچے سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ تم لوگ کیوں نہیں اس کو اجازت دے دیتے کہ وہ اپنے بچہ کو ساتھ لے کر اپنے شوہر کے پاس چلی جائے، بالآخر بنو مغیرہ اس پر رضا مند ہو گئے کہ یہ مدینہ چلی جائے پھر حضرت سلمہ کے خاندان والے بنو عبد الاسد نے بھی بچے کو حضرت ام سلمہ کے سپرد کر دیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور اکیلی مدینہ کو چل پڑیں، مگر جب مقام تنعیم میں پہنچیں تو عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوگئی جو مکہ کا مانا ہوا ایک نہایت ہی شریف انسان تھا اس نے پوچھا کہ اے ام سلمہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔ اس نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ حضرت ام سلمہ نے درد بھری آواز میں جواب دیا کہ نہیں میرے ساتھ اللہ اور میرے اس بچہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ کی رگ شرافت پھڑک اٹھی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم میرے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ تمہاری جیسی ایک شریف زادی اور ایک شریف انسان کی بیوی کو تنہا چھوڑ دوں یہ کہہ کر اس نے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لی اور پیدل چلنے لگا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف کسی عرب کو نہیں پایا۔ جب ہم کسی منزل پر اترتے تو وہ الگ کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتا اور میں اپنے اونٹ کے پاس سو رہتی۔ پھر روانگی کے وقت جب میں اپنے بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو جاتی تو وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنے لگتا اسی طرح اس نے مجھے قبا تک پہنچا دیا اور وہاں سے وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اب تم چلی جاؤ تمہارا شوہر اسی گاؤں میں ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس طرح بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔

(زرقانی جلد 3 ص 239)

یہ دونوں میاں بیوی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنے لگے مگر 4 ہجری میں جب ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو باوجود یہ کہ ان کے چند بچے تھے مگر حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمالیا اور یہ اپنے بچوں کے ساتھ کاشانہ نبوت میں رہنے لگیں اور ام المومنین کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئیں۔

حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عقل و فہم کے کمال

کا بھی ایک بے مثال نمونہ تھیں۔ امام الحرمین کا بیان ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی عورت کو نہیں جانتا کہ اس کی رائے ہمیشہ درست ثابت ہو۔ صلح حدیبیہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی قربانیاں کر کے سب لوگ احرام کھول دیں اور بغیر عمرہ ادا کیے سب لوگ مدینہ واپس چلے جائیں کیونکہ اسی شرط پر صلح حدیبیہ ہوئی ہے تو لوگ اس قدر رنج وغم میں تھے کہ ایک شخص بھی قربانی کے لیے تیار نہیں تھا۔ حضور اقدس ﷺ کو صحابہ کرام کے اس طرز عمل سے روحانی کوفت ہوئی اور آپ نے معاملہ کا حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تذکرہ کیا تو انہوں یہ رائے دی کہ یارسول اللہ (ﷺ) آپ کسی سے کچھ بھی نہ فرمائیں اور خود اپنی قربانی ذبح کر کے اپنا احرام اوتار دیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے احرام کھول دیا ہے۔ سب صحابہ کرام مایوس ہو گئے کہ اب حضور ﷺ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو ہرگز ہرگز نہ بدلیں گے۔ اس لیے صحابہ نے بھی اپنی اپنی قربانیاں کر کے احرام اتار دیا اور سب مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔

حسن و جمال اور عقل و رائے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ان کی مہارت خصوصی طور پر ممتاز تھی، تین سو اٹھہتر حدیثیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں اور بہت سے صحابہ و تابعین حدیث میں ان کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ مدینہ منورہ میں چوراسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور ان کی وفات کا سال 53ھ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں ازواج مطہرات کے قبرستان میں مدفون ہوئیں بعض مورخین کا قول ہے کہ ان کے وصال کا سال 59ھ ہے اور ابراہیم حربی نے فرمایا کہ 62ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ 63ھ کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زرقانی جلد 3 ص 238 تا 242 و اکمال وحاشیہ اکمال ص 599)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا اصلی نام "رملہ" ہے۔ یہ سردار مکہ ابوسفیان بن حب کی صاحبزادی ہیں اور ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت العاص ہے جو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

پھوپھی ہیں۔

یہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔لیکن حبشہ پہنچ کر ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش پر ایسی بدنصیبی سوار ہوگئی کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہوگیا اور شراب پیتے پیتے نصرانیت ہی پر وہ مر گیا۔

ابن سعد نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حبشہ میں ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش کی صورت اچانک بہت ہی بدنما اور بدشکل ہوگئی وہ اس خواب سے بہت زیادہ گھبرا گئیں۔جب صبح ہوئی تو انہوں نے اچانک یہ دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی دین قبول کر لیا،حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو اپنا خواب سنا کر ڈرایا اور اسلام کی طرف بلایا مگر اس بدنصیب نے اس پر کان نہیں دھرا اور مرتد ہونے ہی کی حالت میں مر گیا مگر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے اسلام پر استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔جب حضور ﷺ کو ان کی حالت معلوم ہوئی تو قلب نازک پر بے حد صدمہ گزرا اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔نجاشی کو جب یہ فرمان نبوت پہنچا تو اس نے اپنی ایک خاص لونڈی کو جس کا نام ''ابرہہ'' تھا،حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی خبر دی۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس خوشخبری کو سن کر اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنے کچھ زیورات اس بشارت کے انعام میں ابرہہ لونڈی کو انعام کے طور پر دے دیے اور حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص کو جوان کے ماموں کے لڑکے تھے اپنے نکاح کی مجلس عقد کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعنہم کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے اس مجلس میں بلایا اور خود ہی خطبہ پڑھ کر سب کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا حضرت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا اور چار سو دینار اپنے پاس سے مہر ادا کیا جو اسی وقت حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی گئی۔جب صحابہ کرام اس نکاح کی مجلس سے

اٹھنے لگے تو نجاشی بادشاہ نے کہا کہ آپ لوگ بیٹھے رہیئے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت کھانا کھلایا جاتا ہے یہ کہہ کر نجاشی نے کھانا منگایا اور تمام صحابہ کرام شکم سیر کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے پھر نجاشی نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حرم نبوی میں داخل ہو کر ام المومنین کا معزز لقب پالیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت پاکیزہ ذات وحمیدہ صفات کی جامع اور نہایت ہی بلند سمت اور سخی طبیعت کی مالک تھیں اور بہت ہی قوی الایمان تھیں ان کے والد ابو سفیان جب کفر کی حالت میں تھے اور صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ آئے تو بے تکلف ان کے مکان میں جا کر بستر نبوت پر بیٹھ گئے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کی ذرا بھی پروانہیں کی اور یہ کہہ کر اپنے باپ کو بستر سے اٹھا دیا کہ یہ بستر نبوت ہے، میں کبھی یہ گوارانہیں کرسکتی کہ ایک ناپاک مشرک اس پاک بستر پر بیٹھے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پینسٹھ حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری ومسلم دونوں کتابوں میں موجود ہیں اور ایک حدیث وہ ہے جس کو تنہا مسلم نے روایت کی ہے باقی حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان کے شاگردوں میں ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی صاحبزادی حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید رضی اللہ عنہ بہت مشہور ہیں۔

44ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں ازواج مطہرات کے خطیرہ میں مدفون ہوئیں۔ (زرقانی جلد 3 ص 242 تا 245 و مدارج النبوۃ ج 2 ص 481 تا 482)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں حضور ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرادیا تھا مگر چونکہ حضرت زینت رضی اللہ عنہا خاندان قریش کی ایک بہت ہی شاندار خاتون

تھیں اور حسن و جمال میں بھی یہ خاندان قریش کی بے مثال عورت تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو گو کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر کے اپنا متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا تھا مگر پھر بھی چونکہ وہ پہلے غلام تھے۔ اس لیے حضرت زینت رضی اللہ عنہا ان سے خوش نہیں تھیں اور اکثر میاں بیوی میں ان بن رہا کرتی تھی یہاں تک کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی۔ اس واقعہ سے فطری طور پر حضور ﷺ قلب نازک پر صدمہ گزرا چنانچہ جب ان کی عدت گزر گئی تو محض حضرت زینت رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کے لیے حضور ﷺ نے حضرت زینت رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ روایت ہے کہ یہ پیغام بشارت سن کر حضرت زینت رضی اللہ عنہا نے دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر یہ دعا مانگی کہ خداوند تیرے رسول نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اگر میں تیرے نزدیک ان کی زوجیت میں داخل ہونے کے لائق عورت ہوں تو یا اللہ! ان کے ساتھ میرا نکاح فرما دے ان کی یہ دعا فوراً ہی قبول ہو گئی اور یہ آیت نازل ہو گئی کہ:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب)

جب زید نے اس سے حاجت پوری کر لی۔ (زینب کو طلاق دے دی اور عدت گزر گئی) تو ہم نے اس (زینب) کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کون ہے جو زینب کے پاس جائے اور اس کو یہ خوشخبری سنائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح اس کے ساتھ فرما دیا ہے یہ سن کر آپ کی ایک خادمہ دوڑتی ہوئی حضرت زینت رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچیں اور یہ آیت سنا کر خوشخبر دی۔ حضرت زینب اس بشارت سے اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنا زیور اتر کر اس خادمہ کو انعام دے دیا اور خود سجدہ میں گر پڑیں اور اس نعمت کے شکریہ میں دو ماہ لگا تار روزہ دار رہیں۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ناگہاں حضرت زینب کے مکان میں تشریف لے گئے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ بغیر خطبہ اور بغیر گواہ کے آپ نے میرے ساتھ نکاح فرما لیا؟ ارشاد فرمایا کہ تیرے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے

کر دیا ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے اس نکاح کے گواہ ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے ان کے نکاح پر جتنی بڑی دعوت ولیمہ فرمائی اتنی بڑی دعوت ولیمہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے نکاح کے موقع پر بھی نہیں فرمائی آپ نے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کی دعوت ولیمہ میں تمام اصحابہ کرام کونان و گوشت کھلایا۔

ان کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم ازواج مطہرات میں سے میری وہ بیوی سب سے پہلے وفات پا کر مجھ سے آن ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے یہ سن کر تمام ازواج مطہرات نے ایک لکڑی سے اپنا ہاتھ ناپا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لمبا نکلا لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت زینب نے وفات پائی تو اس وقت لوگوں کو پتا چلا کہ ہاتھ لمبا ہونے سے مراد کثرت سے صدقہ دینا تھا کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے کچھ دستکاری کا کام کرتی تھیں اور اس کی آمدنی فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔

ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ہائے ایک قابل تعریف عورت جو سب کے لیے نفع بخش تھی اور یتیموں اور بوڑھی عورتوں کا دل خوش کرنے والی تھی آج دنیا سے چلی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے بھلائی اور سچائی میں اور رشتہ داروں کے ساتھ مہربانی کے معاملہ میں حضرت زینب سے بڑھ کر کسی عورت کو نہیں دیکھا۔

منقول ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات سے اکثر یہ کہا کرتی تھیں کہ مجھ کو خداوند تعالیٰ نے ایک ایسی فضیلت عطا فرمائی ہے جو ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ تمام ازواج مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ داداؤں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا لیکن حضور ﷺ کے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔

انہوں نے گیارہ حدیثیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں مذکورہ ہیں۔ باقی نو حدیثیں دوسری کتب

احادیث میں لکھی ہوئی ہیں۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کا حال امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دے دیا کہ مدینہ کے ہر کوچہ بازار میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام اہل مدینہ اپنی مقدس ماں کی نماز جنازہ کے لیے حاضر ہو جائیں۔ امیر المومنین نے خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ 20ھ یا 21ھ میں 53 برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

(مدراج النبوۃ جلد 2 ص 476 تا 478 وغیرہ)

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:

زمانہ جاہلیت میں چونکہ یہ غرباء تھیں۔ اس لیے ان کا لقب "ام المساکین" (مسکینوں کی ماں) ہے پہلے ان کا نکاح "حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا مگر جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو 3ھ میں حضور اکرم ﷺ نے ان سے نکاح فرما لیا اور یہ حضور ﷺ سے نکاح کے بعد صرف دو مہینے یا تین مہینے زندہ رہیں اور ربیع الآخر 4ھ میں تیس برس کی عمر میں وفات پا گئیں اور جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن ہوئیں۔ یہ ماں کی جانب سے حضرت ام المومنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ (زرقانی جلد 3 ص 249)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:

ان کے والد کا نام حارث بن حزن ہے اور ان کی والدہ ہند بنت عوف ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے "برہ" تھا لیکن حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر "میمونہ" (برکت دہندہ) رکھ دیا۔

یہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں مگر جب حضور ﷺ 7ھ میں عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں حضور ﷺ سے گفتگو کی اور آپ نے ان سے نکاح فرما لیا اور عمرۃ القضاء سے واپسی پر مقام "سرف" میں ان کو اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنیں چار ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

1 - ام الفضل لبابۃ الکبریٰ : یہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان ہی کے شکم سے پیدا ہوئے۔

2 - لبابۃ الصغریٰ: یہ حضرت خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

3 - عصما: یہ ابی بن خلف سے بیاہی گئی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور صحابیات میں ان کا شمار ہے۔

4 - عزّہ: یہ بھی صحابیہ ہیں جو زیاد بن مالک کے گھر میں تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ان سگی بہنوں کے علاوہ وہ بہنیں جو صرف ماں کی جانب سے ہیں وہ بھی چار ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

1 - اسماء بنت عمیس: یہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں ان سے عبداللہ وعون ومحمد رضی اللہ عنہ تین فرزند پیدا ہوئے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ''جنگ موتہ'' میں شہید ہو گئے تو ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا نے نکاح کر لیا اور ان سے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے عقد فرما لیا اور ان سے بھی ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام ''یحییٰ'' تھا۔

2 - سلمٰی بنت عمیس: یہ پہلے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا نام ''امتہ اللہ'' تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان سے شداد بن الہاد رضی اللہ عنہم نے نکاح کر لیا اور ان سے عبداللہ وعبدالرحمن رضی اللہ عنہما دو فرزند پیدا ہوئے۔

3 - سلامہ بنت عمیس: ان کا نکاح عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

4 - ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا جو ام المساکین کے لقب سے مشہور ہیں۔ جن کا ذکر خیر اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ''ہند بنت عوف'' کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ دامادوں کے اعتبار سے روئے زمین پر کوئی بڑھیا ان سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کے دامادوں کی فہرست میں مندرجہ ذیل ہستیاں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ،حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔حضرت شداد بن الہاد یہ سب کے سب بزرگوار ''ہند بنت عوف'' رضی اللہ عنہا کے داماد ہیں۔(زرقانی جلد 3 ص 251 ومدارج جلد2 ص 484)

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے کل چھہتر حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری ومسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں۔اور ایک حدیث صرف بخاری میں ہے اور ایک ایسی حدیث ہے جو صرف مسلم میں ہے اور باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ حضور ﷺ کی آخری زوجہ مبارکہ ہیں ان کے بعد اقدس ﷺ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا ان کے انتقال کے سال میں مورخین کا اختلاف ہے مگر قول مشہور ہے کہ انہوں نے 51ھ میں بمقام ''سرف'' وفات پائی جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان سے زفاف فرمایا تھا،ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے 61ھ میں وفات پائی اور ابن اسحاق کا قول ہے کہ 63ھ ان کے انتقال کا سال ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان کی وفات کے وقت ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے۔اور انہوں ہی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتارا،محدث عطاء کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھے جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بہ آواز بلند فرمایا کہ اے لوگو! یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔تم لوگ ان کے جنازہ کو بہت آہستہ آہستہ لے کر چلو اور ان کی مقدس لاش کو نہ جھنجھوڑو۔حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف میں اسی چھپر کی جگہ میں دفن کیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو پہلی بار اپنی قربت سے سرفراز فرمایا تھا۔

(زرقانی جلد 3 ص 253)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی ہیں ''غزوہ مریسیع'' میں

جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے تھے ان ہی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جب قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دیا گیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی یعنی یہ لکھ کر دے دیا کہ تم اتنی اتنی رقم مجھے دے دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) میں اپنے قبیلے کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور مسلمان ہو چکی ہوں۔ ثابت بن قیس نے مجھے مکاتبہ بنا دیا مگر میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جاؤں اس لیے آپ اس وقت میں میری مالی امداد فرمائیں کیونکہ میرا تمام خاندان اس جنگ میں گرفتار ہو چکا ہے اور ہمارے تمام مال و سامان مسلمانوں کے ہاتھومیں مال غنیمت بن چکے ہیں اور میں اس وقت بالکل ہی مفلسی و بے کسی کے عالم میں ہوں۔ حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ کو ان کی فریاد سن کر ان پر رحم آ گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم اس کو منظور کر لو گی؟ انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ (ﷺ) آپ میرے ساتھ اس سے بہتر سلوک کیا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے بدل کتابت کی تمام رقم میں خود تمہاری طرف سے ادا کر دوں اور پھر تم کو آزاد کر کے میں خود تم سے نکاح کر لوں تا کہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادمانی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس اعزاز کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے بدل کتابت کی ساری رقم ادا فرما کر اور ان کو آزاد کر کے اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرما لیا اور یہ ام المومنین کے اعزاز سے سرفراز ہو گئیں۔

جب اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تو تمام مجاہدین ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرما لیا اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام مجاہدین اسلام کے قبضہ میں تھے فوراً ہی سب کے سب آزاد کر دیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا

میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے بڑھ کر مبارک نہیں ثابت ہوا کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندان بنی مصطلق کو غلامی سے نجات حاصل ہوگئی۔

(زرقانی جلد 3 ص 254)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے میرے قبیلے میں تشریف لانے میں تین رات پہلے میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی جانب سے ایک چاند نکلتا ہوا آیا اور میری گود میں گر پڑا، میں نے کسی سے اس خواب کا تذکرہ نہیں کیا لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمالیا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔

(زرقانی جلد 3 ص 254)

ان کا اصلی نام ''برہ'' (نیکوکار) تھا لیکن چونکہ اس نام سے بزرگی اور بڑائی کا اظہار ہوتا تھا اس لئے آپ نے ان کا نام بدل کر ''جویریہ'' (چھوٹی لڑکی) رکھ دیا۔ یہ بہت ہی عبادت گزار عورت تھیں نماز فجر سے نماز چاشت تک ہمیشہ اپنے ورد و وظائف میں مشغول رہا کرتی تھی۔ (مدارج جلد 2 ص 479)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے دو بھائی عبداللہ بن حارث اور ان کی ایک بہن عمرہ بنت حارث یہ تینوں بھی مسلمان ہو کر شرف صحابیت سے سربلند ہوئے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن حارث کے اسلام لانے کا واقعہ بہت ہی تعجب خیز بھی ہے اور دلچسپ بھی، یہ اپنی قوم کے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ چند اونٹنیاں اور لونڈی تھی۔ انہوں نے ان سب کو ایک پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا دیا اور تنہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیران جنگ کی رہائی کے لئے درخواست پیش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم قیدیوں کے فدیہ کے لئے کیا لائے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تمہاری وہ اونٹنیاں کیا ہوئیں اور تمہاری وہ لونڈی کدھر گئی؟ جسے تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ زبان رسالت سے یہ علم غیب کی خبر سن کر عبداللہ بن حارث حیران رہ گئے کہ آخر حضور ﷺ کو میری اونٹنیاں کی خبر کس طرح ہوگئی ایک دم ان کے اندھیرے

دل میں حضور اکرم ﷺ کی صداقت اور آپ کی نبوت کا نور چمک اٹھا اور وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(کتاب الاستیعاب)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے سات حدیثیں بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری شریف میں اور دو حدیثیں مسلم شریف میں ہیں باقی تین حدیثیں دوسری کتابوں میں مذکور ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبید بن صباح اور ان کے بھتیجے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 ص 481 و زرقانی جلد 3 ص 255)

50ھ میں پینسٹھ برس کی عمر پا کر انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور حاکم مدینہ مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع کے قبرستان میں مدفن ہوئیں

(زرقانی جلد 3 ص 255 مدراج النبوۃ جلد 2 ص 481)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصلی نام زینب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام ''صفیہ'' رکھ دیا۔ یہ یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کے سردار اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں اور ان کی ماں کا نام ''ضرہ'' بنت سموئل ہے یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنونضیر کا رئیس اعظم تھا جو جنگ خیبر میں قتل ہو گیا۔

محرم 7ھ میں جب خیبر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور تمام اسیران جنگ گرفتار کر کے اکٹھا جمع کیے گئے تو اس وقت حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک لونڈی طلب کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی پسند سے ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا مگر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) حضرت صفیہ بنو قریظہ اور بنونضیر کی شاہ زادی ہیں۔ ان کے خاندانی اعزاز کا تقاضا ہے کہ آپ ان کو ازواج مطہرات میں شامل فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے لے لیا اور ان کے بدلے میں انہیں ایک دوسری لونڈی عطا فرما دی پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو

آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا اور جنگ خیبر سے واپسی میں تین دنوں تک منزل صہبا میں ان کو اپنے خیمہ کے اندر اپنی قربت سے سرفراز فرمایا اور دعوت ولیمہ میں کھجور گھی پنیر کا مالیدہ صحابہ کرام کو کھلایا جس کا مفصل تذکرہ جنگ خیبر میں گذر چکا حضور اکرم ﷺ حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا پر بہت ہی خصوصی توجہ اور نہایت ہی کریمانہ عنایت فرماتے تھے اور اس قدر ان کا خیال رکھتے تھے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر غیرت سوار ہو جایا کرتی تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بی بی صفیہ کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ''وہ تو پستہ قد ہے''۔ تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! تو نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر تیرے اس کلام کو دریا میں ڈال دیا جائے تو دریا متغیر ہو جائے گا (یعنی یہ غیبت ہے جو بہت ہی گندی بات ہے) اسی طرح ایک مرتبہ ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ زخمی ہو گیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فاضل اونٹ تھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے زینب! تم اپنا اونٹ صفیہ کو دے دو، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے طیش میں آ کر کہہ دیا کہ میں اس یہودیہ کو اپنی کوئی چیز نہیں دوں گی۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ حضرت زینب پر اس قدر خفا ہو گئے کہ دو تین ماہ تک ان کے بستر پر آپ نے قدم نہیں رکھا۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 ص 483)

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں آپ نے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے کہ ہم دونوں دربار رسالت میں تم سے بہت زیادہ عزت دار ہیں کیونکہ ہمارا خاندان حضور ﷺ سے ملتا ہے، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے صفیہ! تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیونکر ہو سکتی ہو۔ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں اور حضرت محمد ﷺ میرے شوہر ہیں۔ (زرقانی جلد 3 ص 259)

انہوں نے دس حدیثیں بھی حضور ﷺ سے روایت کی ہے جن میں سے ایک حدیث بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہے اور باقی نو حدیثیں دوسری کتابوں میں درج ہیں۔ ان کی وفات کے سال میں اختلاف ہے واقدی کا قول ہے کہ 50ھ میں ان کی وفات ہوئی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ 52ھ میں ان کا انتقال ہوا، بوقت رحلت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ یہ بھی مدینہ کے مہور قبرستان جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

(زرقانی جلد 3 ص 259 و مدارج النبوۃ ج 2 ص 483)

یہ شہنشاہ مدینہ ﷺ کی وہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جن پر تمام مورخین کا اتفاق ہے ان میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تو ہجرت سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا جن کا لقب "ام المساکین" ہے، ہم پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ نکاح کے دو تین ماہ بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے ہی یہ وفات پا گئی تھیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رحلت کے وقت آپ کی نو بیویاں موجود تھیں جن میں سے آٹھ کی آپ باریاں مقرر فرماتے رہے، کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان کو مقدس ازواج میں سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت حجش رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور سب کے آخر میں 62ھ یا 63ھ میں حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی۔ ان کی وفات کے بعد دنیا امہات المومنین سے خالی ہوگئی۔

مقدس باندیاں

مذکورہ بالا ازواج مطہرات کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کی چار باندیاں بھی تھیں جو آپ کے زیر تصرف تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا:

ان کو مصر و سکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہ اقدس میں چند ہدایا اور تحائف کے ساتھ بطور ہبہ کے نذر کیا تھا۔ ان کی ماں رومی اور باپ مصری، اس لئے یہ بہت ہی حسین و خوبصورت تھیں۔ یہ حضور ﷺ کی ام ولد ہیں۔ کیونکہ آپ کے فرزند

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ان ہی کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔
کنیز ہونے کے باوجود حضور اقدس ﷺ ان کو پردہ میں رکھتے تھے اور ان کے لئے مدینہ طیبہ کے قریب مقام عالیہ میں آپ نے ایک الگ گھر بنوا دیا تھا۔ جس میں یہ رہا کرتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی بھر ان کے نان و نفقہ کا انتظام کرتے رہے اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ 15ھ یا 16ھ میں ان کی وفات ہوگئی اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے خاص طور پر لوگوں کو جمع فرمایا اور خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھا کر ان کو جنت البقیع میں مدفون فرمایا۔ (زرقانی جلد 3 ص 271 تا 272)

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

یہ یہود کے خاندان بنو قریظہ سے تھیں گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں مگر انہوں نے کچھ دن تک اسلام قبول نہیں کیا جس سے حضور اقدس ﷺ ان سے ناراض رہا کرتے تھے۔ مگر ناگہاں ایک دن ایک صحابی نے آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ریحانہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس خبر سے آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اے ریحانہ! اگر تم چاہو تو میں تم کو آزاد کر کے تم سے نکاح کر لوں مگر انہوں نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ مجھے اپنی لونڈی ہی بنا کر رکھیں۔ یہی میرے اور آپ دونوں کے حق میں اچھا اور آسان رہے گا۔
یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی جب آپ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے 10ھ میں وفات پا کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔
(زرقانی جلد 3 ص 273)

حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا

یہ پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی مملوکہ لونڈی تھیں۔ انہوں نے ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بطور ہبہ کے نذر کر دیا اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاشانہ نبوت میں باندی کی حیثیت سے رہنے لگیں۔
(زرقانی جلد 3 ص 274)

چوتھی باندی صاحبہ

مذکورہ بالا باندیوں کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی ایک چوتھی باندی صاحبہ بھی تھیں۔ جن کے بارے میں عام طور پر مورخین نے لکھا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں یہ بھی کسی جہاد میں گرفتار ہو کر بارگاہ اقدس میں آئی تھیں اور حضور اقدس ﷺ کی باندی بن کر آپ کی صحبت سے سرفراز ہوتی رہیں۔ (زرقانی جلد 3 ص 274)

اولادِ کرام

اس بات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی اولاد کرام کی تعداد چھ ہے دو فرزند حضرت قاسم و ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب و حضرت رقیہ و حضرت اُم کلثوم و حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم و عنہن) لیکن بعض مورخین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے عبداللہ بھی ہیں جن کا لقب طیب و طاہر ہے۔ اس قول کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس اولاد کی تعداد سات ہے تین صاحبزادگان ، چار صاحبزادیاں، حضرت زینب و حضرت رقیہ و حضرت اُم کلثوم و حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم و عنہن) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو صحیح بتایا ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کی مقدس اولاد کے بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں۔

حضور ﷺ کی ان ساتوں مقدس اولاد میں سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے تولد ہوئے تھے۔ باقی تمام اولاد کرام حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔

(زرقانی جلد 2 ص 192 و مدارج النبوۃ جلد 3 ص 451)

اب ہم ان اولادِ کرام کے ذکرِ جمیل پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

یہ سب سے پہلے فرزند ہیں جو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آغوش مبارک میں اعلان نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کی عمر شریف دو برس کی ہوئی مگر علامہ غلابی کہتے ہیں کہ یہ فقط سترہ ماہ زندہ رہے۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی جلد 3 ص 194)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

ان ہی کا لقب طیب و طاہر ہے۔ اعلان نبوت سے قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت ابراهیم رضی اللہ عنہ

یہ حضور اکرم ﷺ کی اولاد میں سب سے آخری فرزند ہیں۔ یہ ذوالحجہ 8ھ میں مدینہ منورہ کے قریب مقام ''عالیہ'' کے اندر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے اس لئے مقام عالیہ کا دوسرا نام ''مشربہ ابراہیم علیہ السلام'' بھی ہے۔ ان کی ولادت کی خبر حضور اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے مقام عالیہ سے مدینہ آکر بارگاہِ اقدس میں سنائی۔ یہ خوش خبری سن کر حضور اکرم ﷺ نے انعام کے طور پر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا۔ اس کے فوراً بعد ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو بلایا ''یا ابا ابراہیم (اے ابراہیم کے باپ) کہہ کر پکارا'' حضور ﷺ بے حد خوش ہوئے اور ان کے عقیقہ میں دو مینڈھے آپ نے ذبح فرمائے اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی اور ان کے بالوں کو دفن کرا دیا۔ اور ''ابراہیم'' نام رکھا۔ پھر ان کو دودھ پلانے کے لئے حضرت ''اُم سیف'' رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا ان کے شوہر حضرت ابوسیف رضی اللہ عنہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے آپ کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ان کو دیکھنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے

ساتھ ابوسیف رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے تو یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کیا آپ ﷺ بھی روتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! یہ میرا رونا ایک شفقت کا رونا ہے اس کے بعد پھر دوبارہ چشمان مبارک سے آنسو بہے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے کہ۔

اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلاَ نَقُوْلُ اِلاَّ مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَ اِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے۔ مگر ہم وہی بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو جائے اور بلاشبہ اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔

جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اتفاق سے اسی دن سورج میں گرہن لگا۔ عربوں کے دلوں میں زمانہ جاہلیت کا یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت سے چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں جاہلیت کے اس عقیدہ کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَاَ یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھَا فَادْعُوا اللّٰہَ وَ صَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ

یقیناً چاند اور سورج گرہن اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں دو نشانیاں ہیں۔ کسی کے مرنے یا جینے سے ان دونوں میں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم لوگ گرہن دیکھو تو دعائیں مانگو اور نماز کسوف پڑھو۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔

(بخاری جلد 1 ص 145 باب الدعاء فی الکسوف)

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ نے دودھ پینے

کی مدت پوری نہیں کی اور دنیا سے چلا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بہشت میں ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرما دیا جو مدت رضاعت بھر اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 ص 254)

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ (مدارج النبوۃ جلد 2 ص 453)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا:

یہ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ اعلان نبوت سے دس سال قبل جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تیس سال کی تھی۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ اور جنگ بدر کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بلا لیا تھا اور یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اعلان نبوت سے قبل ہی ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہو گئی تھی۔ ابو العاص حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابو العاص کے ساتھ نکاح فرما دیا تھا۔ حضرت زینب تو مسلمان ہو گئیں مگر ابو العاص شرک و کفر پر اڑا رہا۔ رمضان سنہ 2ھ میں جب ابو العاص جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ آئے اس وقت تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں۔ چنانچہ ابو العاص کو قید سے چھڑانے کے لیے انہوں نے مدینہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جہیز میں دیا تھا۔ یہ ہار حضور اقدس ﷺ کا اشارہ پا کر صحابہ کرام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دیا اور حضور ﷺ نے ابو العاص سے یہ وعدہ لے کر ان کو رہا کر دیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ

منورہ بھیج دیں گے۔

چنانچہ ابوالعاص نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں ''بطن یاجج'' تک بھیج دیا۔ ادھر حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے ساتھ پہلے ہی مقام ''بطن یاجج'' میں بھیج دیا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات ''بطن یاجج'' سے اپنی حفاظت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لائے۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئیں تو کفار قریش نے اُن کا راستہ روکا۔ یہاں تک کہ ایک بدنصیب ظالم ''ہبار بن الاسود'' نے اُن کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا جس کے صدمہ سے اُن کا حمل ساقط ہوگیا، مگر اُن کے دیور کنانہ نے اپنے ترکش سے تیروں کو باہر نکال کر یہ دھمکی دی کہ جو شخص بھی حضرت زینب کے اونٹ کا پیچھا کرے گا، وہ میرے تیروں سے بچ کر نہ جائے گا۔ یہ سُن کر کفار قریش سہم گئے۔ پھر سردار مکہ ابوسفیان نے درمیان میں پڑ کر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے مدینہ روانگی کے لئے راستہ صاف کرا دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہجرت کرنے میں یہ دردناک مصیبت پیش آئی، اِسی لئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اُن کے فضائل میں یہ ارشاد فرمایا ھِیَ اَفْضَلُ بَنَاتِیْ اُصِیْبَتْ فِیَّ۔ یعنی یہ میری بیٹیوں میں اِس اعتبار سے بہت ہی زیادہ فضلیت والی ہیں کہ میری جانب ہجرت کرنے میں اتنی مصیبت اُٹھائی۔ اِس کے بعد ابو العاص محرم 7 ہجری میں مسلمان ہوکر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے چلے آئے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہنے لگے''۔ (زرقانی جلد3، صفحہ 195 تا 196)

8 ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگئی اور حضرت اُم ایمن وحضرت سودہ بنت زمعہ وحضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُن کو غسل دیا اور حضور اقدس ﷺ نے اُن کے کفن کے لئے اپنا تہبند شریف عطا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے اُن کو قبر میں اُتارا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں ایک لڑکا جس کا نام ''علی'' اور ایک

لڑکی حضرت "امامہ" تھیں۔علی کے بارے میں ایک روایت ہے کہ والدہ ماجدہ کی حیات ہی میں سن بلوغ کے قریب پہنچ کر وفات پا گئے لیکن ابن عساکر کا بیان ہے کہ نسب ناموں کے بیان کرنے والے بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (زرقانی جلد3،صفحہ 197)

حضرت امامہ رضی اللہ تعالی عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی محبت تھی۔آپ اُن کو دوشِ مبارک پر بٹھا کر مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک حلہ بھیجا جس کے ساتھ سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔حضور ﷺ نے یہ انگوٹھی حضرت امامہ رضی اللہ تعالی عنہا کو عطا فرمائی۔

اِسی طرح ایک مرتبہ ایک بہت ہی خوبصورت سونے کا ہار کسی نے حضور اقدس ﷺ کو نذر کیا جس کی خوبصورتی کو دیکھ کر تمام ازواج مطہرات حیران رہ گئیں۔آپ ﷺ نے اپنی مقدس بیویوں سے فرمایا کہ میں یہ ہار اُس کو دوں گا جو میرے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔تمام ازواج مطہرات نے یہ خیال کرلیا کہ یقیناً یہ ہار حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو عطا فرمائیں گے۔مگر حضور ﷺ نے حضرت امامہ رضی اللہ تعالی عنہا کو قریب بلایا اور اپنی پیاری نواسی کے گلے میں اپنے دست مبارک سے یہ ہار ڈال دیا۔

(زرقانی،جلد3،صفحہ 297)

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالی عنہا:

یہ اعلان نبوت سے سات برس پہلے جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف کا تینتیسواں سال تھا، پیدا ہوئیں اور ابتداء اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔پہلے اُن کا نکاح ابولہب کے بیٹے "عتبہ" سے ہوا تھا لیکن ابھی اُن کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ "سورہ تبت یدا" نازل ہوگئی۔ابولہب قرآن مجید میں اپنی دائمی رسوائی کا بیان سُن کر غصے سے آگ بگولہ ہوگیا اور اُس نے اپنے بیٹے عتبہ کو مجبور کردیا کہ وہ حضور ﷺ کی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو طلاق دیدے۔ چنانچہ عتبہ نے طلاق دے دی۔

اِس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن غفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔نکاح کے بعد حضرت عثمان بن غفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر حبشہ سے واپس مکہ آ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور یہ میاں بیوی دونوں ''صاحب الہجر تین'' (دو ہجرتوں والے)معزز لقب سے سرفراز ہو گئے۔

جنگ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت سخت بیمار تھیں۔چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن غفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگ بدر میں شریک ہونے سے روک دیا اور حکم دیا کہ وہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کریں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس دن جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے، اُسی دن حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیس سال کی عمر پا کر وفات پائی۔حضور ﷺ جنگ بدر کے سبب سے اُن کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن حضور ﷺ نے اُن کو جنگ بدر کے مجاہدین میں شمار فرمایا،اور جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے اُن کو مجاہدین کے برابر حصہ بھی عطا فرمایا اور شرکاءِ جنگ بدر کے برابر اجرِ عظیم کی بشارت بھی دی۔

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم مبارک سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے جن کا نام ''عبداللہ'' تھا۔یہ اپنی ماں کے بعد 4 ہجری میں چھ برس کی عمر پا کر انتقال فرما گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

(زرقانی جلد 3،صفحہ 198 تا 199)

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

یہ سب سے پہلے ابولہب کے بیٹے ''عتیبہ'' کے نکاح میں تھیں۔لیکن ابولہب کے مجبور کر دینے سے بدنصیب عتیبہ نے اُن کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دی اور اِس ظالم نے بارگاہ نبوت میں انتہائی گستاخی بھی کی۔یہاں تک کہ بدزبانی کرتے ہوئے

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین پر جھپٹ پڑا اور آپ کے مقدس پیراہن کو پھاڑ ڈالا۔اِس گستاخ کی بے ادبی سے آپ کے قلب نازک پر انتہائی رنج وصدمہ گذرا اور جوشِ غم میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ:

''یا اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اِس پر مسلط فرما دے''۔

اِس دعا نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ابولہب اور عتیبہ دونوں تجارت کے لئے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام گئے اور مقام ''زرقا'' میں ایک راہب کے پاس رات میں ٹھہرے۔راہب کے قافلہ والوں کو بتایا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔آپ لوگ ذرا ہوشیار ہوکر سوئیں۔ یہ سُن کر ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ''اے لوگو! محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے عتیبہ کے لئے ہلاکت کی دعا کردی ہے۔لہٰذا تم لوگ تمام تجارتی سامانوں کو اکٹھا کر کے اُس کے اوپر عتیبہ کا بستر لگا دو اور سب لوگ اُس کے اردگرد چاروں طرف سورہو تا کہ میرا بیٹا درندوں کے حملہ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ قافلہ والوں نے عتیبہ کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا۔لیکن رات میں بالکل ناگہاں ایک شیر آیا اور سب کو سونگھتے ہوئے کود کر عتیبہ کے بستر پر پہنچا اور اُس کے سر کو چبا ڈالا۔لوگوں نے ہر چند شیر کو تلاش کیا مگر کچھ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ شیر کہاں سے آیا تھا؟اور کدھر چلا گیا۔

(زرقانی جلد3،صفحہ 197 تا198)

خدا کی شان دیکھئے کہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے حضور ﷺ کی دونوں شہزادیوں کو اپنے باپ کے مجبور کرنے سے طلاق دے دی مگر عتبہ نے چونکہ بارگاہ نبوت میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں کی تھی اِسی لئے وہ قہر الٰہی میں مبتلا نہیں ہوا۔بلکہ فتح مکہ کے دن اُس نے اور اُس کے دوسرے بھائی''معتب'' دونوں نے اسلام قبول کرلیا اور دست اقدس پر بیعت کر کے شرف صحابیت سے سرفراز ہوگئے اور''عتیبہ'' نے اپنی خباثت سے چونکہ بارگاہ نبوت میں گستاخی وبے ادبی کی تھی اِسی لئے وہ قہر وقہار وغضب جبار میں گرفتار ہوکر کفر کی حالت میں ایک خونخوار شیر کے حملہ کا شکار بن گیا۔

(والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ)

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ربیع الاول 3 سنہ ھ میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت بی بی اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر دیا۔ مگر اُن کے شکم مبارک سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ شعبان 5 سنہ ھ میں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی اور حضور اقدس ﷺ نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(زرقانی جلد 3، صفحہ 200)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

یہ شہنشاہ کونین ﷺ کی سب سے چھوٹی مگر سب سے زیادہ پیاری اور لاڈلی شہزادی ہیں۔ اُن کا نام "فاطمہ" اور لقب "زہرا" اور "بتول" ہے۔ اِن کی پیدائش کے سال میں علماء ومورخین کا اختلاف ہے۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اعلان نبوت کے پہلے سال جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی، یہ پیدا ہوئیں اور بعض نے لکھا ہے کہ اعلان نبوت سے ایک سال قبل اِن کی ولادت ہوئی اور علامہ ابن الجوزی نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل اِن کی پیدائش ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زرقانی جلد 3، صفحہ 202 تا 203)

اللہ اکبر! اِن کے فضائل ومناقب کا کیا کہنا؟ اِن کے مراتب و درجات کے حالات سے کتب احادیث کے صفحات مالا مال ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب "حقانی تقریریں" میں تحریر کر دیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ سیدۃ نساء العالمین (تمام جہان کی عورتوں کی سردار) اور سیدۃ نساء اہل جنۃ (اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں)۔ اِن کے حق میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے کہ فاطمہ میری بیٹی میرے بدن کی ایک بوٹی ہے، جس نے فاطمہ کو ناراض کیا، اُس نے مجھے ناراض کیا۔

(مشکوٰۃ، صفحہ 568 مناقب اہل بیت وزرقانی جلد 3 صفحہ 204)

2 ہجری میں حضرت علی شیر خدا سے اُن کا نکاح ہوا اور اُن کے شکم مبارک سے تین صاحب زادگان حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم اور تین صاحب زادیاں زینب واُم کلثوم ورقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی ولادت ہوئی۔ حضرت

محسن و رقیہ تو بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا جس کے شکم مبارک سے آپ کے ایک فرزند اور ایک صاحب زادی حضرت رقیہ کی پیدائش ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

(مدارج النبوہ جلد 2، صفحہ 460)

حضور اقدس ﷺ کے وصال شریف کا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلب مبارک پر بہت ہی جانکاہ صدمہ گذرا۔ چنانچہ وصال اقدس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی ہنستی نہیں دیکھی گئیں۔ یہاں تک کہ وصال نبوی کے چھ ماہ بعد 3 رمضان المبارک 11 ہجری منگل کی رات میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت علی یا حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور سب سے زیادہ صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 461)

چچاؤں کی تعداد:

حضور اقدس ﷺ کے چچاؤں کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اُن کی تعداد نو، بعض نے کہا کہ دس اور بعض کا قول ہے کہ گیارہ، مگر صاحب مواہب لدنیہ نے ''ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ'' سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے علاوہ حضرت عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

1۔ حارث
2۔ ابو طالب
3۔ زبیر
4۔ حمزہ
5۔ عباس
6۔ ابولہب
7۔ غیداق
8۔ مقوم

9۔ضرار
10۔قثم
11۔عبدالکعبہ
12۔حجل۔

اِن میں سے صرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا۔حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت طاقتور اور بہادر تھے۔اُن کو حضور اقدس ﷺ نے اسد اللہ واسد الرسول (اللہ اور رسول کا شیر) کے معزز وممتاز لقب سے سرفراز فرمایا۔یہ 3ہجری میں جنگ احد کے اندر شہید ہوکر" سید الشہداء" کے لقب سے مشہور ہوئے اور مدینہ منورہ سے تین میل دُور جنگ اُحد کے میدان میں آپ کا مزار پُرانوار زیارت گاہ عالم اسلام ہے!

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں بہت سی حدیث وارد ہوئی ہیں۔حضور اقدس ﷺ نے اُن کے اور اُن کی اولاد کے بارے میں بہت سی بشارتیں دی اور اچھی اچھی دعائیں بھی فرمائیں۔

32یا33ہجری میں ستاسی یا اٹھاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ (زرقانی جلد3،صفحہ 270تا285 ومدارج جلد2 صفحہ 488)

آپ کی پھوپھیاں:

آپ کی پھوپھیوں کی تعداد 6 ہے،جن کے نام یہ ہیں۔

1۔عاتکہ
2۔امیمہ
3۔ام حکیم
4۔برہ۔
5۔صفیہ
6۔اروی۔

اِن میں سے تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کیا۔یہ زبیر بن العوام کی والدہ ہیں۔یہ بہت بہادر اور حوصلہ مند

خاتون تھیں، غزوہ خندق میں اُنہوں نے ایک مسلح اور حملہ آور یہودی کو تنہا ایک چوب سے مار کر قتل کر دیا تھا جس کا تذکرہ غزوہ خندق میں گزر چکا اور یہ بھی روایت ہے کہ جنگ اُحد میں بھی جب مسلمانوں کا لشکر بکھر چکا تھا، یہ اکیلی کفار پر نیزہ چلاتی رہیں ۔یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ کو اُن کی غیر معمولی شجاعت پر انتہائی تعجب ہوا اور آپ کے فرزند حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ذرا اِس عورت کی بہادری اور جانثاری تو دیکھو۔ 20 ہجری میں تہتر برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات کر جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(زرقانی جلد3، صفحہ 287 تا288)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اردی و عاتکہ وامیمہ کے اسلام کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔اُنہوں نے اِن تینوں کو مسلمان تحریر کیا ہے اور بعضوں کے نزدیک اُن کا اسلام ثابت واللہ تعالیٰ اعلم۔(رزقانی جلد3 صفحہ 287)

خُدّام خاص:

یوں تو تمام صحابہ کرام حضور ﷺ کی شمع نبوت کے پروانے تھے اور انتہائی جانثاری کے ساتھ آپ کی خدمت گزاری کے لئے سبھی تن من دھن سے حاضر رہتے تھے مگر پھر بھی چند ایسے خوش نصیب ہیں جن کا شمار تاجدار رسالت ﷺ کے خصوصی خدام میں ہے۔اِن خوش بختوں کی مقدس فہرست میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(1) حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ حضور اقدس ﷺ کے سب سے مشہور و ممتاز خادم ہیں۔اُنہوں نے دس برس مسلسل ہر سفر و حضر میں آپکی وفا دارانہ خدمت گزاری کا شرف حاصل کیا ہے۔اُن کے لئے حضور اقدس ﷺ نے خاص طور پر یہ دعا فرمائی تھی کہ ''اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ''

یعنی اے اللہ! اِس کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما اور اِس کو جنت میں داخل فرما۔

حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی اِن تینوں دعاؤں میں سے دو دعاؤں کی مقبولیت کا جلوہ تو میں نے دیکھ لیا کہ ہر شخص کا باغ سال میں ایک مرتبہ

پھلتا ہے اور میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھلتا ہے اور پھلوں میں مشک کی خوشبو آتی ہے اور میری اولاد کی تعداد 106 ہے جن میں ستر لڑکے اور باقی لڑکیاں ہیں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ تیسری دعا کا جلوہ بھی ضرور دیکھوں گا، یعنی جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ اُنہوں نے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں حضور اقدس ﷺ سے روایت کی ہیں اور حدیث میں اُن کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اُن کی عمر سو برس سے زائد ہوئی۔ بصرہ میں 91 ہجری یا 92 ہجری یا 93 ہجری میں وفات پائی۔ (زرقانی جلد 3 صفحہ 296 تا 297)۔

(2) حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وضو کرانے کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ یعنی پانی اور مسواک وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے اُن کو جنت کی بشارت دی تھی۔ 63 ہجری میں وفات پائی۔

(زرقانی جلد 3، صفحہ 297)

(3) حضرت ایمن بن اُم یمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ! حضور الصلوٰۃ والسلام کی ایک چھوٹی مشک جس سے آپ استنجا اور وضو فرمایا کرتے تھے، ہمیشہ آپ ہی کی تحویل میں رہا کرتی تھی۔ یہ جنگ حنین کے دن شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(زرقانی جلد 3 صفحہ 297)

(4) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ نعلین شریفین اور وضو کا برتن اور مسند و مسواک اپنے پاس رکھتے تھے اور سفر وحضر میں ہمیشہ یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ ساٹھ برس سے زیادہ کی عمر پا کر 32، 33 ہجری میں بعض کا قول ہے کہ مدینہ میں اور بعض کے نزدیک کوفہ میں وصال فرمایا۔ (رزقانی جلد 3 صفحہ 297 تا 298)

(5) حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ حضور ﷺ کی سواری کے خچر کی لگام تھامے رہتے تھے۔ قرآن مجید اور فرائض کے علوم میں بہت ہی ماہر تھے اور اعلیٰ درجہ کے فصیح خطیب اور شعلہ بیان شاعر تھے۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنی حکومت کے دوران میں اِن کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔ 58 ہجری میں مصر کے اندر ہی اِن کا وصال

ہوا۔

(زرقانی جلد3 صفحہ299)

(6) حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ تعالی عنہ! یہ حضور اقدس ﷺ کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

(7) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ! یہ بہت ہی قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ انتہائی تارک دنیا اور عابد وزاہد تھے اور دربار نبوت کے بہت ہی خاص خادم تھے۔اِن کے فضائل میں چند حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ 31ہجری میں مدینہ منورہ سے کچھ دور ''ربذہ'' نامی گاؤں میں اِن کا وصال ہوا اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (زرقانی جلد3 صفحہ300)

(8) حضرت مہاجر مولیٰ اُم سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ! یہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔شرف صحابیت کے ساتھ ساتھ پانچ برس تک حضور اقدس ﷺ کی خدمت کرنے کا بھی شرف حاصل کیا۔ یہ بہت ہی بہادر مجاہد بھی تھے۔مصر کو فتح کرنے والی فوج میں شامل تھے۔کچھ دنوں تک مصر میں رہے۔پھر ''طحا'' چلے گئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے۔ (زرقانی جلد3 صفحہ 301)

9- حضرت حنین مولیٰ عباس رضی اللہ تعالی عنہ! یہ پہلے حضور ﷺ کے غلام تھے اور دن رات آپ کی خدمت کرتے تھے۔پھر آپ نے اِنہیں اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو عطا فرما دیا اور یہ حضرت عباس کے غلام ہوگئے۔لیکن چند ہی دنوں کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے اِن کو اِس لئے آزاد کردیا تاکہ یہ دن رات بارگاہ نبوت میں حاضر رہیں اور خدمت کرتے رہیں۔(زرقانی جلد3 صفحہ 301)

(10) حضرت نعیم بن ربیعہ اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ! یہ بھی خادمان بارگاہ رسالت کی فہرست خاص میں شمار کئے جاتے ہیں۔ (زرقانی جلد3 صفحہ 301)

(11) حضرت ابو الحمراء رضی اللہ تعالی عنہ! اِن کا نام ہلال بن الحارث تھا۔یہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص ہیں۔وفات نبوی کے بعد مدینہ سے ''حمص'' چلے گئے تھے اور وہیں اِن کی وفات ہوئی۔

(زرقانی جلد3صفحہ 301)

(12) حضرت ابو اسمع رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ حضور اقدس ﷺ کے غلام تھے۔ پھر آپ نے اِن کو آزاد کر دیا مگر یہ دربار نبوت سے جدا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ خدمت گزاری میں مصروف رہے ۔حضور علیہ السلام کو اکثر یہی غسل کرایا کرتے تھے۔ اِن کا نام ''آیاذ'' تھا۔

(زرقانی جلد3صفحہ 301)

خصوصی محافظین:

کفار چونکہ حضور اقدس ﷺ کے جانی دشمن تھے اور ہر وقت اِس تاک میں لگے رہتے تھے کہ اگر ذرا سا بھی موقع مل جائے تو آپ کو شہید کر ڈالیں بلکہ بارہا قاتلانہ حملے بھی کر چکے تھے اِسی لئے کچھ جانثار صحابہ کرام باری باری سے راتوں کو آپ کی مختلف خواب گاہوں اور قیام گاہوں کا شمشیر بکف ہوکر پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ ''آپ کو لوگوں سے بچائے گا''۔ اِس آیت کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب پہرہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مجھ کو میرے دشمنوں سے بچائے گا۔ اِن جانثار پہرہ داروں میں چند خوش نصیب صحابہ کرام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

1۔ حضرت ابوبکر صدیق
2۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری
3۔ حضرت محمد بن مسلمہ
4۔ حضرت ذکوان بن عبداللہ
5۔ حضرت زبیر بن العوام
6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص
7۔ حضرت عباد بن بشر
8۔ حضرت ابوایوب انصاری
9۔ حضرت بلال حبشی

10۔ حضرت مغیر بن شعبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

کاتبین وحی:

جو صحابہ کرام قرآن پاک کی نازل ہونے والی آیتوں اور دوسری خاص خاص تحریروں کو حضور اقدس ﷺ کے حکم کے مطابق لکھا کرتے تھے۔ اِن معتمد کاتبوں میں خاص طور پر مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

1۔ حضرت ابو بکر صدیق
2۔ حضرت عمر فاروق
3۔ حضرت عثمان غنی
4۔ حضرت علی مرتضیٰ
5۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ
6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص
7۔ حضرت زبیر بن العوام
8۔ حضرت عامر بن فہیر
9۔ حضرت ثابت بن قیس
10۔ حضرت حنظلہ بن ربیع
11۔ حضرت زید بن ثابت
12۔ حضرت ابی بن کعب
13۔ حضرت امیر معاویہ
14۔ حضرت ابو سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

(مدارج النبوہ جلد 2 صفحہ 529 تا 540)

دربار نبوت کے شعرا:

یوں تو بہت سے صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی مدح وثناء میں قصائد لکھنے کی سعادت سے سرفراز ہوئے مگر دربار نبوی کے مخصوص شعراء کرام تین ہیں جو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ کفار کے شاعرانہ حملوں کا اپنے قصائد کے ذریعے دندان شکن جواب بھی دیا کرتے تھے۔

(1) حضرت کعب بن مالک انصاری جو جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے معتوب ہوئے۔ مگر پھر اُن کی توبہ کی مقبولیت قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ اُن کا بیان ہے کہ لوگوں سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ مومن اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا رہتا ہے اور تمہارے اشعار گویا کفار کے حق میں تیروں کی مار کے برابر ہیں۔ حضرت علی کے دور خلافت یا حضرت امیر معاویہ کی سلطنت کے دور میں اِن کی وفات ہوئی۔

(2) حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجی۔ اِن کے فضائل و مناقب میں چند حدیثیں بھی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اِن کو ''سیّد الشعرائ'' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ یہ جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(3) حضرت حسان بن ثابت بن منذر عمر و انصاری خزرجی۔ یہ دربار رسالت کے شعراء کرام میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضور اکرم نے اِن کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی یا اللہ! حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اِن کی مدد فرما۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ میری طرف سے کفار کو اپنے اشعار کے ذریعہ جواب دیتے رہتے ہیں، اُس وقت تک حضرت جبرائیل علیہ السلام اِن کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر 54 ہجری میں وفات پائی۔ ساٹھ برس کی عمر زمانہ جاہلیت میں گذاری اور ساٹھ برس کی عمر خدمت اسلام میں صرف کی۔ یہ ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ اِن کی اور اِن کے والد ثابت اور اِن کے دادا منذر اور نگر دادا حرام سب کی عمریں ایک سو بیس برس کی ہوئیں۔

(زرقانی جلد 3 صفحہ 372 تا 373)

خصوصی مؤذنین:

حضور اقدس ﷺ کے خصوصی مؤذنوں کی تعداد چار ہے۔

1۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

2۔ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ دونوں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے مؤذن تھے۔

3۔ حضرت سعد بن عائذ جو"سعد قرظ" کے لقب سے مشہور ہیں۔یہ مسجد قبا کے مؤذن تھے۔
4۔ حضرت ابو محذرہ۔یہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں اذان پڑھا کرتے تھے۔
(زرقانی جلد3 صفحہ269 تا271)

بیسواں باب

معجزات نبوت

صاحبِ رجعتِ شمس وشق القمر
نائبِ دست قُدرت پہ لاکھوں سلام
فرش تا عرش ہے جسکے زیرِ نگیں
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

معجزہ کیا ھے؟

حضرات انبیاء علیہم السلام سے اِن کی نبوت کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے کسی ایسی تعجب خیز چیز کا ظاہر ہونا جو عادتاً نہیں ہوا کرتی۔اِسی خلاف ظاہر ہونے والی چیز کا نام معجزہ ہے۔

معجزہ چونکہ نبی کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ایک نشان خداوندی ہوا کرتا ہے اِسی لئے معجزہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ خارقِ عادت ہو یعنی ظاہری علل واسباب اور عادت جاریہ کے بالکل ہی خلاف ہو۔ورنہ ظاہر ہے کہ کفار اِس کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے اور ایسا تو ہمیشہ عادتاً ہوا ہی کرتا ہے۔اِسی بناء پر معجزہ کے لئے یہ لازمی شرط ہے بلکہ یہ معجزہ کے مفہوم میں داخل ہے کہ وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اسبا ب عادیہ اور عادات جاریہ کے خلاف ہو اور ظاہری اسباب وعلل کے عمل ودخل سے بالکل ہی بالاتر ہوتا کہ اِس کو دیکھ کر کفار بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ چونکہ اِس چیز کا کوئی ظاہری سبب بھی نہیں ہے اور عادتاً ایسا ہوا بھی نہیں کرتا۔اِس لئے بلاشبہ اِس چیز کا کسی شخص سے ظاہر ہونا انسانی طاقتوں سے بالاتر کارنامہ ہے۔لہٰذا یقیناً یہ شخص اللہ تعالیٰ کی

طرف سے بھیجا ہوا اور اُس کا نبی ہے۔

معجزات کی چار قسمیں:

جب معجزہ کے لئے یہ ضروری اور لازمی شرط ہے کہ وہ کسی نہ کسی لحاظ سے انسانی طاقتوں سے بالاتر اور عادات جاریہ کے خلاف ہو۔ اِس بناء پر اگر بغور دیکھا جائے تو خارقِ عادت ہونے کے اعتبار سے معجزات کی چار قسمیں ملیں گی جو حسب ذیل ہیں۔

اول: بذات خود وہ چیز ہی ایسی ہو جو ظاہر اسباب و عادات کے بالکل ہی خلاف ہو جیسے حضور اکرم ﷺ کا چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دینا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن کر سانپوں کو نگل جانا وغیرہ وغیرہ۔

دوم: بذات خود وہ چیز تو خلاف عادت نہیں ہوتی مگر کسی خاص وقت پر بالکل ہی ناگہاں نبی سے اِس کا ظہور ہو جانا۔ اِس اعتبار سے یہ چیز خارقِ عادت ہو جایا کرتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی معجزہ ہی کہلائے گا۔ مثلاً جنگ خندق میں اچانک ایک خوفناک آندھی کا آ جانا جس سے کفار کے خیمے اُکھڑ اُکھڑ کر اُڑ گئے اور بھاری بھاری دیگیں چولہوں پر سے اُلٹ پلٹ کر دور جا گریں یا جنگ بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے ایک ہزار لشکر جرار کا جو مکمل طور پر مسلح تھے، شکست کھا کر مقتول و گرفتار ہو جانا، ظاہر ہے کہ آندھی کا آنا یا کسی لشکر کا شکست کھا جانا بذات خود کوئی خلاف بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ہمیشہ ہوا ہی کرتا ہے لیکن ایک خاص موقع پر جب رسول کو تائید ربانی کی خاص ضرورت محسوس ہوئی۔ بغیر کسی ظاہری سبب کے بالکل ہی اچانک آندھی کا آ جانا اور کفار کا باوجود کثرت تعداد کے قلیل مسلمانوں سے شکست کھا جانا، اِس کو تائید خداوندی اور غیبی امداد و نصرت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اِس لحاظ سے یقیناً یہ عادت جاریہ کے خلاف اور ظاہری اسباب و علل سے بالاتر ہے۔ لہٰذا یہ بھی یقیناً ایک معجزہ ہے۔

سوم: ایک صورت یہ بھی ہے کہ نہ تو بذات خود وہ واقعہ خلاف عادت ہوا ہے نہ اُس کے ظاہر ہونے کے وقت خاص میں خلاف عادت کوئی بات ہوتی ہے مگر اس واقعہ کے ظاہر ہونے کا طریقہ بالکل ہی نادر الوجود اور خلاف عادت ہوا کرتا ہے مثلاً انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بالکل ہی ناگہاں پانی کا برسنا، بیماروں کا شفایاب ہو جانا۔ آفتوں کا

ٹل جانا۔

ظاہر ہے کہ یہ باتیں نہ تو خلاف عادت ہیں نہ اِن کے ظاہر ہونے کا کوئی خاص وقت ہے بلکہ یہ باتیں تو ہمیشہ ہوا ہی کرتی ہیں لیکن جن طریقوں اور جن اسباب سے یہ چیزیں وقوع پذیر ہوئیں کہ ایک دم ناگہاں نبی نے دعا مانگی اور بالکل ہی اچانک یہ چیزیں ظہور میں آگئیں۔ اِس اعتبار سے یقینا بلاشبہ یہ ساری چیزیں خارقِ عادات اور ظاہری اسباب سے الگ اور بالاتر ہیں۔ لہٰذا یہ چیزیں بھی معجزات ہی کہلائیں گی۔

چہارم: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ تو خود واقعہ عاداتِ جاریہ کے خلاف ہوتا ہے نہ اِس کا طریقہ ظہور خارقِ عادت ہوتا ہے، لیکن بلا کسی ظاہری سبب کے نبی کو اِس واقعہ کا قبل از وقت علم غیب حاصل ہوجانا اور واقعہ کے وقوع سے پہلے ہی نبی کا اِس واقعہ کی خبر دے دینا خلاف عادت ہوتا ہے مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام نے واقعات کے ظہور سے بہت پہلے جو غیب کی خبریں دی ہیں، یہ سب واقعات اِس اعتبار سے خارقِ عادات اور معجزات ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک روز بہت ہی زوردار آندھی چلی۔ اُس وقت حضور اکرم مدینہ سے باہر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اُسی جگہ فرمایا کہ یہ آندھی مدینہ کے ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ کا ایک منافق اِس آندھی سے ہلاک ہوگیا۔

(مشکوٰۃ شریف، جلد 2 صفحہ 537، باب المعجزات)

غور کیجیے کہ اِس واقعہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خلاف عادت ہے نہ کسی آدمی کا آندھی سے ہلاک ہونا اسباب و عادات کے خلاف ہے کیونکہ آندھی ہمیشہ آتی ہی رہتی ہے اور آندھی میں ہمیشہ آدمی مرتے ہی رہتے ہیں لیکن اِس واقعہ کا قبل از وقت حضور اکرم کو علم ہوجانا اور آپ کا لوگوں کو اِس غیب کی خبر پر قبل از وقت مطلع کردینا یقینا بلاشبہ یہ خرقِ عادات اور معجزات میں سے ہے۔

انبیاء سابقین اور خاتم النبیین کے معجزات:

ہر نبی کا معجزہ چونکہ اُس کی نبوت کے ثبوت کی دلیل ہوا کرتا ہے اِس لئے خداوندعالم نے ہر نبی کو اُس دور کے ماحول اور اُس کی امت کے مزاج، عقل و فہم کی مناسبت معجزات سے نوازا، چنانچہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں چونکہ جادو

اور ساحرانہ کارنامے اپنی ترقی کی اعلیٰ منزل پر پہنچے ہوئے تھے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''ید بیضا'' اور عصا کے معجزات عطا فرمائے جن سے آپ نے جادوگروں کے کارناموں پر اِس طرح غلبہ حاصل فرمایا کہ تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے۔

اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب انتہائی معراج ترقی پر پہنچا ہوا تھا اور اُس دور کے طبیبوں اور ڈاکٹروں نے بڑے بڑے امراض کا علاج کرکے اپنی فنی مہارت سے تمام انسانوں کو مسحور کررکھا تھا۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مادر زاد اندھوں اور کوڑوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا جس کو دیکھ کر دور مسیح کے اطباء اور ڈاکٹروں کے ہوش اُڑ گئے اور وہ حیران وششدرہ گئے اور بالآخر اُنہوں نے اِن معجزات کو انسانی کمالات سے بالاتر مان کر آپ کی نبوت کا اقرار کرلیا۔

اِسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کے دور بعثت میں سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کے حالات کا بہت چرچا تھا۔ اِس لئے خداوند تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرما کر بھیجا کہ آپ نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ فرمادیا تو اُس کی ایک چٹان شق ہوگئی اور اِس میں سے ایک بہت ہی خوبصورت اور تندرسی اونٹنی اور اُس کا بچہ نکل پڑا اور آپ نے فرمایا کہ هٰذِه نَاقَتُه اللهِ لَکُمْ اٰیَتُه (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے معجزہ بن کر آئی ہے) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئی۔

الغرض اِسی طرح ہر نبی کو اُس دور کے ماحول کے مطابق اور اُس کی قوم کے مزاج اور اُن کی افتادہ طبع کی مناسبت کسی کو ایک، کسی کو دو، کسی کو اِس سے زیادہ معجزات ملے مگر ہمارے حضور نبی الزمان ﷺ! چونکہ تمام نبیوں کے بھی نبی ہیں اور آپ کی سیرت مقدسہ تمام انبیاء علیہم السلام کی مقدس زندگیوں کا خلاصہ اور آپ کی تعلیم تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا عطر ہے اور آپ دنیا میں ایک عالمگیر اور ابدی دین لے کر تشریف لائے تھے اور عالم کائنات میں اولین وآخرین کے تمام اقوام وملل آپ کی مقدس دعوت کے مخاطب تھے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ کو انبیاء سابقین کے تمام معجزات کا مجموعہ بنادیا اور آپ کو قسم قسم کے ایسے بے شمار معجزات سے

سرفراز فرمایا جو ہر طبقہ، ہر قوم اور تمام اہل مذاہب کے مزاج عقل وفہم کے لئے ضروری تھے۔ اِس لئے آپ صورت وسیرت، آپ کی سنت وشریعت، آپ کے اخلاق وعادات ،آپ کے معمولات ،غرض آپ کی ذات وصفات کی ہر ہر ادا اور ایک ایک بات اپنے دامن میں معجزات کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے،آپ پر جو کتاب نازل ہوئی، وہ آپ کا سب سے بڑا اور قیامت تک باقی رہنے والا ایسا ابدی معجزہ ہے جس کی ہر ہر آیت بنیات کی کتاب اور جس کی سطر سطر، معجزات کا دفتر ہے،آپ کے معجزات عالم اعلیٰ اور عام اسفل کی کائنات میں اِس طرح جلوہ فگن ہوئے کہ فرش سے عرش تک آپ کے معجزات کی عظمت کا ڈنکا بج رہا ہے، روئے زمین پر جمادات،نباتات ،حیوانات کے تمام عالموں میں آپ کے طرح طرح کے معجزات کی ایسی ہمہ گیر حکمرانی وسلطنت کا پرچم لہرایا کہ بڑے بڑے منکروں کو بھی آپ کی صداقت ونبوت کے آگے سرنگوں ہونا پڑا اور معاندین کے سوا ہر انسان خواہ وہ کسی قوم ومذہب سے تعلق رکھتا ہو اور اپنی افتادہ طبع اور مزاج عقل کے لحاظ سے کتنی ہی منزل بلند پر فائز کیوں نہ ہو مگر آپ کے معجزات کی کثرت اور اُن کی نوعیت وعظمت دیکھ کر اِس کو اِس بات پر ایمان لانا پڑا کہ بلاشبہ آپ نبی برحق اور خدا کے سچے رسول ہیں۔خود آپ کی جسمانی اور روحانی خدا داد طاقتوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی حیات مقدسہ کے مختلف دور کے محیر العقول کارنامے بجائے خود عظیم سے عظیم تر معجزات ہیں۔کبھی عرب کے ناقابل تسخیر پہلوانوں سے کشتی لڑ کر اُن کو پچھاڑ دینا،کبھی دم زدن میں زمین سے سدرہ المنتہیٰ پر گذرتے ہوئے عرش معلیٰ کی سیر،کبھی انگلیوں کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کردینا،کبھی ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹا دینا،کبھی خندق کی چٹان پر پھاوڑا مار کر روم وفارس کی سلطنتوں میں اپنی امت کو پرچم اسلام لہراتا ہوا دکھائی دینا،کبھی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کردینا،کبھی مٹھی بھر کھجور سے ایک بھوکے لشکر کو اِس طرح راشن دینا کہ ہر سپاہی نے شکم سیر ہوکر کھالیا وغیرہ وغیرہ۔معجزات کا ظاہر کردینا یقینا بلاشبہ یہ وہ معجزات ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی سلیم العقل انسان اِن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

معجزات کثیرہ میں سے چند ایک:

حضور اقدس ﷺ کے معجزات کی تعداد کا ہزار دو ہزار کی گنتیوں سے شمار کرنا انتہائی دشوار ہے کیونکہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ آپ کی ذات مقدسہ تمام انبیاء سابقین کے معجزات کا مجموعہ و برزخ کبریٰ ہے،اور اِن کے علاوہ خداوند قدوس نے آپ کو دوسرے ایسے بے شمار معجزات عطا فرمائے ہیں جو کسی نبی و رسول کو نہیں دیئے گئے۔اِس لئے یہ کہنا آفتاب سے زیادہ تابناک حقیقت ہے کہ آپ کی مقدس زندگی کے تمام لمحات درحقیقت معجزات کی ایک دنیا اور خوارقِ عادات کا ایک عالم اکبر ہیں۔ظاہر ہے کہ جب بڑی بڑی عظیم و ضخیم کتابوں کے مصنفین حضور اکرم ﷺ کے تمام معجزات کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع نہیں فرما سکے تو ہماری اِس مختصر کتاب کا تنگ دامن بھلا اِن معجزات کثیرہ کا کس طرح متحمل ہوسکتا ہے؟لیکن مثل مشہور ہے کہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ۔یعنی جس چیز کو پورا پورا نہ حاصل کیا جاسکے،اُس کو بالکل ہی چھوڑ دینا بھی نہیں چاہیے۔اِس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی اِس مختصر کتاب میں چند معجزات کا ذکر کروں تاکہ اِس کتاب کا دامن معجزات نبوت کے گلہائے رنگا رنگ سے بالکل ہی خالی نہ رہ جائے،چونکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہمارے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے معجزات عالم اسفل ہی تک محدود نہیں بلکہ عالم اسفل و عالم اعلیٰ دونوں جہانوں میں معجزات نبویہ کی حکمرانی ہے اِس لئے ہم چند اقسام کے معجزات کی چند مثالیں مختلف عنوانات کے تحت درج کرتے ہیں۔

آسمانی معجزات

چاند دو ٹکڑے ہوگیا:

حضور خاتم النبیین ﷺ کے معجزات میں ''شق القمر'' کا معجزہ بہت ہی عظیم الشان اور فیصلہ کن معجزہ ہے۔حدیثوں میں آیا ہے کہ کفار مکہ نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنی نبوت کی صداقت پر بطور دلیل کے کوئی معجزہ اور نشانی دکھایئے،اُس وقت آپ نے اِن لوگوں کو ''شق القمر'' کا معجزہ دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہوکر نظر آیا۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت اُنس بن مالک و حضرت جبیر بن مطعم و حضرت علی بن ابی طالب و حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت خدیفہ بن یمان (رضی اللہ

تعالیٰ عنہمان) وغیرہ نے اِس واقعہ کی روایت کی ہے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 5، صفحہ 124)

ان روایات میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس موقع پر موجود تھے اور اُنہوں نے اِس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اُن کا بیان ہے کہ:

''حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے نیچے نظر آرہا تھا۔ آپ نے کفار کو یہ منظر دکھا کر اُن سے ارشاد فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ، گواہ ہو جاؤ''۔

(بخاری جلد 2، صفحہ 721، 722، باب وانشق القمر)

اِن احادیث مبارکہ کے علاوہ اِس عظیم الشان معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُہ	قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور یہ
وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ	کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اِس سے منہ
یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّہ	پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو
(قمر)	ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے

اِس آیت کا صاف وصریح مطلب یہی ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا ہے۔ کیونکہ چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا جو علامات قیامت میں سے تھا، وہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا، مگر یہ واضح ترین اور فیصلہ کن معجزہ دیکھ کر بھی کفار مکہ مسلمان نہیں ہوئے، بلکہ ظالموں نے یہ کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم لوگوں پر جادو کر دیا اور اِس قسم کی جادو کی چیزیں تو ہمیشہ سے ہوتی ہی رہتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آیت مذکورہ کے بارے میں بعض اُن ملحدین کا جو معجزہ شق القمر کے منکر ہیں، یہ خیال ہے کہ اِس شق القمر سے مراد خاص قیامت کے دن چاند کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا

ہے جبکہ آسمان پھٹ جائے گا اور چاند ستارے جھڑ کر بکھر جائیں گے۔

مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ اِن ملحدوں کی یہ بکواس سراسر لغو اور بالکل ہی بے سروپا خرافات والی بات ہے کیونکہ اولاً تو اِس صورت میں کسی بلا قرینہ کے انشق (چاند پھٹ گیا) ماضی کے صیغہ کو ینشق (چاند پھٹ جائے گا) مستقبل کے معنی میں لینا پڑے گا جو بالکل ہی بلا ضرورت ہے، دوسرے یہ کہ چاند شق ہونے کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ یعنی شق القمر کی عظیم الشان نشانی کو دیکھ کر کفار نے یہ کہا کہ یہ جادو جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، ظاہر ہے کہ جب کفار مکہ نے شق القمر کا معجزہ دیکھا تو اِس کو جادو کہا۔ ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا اور چاند ستارے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جھڑ جائیں گے اور تمام انسان مر جائیں گے تو اُس وقت اِس کو جادو کہنے والا بھلا کون ہوگا؟ اِس لئے بلاشبہ یقیناً اِس آیت کے یہی معنی متعین ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا اور اِس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے اِس کو جادو کا کرتب بتایا۔

ایک سوال وجواب:

ہاں البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ جب مکہ میں ظاہر ہوا تو آخر یہ معجزہ دوسرے ممالک اور دوسرے شہروں میں کیوں نظر نہیں آیا؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے لوگوں نے بھی جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ اِس معجزہ کو دیکھا۔ چنانچہ حضرت مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ معجزہ دیکھ کر کفار مکہ نے کہا کہ ابو کبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) نے تم لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔ پھر اِن لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ باہر سے آنے والے لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ دیکھیں وہ لوگ اِس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ محمد ﷺ کا جادو تمام انسانوں پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ باہر سے آنے والے مسافروں نے بھی یہی گواہی دی کہ ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے۔

(شفاء قاضی عیاض جلد 1 صفحہ 183)

اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ دوسرے ممالک اور شہروں کے باشندوں نے اِس معجزہ کو نہیں دیکھا تو کسی چیز کو نہ دیکھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ چیز ہوئی ہی نہیں۔ آسمان پر روزانہ قسم قسم کے آثار نمودار ہوتے رہتے ہیں مثلاً رنگ برنگ کے بادل، قوس قزح، ستاروں کا ٹوٹنا، مگر یہ سب آثار اُنہی لوگوں کو نظر آتے ہیں جو اتفاق سے اُس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوں، دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آتے۔

اِسی طرح دوسرے ممالک اور شہروں میں یہ معجزہ نظر نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے بعض مقامات پر ایک ہی وقت میں چاند طلوع ہوتا ہے اور اُس وقت میں دوسرے شہروں کے اندر چاند کا طلوع ہی نہیں ہوتا۔ اِسی لئے جب چاند میں گرہن لگتا ہے تو تمام ممالک میں گرہن نظر نہیں آتا، اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے ممالک اور شہروں میں ابر یا پہاڑ وغیرہ کے حائل ہوجانے سے بھی کسی وقت چاند نظر نہیں آتا۔

اِس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں وہ نقشہ بعینہ نقل کردیں جو قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں تحریر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ میں ''معجزہ شق القمر'' واقع ہوا، اُس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے؟ اِس نقشہ کی ذمہ داری مصنف رحمۃ للعالمین کے اوپر ہے۔ ہم صرف نقل مطابق اصل ہونے کے ذمہ دار ہیں۔ اِن کی عبارت اور نقشہ حسب ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اِس سے بڑھ کر اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعہ رات کو 9 بجے وقوع پذیر ہوا تو اُس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے۔

نام ملک	گھنٹہ	منٹ	دن یا رات
ہندوستان	12	50	رات
ماریشش	11	20	رات
رومانیہ، بلگیریا، ترکی، یونان، جرمن	8	20	دن
لکسمبرگ، ڈنمارک، سویڈن	8	20	دن

آئس لینڈ، مڈیریا	5	20	دن
مشرقی برازیل	3	20	بعد نیم شب
متوسط برازیل و چلی	2	20	بعد نیم شب
برٹش کولمبیا	10	20	قبل دوپہر
لوگون	9	24	قبل دوپہر
برہما	1	50	بعد نیم شب
سمالی لینڈ، مڈغاسکر	10	20	رات
ریاست ہائے متحدہ ملایا	2	20	بعد نیم شب
جزائر سنڈ یک	7	50	دن
انگلستان، آئرلینڈ، فرانس، بلجیم، پرتگال، جبل الطارق، الجیریا	6	20	دن
پیرو، پنامہ، جمیکا، بھاہن، امریکہ	1	20	بعد نیم شب
سموا	6	20	دن
نیوزی لینڈ	6	50	صبح
تسمانیہ، وکٹوریہ، نیو ساؤتھ ویلز	5	22	صبح
جنوبی آسٹریلیا	4	50	صبح
جاپان، کوریا	4	20	بعد دوپہر
مغربی آسٹریلیا، شمالی بورینو، جزائر فلپائن، ہانگ کانگ، چین	3	20	بعد دوپہر

یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔
(رحمۃ للعالمین جلد 3، صفحہ 190)

سُورج پلٹ آیا:

حضور اقدس ﷺ کے آسمانی معجزات میں سورج پلٹ آنے کا معجزہ بھی بہت ہی عظیم الشان معجزہ اور صداقت نبوت کا ایک واضح ترین نشان ہے۔اِس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ''خیبر کے قریب ''منزل صہبا'' میں حضور اکرم ﷺ نماز عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر اقدس رکھ کر سو گئے اور آپ پر وحی نازل ہونے لگی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر اقدس کو اپنی آغوش میں لئے بیٹھے رہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر قضا ہوگئی تو آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ''یا اللہ! یقیناعلی اور تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے لہٰذا تو سورج کو واپس لوٹا دے تا کہ علی نماز عصر ادا کرلیں''۔

(زرقانی جلد 5 صفحہ 113، وشفاء جلد 1 صفحہ 185، مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 225)

اِس میں شک نہیں کہ بخاری کی روایتوں میں اِس معجزہ کا ذکر نہیں ہے لیکن یاد رکھیے کہ کسی حدیث کا بخاری میں نہ ہونا اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حدیث بالکل ہی بے اصل ہے۔امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔اُنہی حدیثوں میں سے چن کر اُنہوں نے بخاری شریف میں اگر مکررات ومعابعات کو شامل کر کے شمار کی جائیں تو صرف نو ہزار بیاسی حدیثیں لکھی ہیں۔اور اگر مکررات ومتابعات کو چھوڑ کر گنتی کی جائے تو کل حدیثوں کی تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ رہ جاتی ہے۔ (مقدمہ فتح الباری)

باقی حدیثیں جو حضرت امام بخاری کو زبانی یاد تھیں، ظاہر ہے کہ وہ بے اصل اور بے موضوع نہ ہوں گے بلکہ وہ بھی یقینی صحیح یا حسن ہی ہوں گی تو آخر وہ سب کہاں ہیں؟ اور کیا ہوئیں؟ تو اِس بارے میں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ دوسرے محدثین نے اُنہی حدیثوں اور کچھ دوسرے حدیثوں کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہوگا۔چنانچہ منزل صہبا میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر کے لئے سورج پلٹ آنے کی حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ حضرت امام ابوجعفر طحاوی، احمد بن صالح وامام طبرانی قاضی عیاض نے اِس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے اور امام طحاوی نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ امام احمد بن صالح، جو امام احمد بن حنبل کے ہم پلہ ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ روایت

عظیم ترین معجزہ اور علامات نبوت میں سے ہے۔لہٰذا اِس کو یاد رکھنے میں اہل علم کو پیچھے نہ رہنا چاہیے نہ غفلت برتنی چاہیے۔

(مدارج النبوہ جلد2 صفحہ 252)

بہر حال جن جن محدثین نے اِس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے،اُن کی ایک مختصر فہرست یہ ہے۔

نام محدث	نام کتاب	
1۔حضرت امام ابوجعفر طحاوی نے	مشکل آلاثار	میں
2۔حضرت امام حاکم نے	مستدرک	میں
3۔حضرت امام طبرانی نے	معجم کبیر	میں
4۔حضرت حافظ بن مردویہ نے	اپنی مرویات	میں
5۔حضرت حافظ ابوالبشر نے	الذریۃ الطاہرہ	میں
6۔حضرت قاضی عیاض نے	شفاء شریف	میں
7۔حضرت خطیب بغدادی نے	تلخیص المتشابہ	میں
8۔حضرت حافظ مغلطائی نے	الزہرا الباسم	میں
9۔حضرت علامہ عینی نے	عمدۃ القاری	میں
10۔حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے	کشف اللبس	میں
11۔حضرت علامہ ابن یوسف دمشقی نے	مزیل اللبس	میں
12۔حضرت شاہ ولی اللہ نے	ازالۃ الخفاء	میں
13۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے	مدارج النبوۃ	میں
14۔حضرت علامہ محمد بن عبدالباقی نے	زرقانی علی مواہب لدنیہ	میں
15۔حضرت علامہ قسطلانی نے	مواہب لدنیہ	میں

اِس پر علامہ ابن جوزی نے اپنی عادت کے موافق جو جرحیں کی ہیں اور اِس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔حضرت علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد7،صفحہ 146 میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ ابن جوزی کی جرحیں قابل التفات نہیں ہیں،حضرت امام ابو

جعفر طحاوی نے اِس حدیث کو سندیں لکھ کر فرمایا ہے کہ :ھٰذَااِنِ الْحَدِیْثَانِ ثَابِتَانِ وَرُ وَاتُھُمَاثِقَاتٌ......یعنی یہ دونوں روایتیں ثابت ہیں اور اِن کے راوی ثقہ ہیں۔
(شفاءشریف جلد1،صفحہ185)

اِسی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علامہ ابن جوزی کی جرحوں کو رد کردیا ہے اور اِس حدیث کے صحیح اور حَسَن ہونے کی پُرزور تائید فرمائی ہے۔

اِسی طرح ازالۃ الخفاء میں علامہ محمد بن یوسف دمشقی کی کتاب ''مزیل اللبس عن ردالشمس'' کی یہ عبارت منقول ہے کہ:

اعلم ان ھٰذا الحدیث رواہ الطحاوی فی کتابہ شرح مشکل الاثار عن اسماء بنت عمیس من طریقین و قال ھٰذاإن الحدیثان ثابتان و رواتھما ثقات ونقلہ القاضی عیاض فی الشفاء و الحافظ

تم جان لوکہ اِس حدیث کوامام طحاوی نے اپنی کتاب ''شرح مشکل الآثار میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور اِن دونوں کے روایت کرنے والے ثقہ ہیں اور اِس حدیث کو حافظ ابن سید الناس نے

اللّبیب والحافظ علاء الدّین مغلطائی فی کتابه الزهر الباسم و صححه ابو الفتح الازدی وحسنه ابو زرعته بن العراقی و شیخنا لحافظ جلال الدین السیوطی فی الدار لمنشرة فی الاحادیث المشتهرة و قال الحافظ احمد بن صالح وناھیک به لاینبغی لمن سبیله العلم التخلف عن حدیث اسماء لانه مٌن اجل علامات النبوة وقدانکر الحفاظ علی ابن الجوزی ایراده الحدیث فی کتاب الموضوعات

بشر اللبیب'' میں اور حافظ علاؤ الدین مغلطائی نے اپنی کتاب'' الزہراہم''میں نقل کیا ہے اور ابو الفتح آزادی نے اِس حدیث کو صحیح بتایااور ابو زرعہ عراقی اور ہمارے شیخ جلال الدین سیوطی نے''الدر المنتشرہ فی الاحادیث المشتہرہ میں اِس حدیث کو ''حسن''بتایا اور حافظ احمد بن صالح نے فرمایا کہ تم کو یہی کافی ہے اور علماء کو اِس حدیث سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ نبوت کے بہت بڑے معجزات میں سے ہے اور حدیث کے حفاظ نے اِس بات کو بُرا مانا ہے کہ''ابن جوزی'' نے اِس حدیث کو'' کتاب الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔

(التقریر المعقول فی فضل الصحابتہ واھل بیت الرسول صفحہ 88)

سورج ٹھر گیا:

حضور اقدس ﷺ کے آسمانی معجزات میں سے سورج پلٹ آنے کے معجزہ کی طرح سورج کا ٹھہر جانا بھی ایک بہت ہی عظیم معجزہ ہے جو معراج کی رات گزر کر دن میں وقوع پذیر ہوا۔چنانچہ یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ جب کفار قریش نے حضور اقدس ﷺ سے اپنے قافلہ کے حالات دریافت کئے جو ملک شام سے مکہ آرہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں، میں نے تمہارے قافلہ کو بیت المقدس کے راستہ میں دیکھا ہے اور وہ بدھ کے دن مکہ مکرمہ آجائے گا۔ چنانچہ قریش نے بدھ کے دن شہر سے باہر نکل کر اپنے قافلہ کی آمد کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔اُس وقت حضور اقدس ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دُعا مانگی

تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا دیا اور ایک گھڑی دن کو بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ وہ قافلہ آن پہنچا۔

(زرقانی جلد 5،صفحہ 116، وشفاء جلد 1،صفحہ 185)

واضح رہے کہ "حبس الشّمس" یعنی سورج کو ٹھہرا دینے کا معجزہ یہ حضور علیہ السلام ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین میں سے حضرت یوشع بن نوح علیہ السلام کے لئے بھی یہ معجزہ ظاہر ہو چکا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن وہ بیت المقدس میں قوم جبّارین سے جہاد فرما رہے تھے۔ ناگہاں سورج ڈوبنے لگا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر سورج غروب ہو گیا تو سنیچر کا دن آجائے گا اور سنیچر کے دن موسوی شریعت کے حکم کے مطابق جہاد نہ ہو سکے گا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک گھڑی تک سورج کو چلنے سے روک دیا یہاں تک کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام قوم جبّار پر فتح یاب ہو کر جہاد سے فارغ ہو گئے۔

(تفسیر جلالین سورہ مائدہ صفحہ 98، وتفسیر جمل جلد 1 صفحہ 480)

معراج شریف:

حضور اکرم ﷺ کے آسمانی معجزات میں سے معراج شریف کا واقعہ بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل اور ہماری دنیا سے بالکل ہی ماوراء اور عقل انسانی کے قیاس وگمان کی سرحدوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔

معراج کا دوسرا نام "اسرائ" بھی ہے۔ اسراء کے معنی رات کو چلانا یا رات کو لے جانا۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے واقعہ معراج کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے اِس لئے معراج کا نام "اسراء" پڑ گیا اور چونکہ حدیثوں میں معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے "عرج بی" (مجھ کو اوپر چڑھایا گیا) کا لفظ ارشاد فرمایا۔ اِس لئے اِس واقعہ کا نام "معراج" پڑا۔

احادیث وسیرت کی کتابوں میں اِس واقعہ کو بہت کثیر التعداد صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی نے 45 صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے جنہوں نے حدیث میں معراج کو روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنی کتاب "نورانی تقریریں" میں اِس کا کسی

قدر مفصل ذکر کر چکے ہیں۔

معراج کب ہوئی؟

معراج کی تاریخ، دن اور مہینہ میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔لیکن اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ معراج نزول وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا اور ابن قیتبہ دینوری (المتوفی 267ہجری اور ابن عبدالبر المتوفی 463 ہجری) اور امام رافعی وامام نووی نے تحریر فرمایا کہ واقعہ معراج رجب کے مہینے میں ہوا، اور محدث عبدالغنی مقدسی نے رجب کی ستائیسویں بھی متعین کردی ہے اور علامہ زرقانی نے تحریر فرمایا کہ لوگوں کا اِسی پر عمل ہے اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ سب سے زیادہ قوی روایت ہے۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 355تا3458)

معراج کتنی باراور کیسے ہوئی؟

جمہور علماء اُمت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم وروح کے ساتھ صرف ایک بار ہوئی ۔جمہور صحابہ وتابعین اور فقہاء محدثین نیز صوفیا کرام کا یہی مذہب ہے۔

چنانچہ علامہ ملا احمد جیون رحمتہ اللہ علیہ (اُستاد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ) نے تحریر فرمایا کہ:

و انا صُحّ اَنَہٗ کَانَ فِیْ الْیقظَۃِ بِجَسَدِہٖ مَعَ رَوْحِہٖ وَ عَلَیہ اَھْلِ النسۃ و الْجَمَاعَۃ فَمَن قَال اِنَّہٗ بِروحٍ فَقَطْ اَوْ فِیْ النَّوْمِ فَقَطْ فَمُبتَدِعَ ضَالٌ، مُضِلٌ، فَاسِقٌ (تغیرات احمدیه بنی اسرائیل ص 408

اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم وروح کیساتھ ہوئی یہی اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روحانی ہوئی یا معراج فقط خواب میں ہوئی وہ شخص بدعتی وگمراہ اور گمراہ کن فاسق ہے

دیدارِالٰہی:

کیا معراج میں حضور ﷺ نے خداوند تعالیٰ کو دیکھا؟ اِس مسئلہ میں صالحین کا اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض صحابہ کرام نے فرمایا کہ معراج میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اِن حضرات نے مَا کَذَبَ الْفُؤادُ مَارَاٰی کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ آپ نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا کہ اُن کے چھ سو پر تھے۔ اور بعض سلف مثلاً حضرت سعید بن جبیر تابعی نے اِس مسئلہ میں کہ دیکھا یا نہ دیکھا کچھ کہنے سے توقف فرمایا مگر صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک بہت بڑی جماعت نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

(شفاء جلد 1 صفحہ 120 تا 121)

چنانچہ عبداللہ بن الحارث نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت کعب ایک مجلس میں جمع ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ کوئی کچھ بھی کہتا ہے لیکن ہم بنی ہاشم کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت محمد ﷺ نے یقینا اپنے رب کو معراج میں دو مرتبہ دیکھا۔ یہ سن کر حضرت ابو کعب نے اِس زور کے ساتھ نعرہ مارا کہ پہاڑیاں گونج اُٹھیں اور فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا اور حضرت محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا۔

اِسی طرح حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ما کذب مارای کی تفسیر میں فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنے ربّ کو دیکھا۔ اِسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رَاَیتُ رَبِّی یعنی میں نے اپنے ربّ کو دیکھا۔

محدث عبدالرزاق ناقل ہیں کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اِس بات پر حلف اُٹھاتے تھے کہ یقینا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض متکلمین نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا۔ اور ابن اسحق ناقل ہیں کہ حاکم مدینہ مردان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ”جی

ہاں''۔

اِسی طرح نقاش نے حضرت امام احمد بن حنبل کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کا قائل ہوں کہ حضور ﷺ نے خدا کو دیکھا، اتنی دیر تک وہ دیکھا، کہتے رہے کہ اُن کی سانس ٹوٹ گئی۔

(شفاء جلد 1، صفحہ 119 تا 120)

صحیح بخاری میں حضرت اُنس سے شریک بن عبداللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے، اُس کے آخر میں ہے کہ:

حَتّٰی جَآءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰی وَ — حضور ﷺ سدرہ المنتہی پر تشریف لائے
دَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی — اور عزت والا جبار (اللہ تعالیٰ) یہاں تک
حَتّٰی کَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ — قریب ہوا اور نزدیک آیا کہ دو کمانوں یا اِس
اَدْنٰی۔ — سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

(بخاری جلد 2 صفحہ 1120، باب قوی اللہ والحکم اللہ۔ الخ)

بہرحال علماء اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور ﷺ نے شبِ معراج میں اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا دیدار کیا۔

اِس معاملہ میں روایت کے علاوہ ایک اور روایت بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی شان وشوکت اور آن بان کے ساتھ اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر بلایا اور خلوت گاہ راز میں ناز ونیاز کے کلاموں سے سرفراز بھی فرمایا۔ مگر اِن بے پناہ عنایتوں کے باوجود اپنے حبیب کو اپنا دیدار نہیں دکھایا اور حجاب فرمایا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو مزاج عشق ومحبت کے نزدیک مشکل ہی سے قابل قبول ہوسکتی ہے کیونکہ کوئی شاندار میزبان اپنے مہمان کو اپنی ملاقات سے محروم رکھے اور اُس کو اپنا دیدار نہ دکھائے، یہ عشق ومحبت کا ذوق رکھنے والوں کے نزدیک بہت ہی ناقابل فہم بات ہے۔ لہٰذا ہم عشق بازوں کا گروہ تو امام احمد بن حنبل کی طرح اپنی آخری سانس تک یہی کہتا رہے گا کہ

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب اللہ ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود
(اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

مختصر تذکرہ معراج:

معراج کی رات آپ کے گھر کی چھت کھلی اور ناگہاں جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آپ کو حرم کعبہ میں لے جا کر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب انور کو نکال کر آب زمزم سے دھویا۔ پھر ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ کے سینے کے اندر انڈیل کر شکم کا چاک برابر کر دیا۔ پھر آپ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اِس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اُس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو آپ نے اِس حلقہ میں باندھ دیا جس میں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے تمام انبیاء اور رسولوں کو جو وہاں حاضر تھے، دو رکعت نماز نفل جماعت سے پڑھائی۔ (تفسیر روح البیان جلد 5 صفحہ 112)

جب یہاں سے نکلے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کئے۔ آپ نے دودھ کا پیالہ اُٹھالیا۔ یہ دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اُٹھا لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو ساتھ لے کر آسمان پر چڑھے۔ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے، دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہ السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے، ملاقاتیں ہوئیں اور کچھ گفتگو بھی ہوئی، تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے اور ساتویں آسمان میں پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ وہ بیت المعمور پر پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ بوقت ملاقات ہر پیغمبر نے خوش آمدید! اے پیغمبر صالح کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ اِس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ اِس درخت پر جب نور الٰہی کا پرتو پڑا تو ایک دم اِس کی صورت بدل گئی اور اِس میں

رنگ برنگ کے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کی کیفیتوں کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہہ کر ٹھہر گئے کہ اب اِس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت حق جل جلالہٗ نے آپ کو عرش بلکہ عرش کے اوپر جہاں تک اُس نے چاہا، آپ کو باریابی فرمایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی، چنانچہ قرآن مجید میں فَاَوحی عبدہ مااوحی کے رمز و اشارہ میں اللہ تعالیٰ قدوس نے اِس حقیقت کو بیان فرما دیا ہے۔

بارگاہ الٰہی میں بے شمار عطیات کے علاوہ تین خاص انعامات مرحمت ہوئے ہیں جن کی عظمتوں کو اللہ و رسول کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

(1) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (2) یہ خوشخبری کہ آپ کی اُمت کا ہر وہ شخص جس نے شرک نہ کیا ہو، بخش دیا جائے گا (3) اُمت پر پچاس وقت کی نماز عائد۔

جب آپ اِن اللہ تعالیٰ کے عطیات کو لے کر واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی اُمت سے اِن پچاس نمازوں کا بار نہ اُٹھ سکے گا۔ لہٰذا آپ واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے چند بار آپ بارگاہ الٰہی میں آتے جاتے رہے اور عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ میرا قول بدل نہیں سکتا۔ اے محبوب! آپ کی اُمت کے لئے یہ پانچ نمازیں بھی پچاس ہوں گی۔ نمازیں تو پانچ ہوں گی مگر میں آپ کی اُمت کو اِن پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا اجر و ثواب عطا کروں گا۔

پھر آپ عالم ملکوت کی اچھی طرح سیر فرما کر اور آیا الٰہیہ کا معائنہ و مشاہدہ فرما کر آسمان سے زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ نے بیت المقدس سے مکہ مکرمہ تک تمام منزلوں اور قریش کے قافلہ کو بھی دیکھا۔ اِن تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام میں پہنچ کر چونکہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی تھا، سو گئے اور صبح کو بیدار ہوئے اور جب رات کے واقعات کا آپ نے قریش کے سامنے تذکرہ فرمایا تو

روسائے قریش کو سخت تعجب ہوا۔ یہاں تک کہ بعض کور باطنوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور بعض نے مختلف سوالات کئے۔ چونکہ اکثر روسائے قریش نے بار بار بیت المقدس کو دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور علیہ ﷺ کبھی بھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں اِس لئے امتحان کے طور پر اِن لوگوں نے آپ سے بیت المقدس کے درو دیوار، اُس کی محرابوں وغیرہ کے بارے میں سوالوں کی بوچھاڑ شروع کردی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ کی نگاہ نبوت کے سامنے بیت المقدس کی پوری عمارت کا نقشہ پیش فرمادیا چنانچہ کفار قریش آپ سے سوال کرتے تھے اور آپ عمارت کو دیکھ دیکھ کر اُن کے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جاتے تھے۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب الانبیاء، کتاب التوحید، باب المعراج وغیرہ، ومسلم باب المعراج وشفاء جلد 1 صفحہ 185، وتفسیر روح المعانی جلد 15، صفحہ 4یا10 وغیرہ کا خلاصہ)

سفر معراج کی سواریاں:

امام علائی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ معراج میں حضور علیہ ﷺ نے پانچ قسم کی سواریوں پر سفر فرمایا۔ مکہ سے بیت المقدس تک براق پر، بیت المقدس سے آسمان اول تک نور کی سیڑھیوں پر، آسمان اول سے ساتویں آسمان پر فرشتوں کے بازوؤں پر، آسمان سے سدرہ المنتہیٰ تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بازو پر، سدرہ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک رفرف پر۔ (تفسیر روح المعانی ج 15 ص 10)

سفر معراج کی منزلیں:

بیت المقدس سے مقام قاب قوسین تک پہنچنے میں آپ نے دس منزلوں میں قیام فرمایا اور ہر منزل پر کچھ گفتگو ہوئی اور بہت سی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ (1) آسمان اول (2) دوسرا آسمان (3) تیسرا آسمان (4) چوتھا آسمان (5) پانچواں آسمان (6) چھٹا آسمان (7) ساتواں آسمان (8) سدرہ المنتہیٰ (9) مقام مستویٰ، جہاں آپ نے قلم قدرت کے چلنے کی آوازیں سنیں (10) عرش عظیم۔

(تفسیر روح المعانی جلد 15 صفحہ 10)

بادل کٹ گیا:

حضرت اُنس بن مالک کا بیان ہے کہ عرب میں نہایت سخت قسم کا قحط پڑا ہوا تھا۔ اُس وقت جبکہ آپ خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو ایک اعرابی نے کھڑے ہوکر فریاد کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) بارشیں نہ ہونے سے جانور ہلاک اور بال بچے بھوک سے تباہ ہورہے ہیں لہٰذا آپ دعا فرمائیے۔ اِس وقت آسمان میں کہیں بدلی کا نام ونشان نہیں تھا مگر جوں ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اُٹھایا، ہرطرف سے پہاڑوں کی طرح بادل آکر چھا گئے اور ابھی آپ منبر پر سے اُترے بھی نہ تھے کہ بارش کے قطرات آپ کی داڑھی پر ٹپکنے لگے اور آٹھ دن تک مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ جب دوسرے جمعہ کو آپ خطبہ کے لئے منبر پر رونق افروز ہوئے تو وہی اعرابی یا کوئی دوسرا کھڑا ہوگیا اور بلند آواز میں فریاد کرنے لگا یہ یارسول اللہ ﷺ مکان منہدم ہوگئے اور مال مویشی غرق ہوگئے۔ لہٰذا دعا فرمائیے کہ بارش بند ہوجائے۔ یہ سن کر اپ نے پھر اپنا مقدس ہاتھ اُٹھا دیا اور یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ حَوَا لَیۡنَا وَ لاَ عَلَیۡنَا۔ اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو اور ہم پر نہ بارش ہو، پھر آپ نے بدلی کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا تو مدینہ کے اردگرد سے بادل کٹ کر چھنٹ گیا اور مدینہ اور اُس کے اطراف میں بارش بند ہوگئی۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 127 باب الاستسقاء فی الجمعہ)

ایک ضروری تبصرہ:

یہ چند آسمانی معجزات جو مذکور ہوئے، اِس بات کی دلیل ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی عطا کی ہوئی طاقت سے آسمانی کائنات میں بھی تصرف فرماتے ہیں بلکہ آپ کی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سلطنت کی حکمران زمین تک ہی محدود نہیں بلکہ آسمانی مخلوقات میں بھی آپ کی حکومت کا سکہ چلتا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں میں سے، اور دو وزیر زمین وآسمان میں سے ہوا کرتے ہیں اور میرے دونوں آسمانی وزیر" جبرائیل ومیکائل" ہیں اور میرے زمین کے دونوں وزیر ابوبکر وعمر ہیں۔ (مشکوٰۃ جلد 2 صفحہ 560، باب مناقب ابوبکر وعمر)

ظاہر ہے کہ کسی بادشاہ کے وزیر اُس کی سلطنت کی حدود ہی میں رہا کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں میں حضور ﷺ کی سلطنت اللہ داد نہ ہوتی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ومیکائل علیہ السلام آپ کے دو وزیروں کی حیثیت سے بھلا آسمانوں میں کس طرح مقیم رہے لہٰذا ثابت ہوا کہ شہنشاہ مدینہ ﷺ کی بادشاہی بہ عطاء الٰہی زمین وآسمان کی تمام مخلوقات پر ہے۔

صاحب رجعت شمس وشق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

قرآن مجید

رسول اعظم ﷺ کے معجزات میں سے قرآن مجید بھی ایک بہت ہی جلیل القدر معجزہ اور آپ کی صداقت نبوت کا ایک فیصلہ کن نشان ہے بلکہ اگر اِس کو "اعظم المعجزات" کہہ دیا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا انکشاف ہوگا جس کی پردہ پوشی ناممکن ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے دوسرے معجزات تو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوئے اور آپ کے زمانہ ہی کے لوگوں نے اِس کو دیکھا۔ مگر قرآن مجید آپ کا وہ عظیم الشان معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔

کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے فصحاء عرب کو قرآن مجید کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک بار اِس طرح چیلنج دیا کہ:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا	(اے محبوب!) فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان وجن اِس کام کیلئے جمع ہوجائیں کہ قرآن کا مثل لائیں تو نہ لاسکیں گے اگرچہ اُن کے بعض بعض کی مدد کریں۔

(بنی اسرائیل)

مگر کوئی بھی اِس اللہ تعالیٰ کے چیلنج کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوا۔ پھر قرآن مجید نے ایک بار اِس طرح چیلنج دیا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ مِثْلِه — یعنی اگر تم لوگ پورے قرآن کا مثل نہیں لا سکتے

(سورہ ہود)

تو قرآن مجید جیسی دس صورتیں بنا کر لاؤ۔مگر انتہائی جدوجہد کے باوجود یہ بھی نہ ہوسکا۔پھر قرآن مجید نے اِس طرح للکارا کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط (بقرہ)	(اے حبیب) آپ فرمادیجیے کہ اگرتم لوگوں کو اِس میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل فرمایا ہے تو تم اِس جیسی ایک ہی سورہ لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتیوں کو بلا لو۔اگر تم سچے ہو

اللہ اکبر! قرآن عظیم کی عظیم الشان معجزانہ فصاحت وبلاغت کا بول بالا تو دیکھو کہ عرب کے تمام وہ فصحاء وبلغاء جن کی فصیحانہ شعرگوئی اور خطیبانہ بلاغت کا چاردانگ عالم میں ڈنکا بج رہا تھا مگر وہ اپنی پوری پوری کوششوں کے باوجود قرآن مجید کی سورۃ کے مثل بھی کوئی کلام نہ لا سکے۔حد ہوگئی کہ قرآن مجید نے فصحاء عرب سے یہاں تک کہہ دیا کہ:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِه اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ (سورہ طور)

یعنی اگر کفار عرب سچے ہیں تو قرآن مجید جیسی کوئی ایک ہی بات لائیں۔الغرض چار چار مرتبہ قرآن مجید نے فصحاء عرب کو للکارا، چیلنج دیا۔جھنجھوڑا کہ وہ قرآن مجید کا مثل بنا کر لائیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ چودہ سو برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک کوئی شخص بھی اِس اللہ تعالیٰ کے چیلنج کو قبول نہ کرسکا،اور قرآن مجید کے مثل ایک سورۃ بھی بنا کر نہ لا سکا۔یہ آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ قرآن مجید خاتم النبیین ﷺ کا ایک لاثانی معجزہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی کرسکا ہے،نہ کوئی قیامت تک کرسکتا ہے۔

علم غیب

حضور اقدس ﷺ کے معجزات میں سے آپ کا ''علم غیب'' بھی ہے۔اِس

بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ علم غیب ذاتی تو اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں یعنی نبیوں اور رسولوں وغیرہ کو علم غیب عطا فرماتا ہے۔ یہ علم غیب عطائی کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ	(اللہ) عالم غیب ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (سورہ جن)

اِسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران)	اللہ کی شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بے شمار غیوب کا علم عطا فرمایا اور آپ نے ہزاروں غیب کی خبریں اپنی امت کو دیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ تو قرآن مجید میں ہے، باقی ہزاروں غیب کی خبروں کا احادیث کی کتابوں اور سیر و تواریخ کے دفتروں میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ۔ (هود)	یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

ہم یہاں اِن بے شمار غیب کی خبروں میں سے مثال کے طور پر چند کا ذکر کرتے ہیں۔ پہلے اِن چند غیب کی خبروں کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

غالب مغلوب ہوگا:

614 ہجری میں روم اور فارس کے دونوں بادشاہوں میں ایک جنگ شروع ہوئی۔ چھبیس ہزار یہودیوں نے بادشاہ فارس کے لشکر میں شامل ہوکر ساٹھ ہزار عیسائیوں کا قتل عام کیا یہاں تک کہ 616 ہجری میں بادشاہ فارس کی فتح ہوگئی اور بادشاہ روم کا لشکر بالکل ہی مغلوب ہوگیا اور رومی سلطنت کے پرزے پرزے اُڑ گئے۔ بادشاہ اہل روم اہل کتاب اور مذہباً عیسائی تھا اور بادشاہ فارس مجوسی مذہب کا

پابند اور آتش پرست تھا۔ اِس لئے بادشاہ اہل روم کی شکست سے مسلمانوں کو رنج وغم ہوا اور کفار کو انتہائی شادمانی ومسرت ہوئی۔ چنانچہ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا اور کہنے لگے کہ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو اور ہم اور اہل فارس بے کتاب ہیں۔جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر فتح یاب ہوکر غالب آگئے۔اِس طرح ہم بھی ایک دن تم لوگوں پر غالب آجائیں گے۔کفار کے اِن طعنوں سے مسلمانوں کو اور زیادہ رنج وصدمہ ہوا۔اُس وقت رومیوں کی یہ افسوس ناک حالت تھی کہ وہ اپنی مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے۔خزانہ خالی تھا۔فوج منتشر تھی۔ملک میں بغاوتوں کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔شہنشاہ روم بالکل نالائق تھا۔اِن حالات میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ روم فارس پر غالب آسکتا تھا مگر ایسے وقت میں نبی صادق نے قرآن مجید کی زبان سے کفار مکہ کو یہ پیش گوئی سنائی کہ:

الٓمٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ	رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور وہ
اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ	اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے
غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ	چند برسوں میں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صرف نو سال کے بعد خاص "صلح حدیبیہ" کے بادشاہ روم کا لشکر اہل فارس پر غالب آیا اور مخبر صادق کی یہ خبر غیب عالم وجود میں آگئی۔

ہجرت کے بعد قریش کی تباہی:

حضور اقدس ﷺ نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اور صحابہ کرام جس کسی مپرسی اور بے کسی کے عالم میں کچھ حبشہ، کچھ مدینہ چلے گئے تھے،اِن حالات کے پیش نظر بھلا کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ آسکتا تھا کہ یہ بے سروسامان اور غریب الدیار مسلمانوں کا قافلہ ایک دن مدینہ سے اتنا طاقتور ہوکر نکلے گا کہ وہ کفار قریش کی ناقابل تسخیر عسکری طاقت کو تہس نہس کر ڈالے گا۔جس سے کافروں کی عظمت وشوکت کا چراغ گل ہوجائے گا اور مسلمانوں کی جان کے دشمن مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک وبرباد ہوجائیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ علام الغیوب کا محبوب دانائے غیوب ﷺ ہجرت کے ایک سال پہلے ہی قرآن مجید پڑھ پڑھ کر اِس خبر غیب کا اعلان کر رہا تھا کہ:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل)	اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے تا کہ تم کو اِس سے نکال دیں۔تو وہ (اہل مکہ) تمہارے بعد بہت ہی کم مدت تک باقی رہیں گے۔

چنانچہ یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین نے کفار قریش کے سرداروں کا خاتمہ کردیا اور کفار مکہ کی لشکری طاقت کی جڑ کٹ گئی اور اُن کی شان وشوکت کا جنازہ نکل گیا۔

مسلمان ایک دن شہنشاہ ہوں گے:

ہجرت کے بعد کفار قریش جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو گئے اور بدر کی شکست کے بعد تو جذبہ انتقام نے اُن کو پاگل بنا ڈالا تھا۔تمام قبائل عرب کو اِن لوگوں نے جوش دلا دلا کر مسلمانوں پہ یلغار کردینے کے لئے تیار کردیا تھا۔چنانچہ مسلسل آٹھ برس تک خون ریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔جس میں مسلمانوں کو تنگ دستی، فاقہ مستی، قتل وخون ریزی، قسم قسم کی حوصلہ شکن مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لئے سکون میسر نہیں تھا۔مسلمان خوف وہراس کے عالم میں راتوں کو جاگ جاگ کر وقت گزارتے تھے اور رات رات بھر رحمت عالم کا شانہ نبوت کا پہرہ دیا کرتے تھے۔لیکن عین پریشانی اور بے سروسامانی کے ماحول میں دونوں جہان کے سلطان نے قرآن مجید کا یہ اعلان نشر فرمایا کہ مسلمانوں کو ''خلافت ارض'' یعنی دین ودیا کی شہنشاہی کا تاج پہنایا جائے گا۔چنانچہ غیب داں رسول نے اپنے دلکش اور شیریں لہجہ میں قرآن مجید کی اِن روح پرور اور ایمان افروز آتیوں کو علی اعلان تلاوت فرمانا شروع کردیا کہ:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ (سورہ نور)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔اللہ نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ اِن کو زمین کا خلفیہ بنائے گا۔جیسا کہ اِس نے اِن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا،اور جو دین اُن کیلئے پسند کیا ہے ،اُس کو مستحکم کردے گا اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

مسلمان جن نامساعد حالات اور پریشان کن ماحول کی کشمکش میں مبتلا تھے، اِن حالات میں خلافت ارض اور دین ودنیا کی شہنشاہی کی عظیم بشارت انتہائی حیرت ناک خبر تھی بلکہ کون تھا جو یہ سوچ سکتا تھا کہ مسلمانوں کا ایک مظلوم و بے کس گروہ جس کو کفار مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر کچل ڈالا تھا اور اُس نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ آ کر چند نیک بندوں کے زیر سایہ پناہ لی تھی اور اُس کو یہاں آ کر بھی سکون واطمینان کی نیند نصیب نہیں ہوئی تھی ،بھلا ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اِس گروہ کو ایسی شہنشاہی مل جائے گی کہ اللہ کے آسمان کے نیچے اور اللہ کی زمین پر اللہ کے سوا اِن کو کسی اور کا ڈر نہ ہوگا۔ بلکہ ساری دنیا کے جاہ وجلال سے ڈر کر لرزہ براندم رہے گی مگر ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بشارت پوری ہوئی اور اِن مسلمانوں نے شہنشاہ بن کر دنیا پر اِس طرح کامیاب حکومت کی کہ اُس کے سامنے دنیا کی تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا اور تمام سلاطین عالم کی سلطانی کے پرچم عظمت اسلام کی شہنشاہی کے آگے سرنگوں ہو گئے۔کیا اب بھی کسی کو اِس پیشن گوئی کی صداقت میں بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی شک وشبہ ہوسکتا ہے۔

فتح مکہ کی پیشن گوئی:

حضور اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ سے اِس طرح ہجرت فرمائی تھی کہ رات کی تاریکی میں اپنے یار غار کے ساتھ نکل کر غار ثور میں رونق افروز ہوئے۔آپ کی جان کے دشمنوں نے آپ کی تلاش میں سرزمین مکہ کے چپے چپے کو چھان مارا اور آپ اِن

دشمنوں کی نگاہوں سے چھپتے اور بچتے ہوئے غیر معروف راستوں سے مدینہ منورہ پہنچے۔اِن حالات میں بھلا کسی کے وہم وگمان میں بھی آسکتا تھا؟ کہ رات کی تاریکی میں چھپ کر روتے ہوئے اپنے پیارے وطن مکہ کو خیر باد کہنے والا رسول برحق ایک دن فاتح مکہ بن کر فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ شہر مکہ میں اپنی فتح مبین کا پرچم لہرائے گا اور اُس کے دشمنوں کی قاہر فوج اُس کے سامنے قیدی بن کر دست بستہ سر جھکائے لرزہ براندام کھڑی ہوگی۔مگر نبی غیب داں نے قرآن مجید کی زبان سے اِس پیشن گوئی کا اعلان فرمایا کہ:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ	جب اللہ کی مدد اور فتح (مکہ) آجائے اور
وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ	لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج
دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ	درفوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے ربّ کی ثناء
بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ	کرتے ہوئے اُس کی پاکی بولو،اور اِس سے
كَانَ تَوَّابًا (سورہ نصر)	بخشش چاہو۔بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

چنانچہ یہ پیشن گوئی حروف بہ حروف پوری ہوئی کہ 8ہجری میں مکہ فتح ہوگیا اور آپ فاتح مکہ ہونے کی حیثیت سے افواج الٰہی کے جاہ وجلال کے ساتھ مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہوئے اور کعبہ معظّمہ میں داخل ہوکر آپ نے دوگانہ ادا فرمایا اور اہل عرب فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔حالانکہ اِس سے قبل اِکا دُکا لوگ اسلام قبول کیا کرتے تھے۔

جنگ بدر میں فتح کا اعلان:

جنگ بدر میں جبکہ کل تین سو تیرہ مسلمان تھے جو بالکل ہی نہتے،کمزور اور بے سرو سامان تھے،بھلا کسی کے خیال میں بھی آسکتا تھا کہ اُن کے مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر جرار جس کے پاس ہتھیار اور عسکری طاقت کے تمام سامان واوزار موجود تھے،شکست کھا کر بھاگ جائے گا اور ستر مقتول اور ستر گرفتار ہوجائیں گے مگر جنگ بدر سے برسوں پہلے مکہ مکرمہ میں آیتیں نازل ہوئیں اور رسول برحق نے اقوام عالم کو کئی برس پہلے جنگ بدر میں اِس طرح اسلامی فتح مبین کی بشارت سنائی کہ:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ٥ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا٥ (فتح)

کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب متحد اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ لشکر عنقریب شکست کھا جائے گا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور اگر کفار تم (مسلمانوں) سے لڑیں گے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

یہودی مغلوب ہوں گے:

مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف کے یہودی قبائل بہت ہی مالدار، انتہائی جنگجو اور بہت بڑے جنگ باز تھے اور اُن کو اپنی لشکری طاقت پر بڑا گھمنڈ اور ناز تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کا حال سن کر اِن یہودیوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا تھا کہ قبائل قریش فنون جنگ سے ناواقف، اور بیڈھنگے تھے اِس لئے وہ جنگ ہار گئے۔ اگر مسلمانوں کو ہم جنگ بازوں اور بہادروں سے پالا پڑا تو مسلمانوں کو اِن کی چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا اور واقعی صورتحال ایسی ہی تھی کہ سمجھ میں نہیں آسکتا تھا کہ مٹھی بھر کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں سے قبائل یہود کا یہ مسلح و منظم لشکر بھی شکست کھا جائے گا۔ مگر اِس حال و ماحول میں غیب داں رسول نے قرآن مجید کی زبان سے اِس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا کہ:

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (آل عمران)

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اُن کے لئے یہ بہتر ہوتا۔ اُن میں کچھ ایماندار اور اکثر فاسق ہیں اور وہ تم (مسلمانوں) کو بجز تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر تم سے لڑیں تو یقیناً پشت پھیر دیں گے۔ پھر اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود کے قبائل میں سے بنو قریظہ قتل کر دیئے گئے اور بنو نضیر جلا وطن کر دیئے گئے اور خیبر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور باقی یہود ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

عہد نبوی کے بعد کی لڑائیاں:

قرآن مجید کی پیشن گوئیوں اور غیب کی خبریں صرف اُنہیں جنگوں کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں تھیں جو عہد نبوی میں ہوئیں بلکہ اِس کے بعد خلفاء کے دور خلافت میں عرب و عجم میں جو عظیم و خون ریز لڑائیاں ہوئیں، اُن کے متعلقین بھی قرآن مجید نے پہلے ہی پیشن گوئی کر دی تھی جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مسلمانوں کو روم اور ایران کی زبردست حکومتوں سے جو لڑائیاں لڑنا پڑیں وہ تاریخ اسلام کے بہت ہی زرّیں اور نمایاں واقعات ہیں مگر قرآن مجید نے برسوں پہلے اِن جنگوں کے نتائج کا اعلان ان لفظوں میں کر دیا تھا۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ	جہاد میں پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ	دو کہ عنقریب تم کو ایک سخت جنگجو قوم سے جنگ
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ۔	کرنے کیلئے بلایا جائے گا تم لوگ اُن سے لڑو گے
(فتح)	یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اِس پیشن گوئی کا ظہور اِس طرح ہوا کہ روم و ایران کی جنگجو اقوام سے مسلمانوں کو جنگ کرنی پڑی جس میں بعض جگہ خون ریز معرکے ہوئے اور بعض جگہ کے کفار نے اسلام قبول کر لیا، الغرض اِس قسم کی بہت سی غیب کی خبریں قرآن مجید میں مذکور ہیں جن کو غیب دان رسول نے واقعات کے واقع ہونے سے بہت پہلے اقوام عالم کے سامنے بیان فرما دیا اور یہ تمام غیب کی خبریں آفتاب کی طرح ظاہر ہو کر اہل عالم کے سامنے زبان حال سے اعلان کر رہی ہیں اور قیامت تک اعلان کرتی رہیں گی کہ

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

اسلامی فتوحات کی پیشن گوئیاں:

ابتداء اسلام میں مسلمان جن آلام ومصائب میں گرفتار اور جس بے سروسامانی کے عالم میں تھے، اُس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند نہتے، فاقہ کش اور بے سروسامان مسلمان قیصر وکسریٰ کی جابر حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیں گے لیکن غیب داں پیغمبر صادق نے اِس حالت میں پورے عزم ویقین کے ساتھ اپنی امت کو یہ بشارتیں دیں کہ اے مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ کو فتح کرو گے اور قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں تمہارے دست تصرف میں ہوں گے۔ مصر پر تمہاری حکومت کا پرچم لہرائے گا اور تم سے اور ترکوں سے جنگ ہوگی جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور چہرے چوڑے چوڑے ہوں گے اور اِن جنگوں میں تم کو فتح مبین حاصل ہوگی۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 504 تا 513 باب علامات النبوۃ)

تاریخ گواہ ہے کہ غیب دان نبی کی یہ سب غیب کی خبریں عالم ظہور میں آئیں۔

قیصر وکسریٰ کی بربادی:

عین اُس وقت جبکہ قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کے پرچم انتہائی جاہ وجلال کے ساتھ دنیا پر لہرا رہے تھے اور بظاہر اُنکی بربادی کا کوئی سامان نظر نہیں آرہا تھا مگر غیب دان نبی نے اپنی امت کو یہ غیب کی خبر سنائی کہ:

اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ وَلَتُنْفَقَنَّ کُنُوْزُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔	جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اسکے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اِسکے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ضرور اِن دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں (مسلمانوں کے ہاتھوں سے) خرچ کئے جائیں گے۔
(بخاری جلد 1 ص 11 باب 5 علامات النبوۃ)	

دنیا کا ہر مورخ اِس حقیقت کا گواہ ہے کہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم کے دور خلافت میں کسریٰ اور قیصر کی تباہی کے بعد نہ پھر کسی نے سلطنت فارس کا تاج خسروی دیکھا اور نہ رومی سلطنت کا روئے زمین پر کہیں وجود نظر آیا۔ کیوں نہ ہو کہ یہ غیب داں نبی صادق کی وہ غیب کی خبریں ہیں جو اللہ تعالیٰ علام الغیوب کی وحی سے آپ نے دی۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ غیب داں نبی کی خبریں بال کے کروڑویں حصہ کے

برابر بھی خلاف واقع ہوسکیں گی؟

یمن، شام، عراق فتح ہوں گے:

حضور اقدس ﷺ نے یمن وشام وعراق کے فتح ہونے سے پہلے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی تھی کہ:

> یمن فتح کیا جائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال اور متبعین کو لے کر (مدینہ سے) یمن چلے آئیں گے حالانکہ مدینہ ہی کا قیام اُن کے لئے بہتر تھا۔کاش وہ لوگ اِس بات کو جان لیتے''۔

پھر شام فتح کیا جائے گا تو ایک قوم اپنے گھر والوں اور اپنے پیروی کرنے والوں کو لے کر سواریوں ہنکاتے ہوئے (مدینہ سے) شام چلے جائیں گے۔
حالانکہ مدینہ ہی اُن کے لئے بہتر تھا۔کاش وہ لوگ اِس کو جان لیتے۔پھر عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنے گھر والوں اور جو اُن کا کہنا مانیں گے، اُن سب کو لے کر سواریوں کو ہنکاتے ہوئے (مدینہ سے) عراق چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ہی کی سکونت اُن کے لئے بہتر تھی۔کاش وہ اِن کو جان لیتے۔

(مسلم جلد 1 صفحہ 445، باب ترغیب الناس فی سکنی المدینہ)

یمن 8 ہجری میں فتح ہوا اور شام وعراق اِس کے بعد فتح ہوئے۔لیکن غیب جاننے والے مخبر صادق ﷺ نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبریں دے رکھی تھیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔

فتح مصر کی بشارت:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تم لوگ عنقریب مصر کو فتح کرو گے اور وہ ایسی زمین ہے جہاں کا سکہ'' قیراط'' کہلاتا ہے۔جب تم لوگ اِس کو فتح کرو تو اُس کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ تمہارے اور اُن کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ ہے (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ مصر کی تھیں جن کی اولاد میں سارا مصر ہے)۔

اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لئے دو آدمی جھگڑا کرتے ہوں۔ تو تم مصر سے نکل جانا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنی آنکھ سے مصر میں یہ دیکھا کہ عبدالرحمن بن شرجیل اور اُن کے بھائی ربیعہ ایک اینٹ بھر جگہ کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق مصر چھوڑ کر چلے آئے۔

(مسلم جلد 2 صفحہ 311 باب وصیۃ النبی ﷺ)

بیت المقدس کی فتح:

بیت المقدس کی فتح ہونے سے برسوں پہلے حضور اقدس ﷺ مخبر صادق نے غیب کی خبر دیتے ہوئے اپنی امت سے ارشاد فرمایا کہ:

قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن لو۔ (1) میری وفات (2) بیت المقدس کی فتح (3) پھر طاعون کی وبا (4) قدر مال کی کثرت ہوجائے گی کہ کسی آدمی کو سو دینار دینے پر بھی وہ خوش نہ ہوگا (5) ایک ایسا فتنہ اُٹھے گا کہ عرب کا کوئی گھر باقی نہیں رہے گا، جس میں فتنہ داخل نہ ہوگا (6) تمہارے اور رومیوں کے درمیان ایک صلح ہوگی اور رومی عہد شکنی کریں گے۔ وہ اسی جھنڈے کو لے کر تمہارے اوپر حملہ آور ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 450 باب مایحذر من الغدر)

خوفناک راستے پُر امن ہوجائیں گے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا تو ایک شخص نے آکر فاقہ کی شکایت کی پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اُس نے راستوں میں ڈاکہ زنی کا شکوہ کیا۔ یہ سُن کر شہنشاہ مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوگی تو تم یقیناً دیکھو گے کہ ایک پردہ نشین عورت اکیلی حیرہ سے چلی گی اور مکہ آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور اُس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی ڈر نہ ہوگا۔

حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا قبیلہ "طی" کے وہ ڈاکو جنہوں نے شہروں میں آگ لگا رکھی ہے، کہاں چلے جائیں گے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے لمبی عمر پائی تو یقیناً تم دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانوں کو مسلمان اپنے ہاتھوں سے کھولیں گے اور اے عدی! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ضرور ضرور دیکھو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر تلاش کرتا پھرے گا کہ کوئی اِس کے صدقہ کو قبول کرے مگر کوئی شخص نہیں آئے گا جو اِس کے صدقہ کو قبول کرے (کیونکہ ہر شخص کے پاس بکثرت مال ہوگا اور کوئی فقیر نہ ہوگا) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اے لوگو! یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ واقعی حیرہ سے ایک پردہ نشین اکیلی عورت طواف کعبہ کے لئے چلی آئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور میں خود اُن لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو کھول کر نکالا۔ یہ دو چیزیں تو میں نے دیکھ لیں۔ اے لوگو! اگر تم لوگوں کی عمریں دراز ہوئیں تو یقیناً تم لوگ تیسری چیز کو بھی دیکھ لو گے کہ کوئی فقیر نہیں ملے گا جو صدقہ قبول کرے۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 507 تا 508، باب علامات النبوۃ)۔

فاتح خیبر کون ہوگا:

جنگ خیبر کے دوران ایک غیب دان نبی نے یہ فرمایا کا کل میں اُس شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اُس سے محبت کرتے ہیں اور اُسی کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوگا۔ اِس خوشخبری کو سُن کر لشکر کے تمام مجاہدین نے اِس انتظار میں نہایت ہی بے قراری کے ساتھ رات گزاری کہ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جس کے سر اِس بشارت کا سہرا بندھتا ہے۔ صبح کو ہر مجاہد اِس اُمید پر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کہ شاید وہی اِس خوش نصیبی کا تاجدار بن جائے۔ ہر شخص گوش بر آواز تھا کہ ناگہاں شہنشاہ مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اُن کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ ارشاد فرمایا کہ قاصد بھیج کر اُنہیں بلاؤ۔ جب حضرت علی دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا کر دعا فرما دی جس سے فی الفور وہ

شفا یاب ہوگئے کہ گویا اُنہیں آشوب چشم ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر آپ نے اُن کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرمایا اور خیبر کا میدان اُسی دن اُن کے ہاتھوں سے سر ہوگیا۔

(بخاری جلد2 صفحہ 605، باب غزوہ خیبر)

اِس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے ایک دن قبل ہی یہ بتادیا کہ کل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو فتح کریں گے۔ مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا۔

تیس برس خلافت پھر بادشاہی:

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس برس تک خلافت رہے گی۔ اِس کے بعد بادشاہی ہوجائے گی۔ اِس حدیث کو سن کر حضرت سفینہ نے فرمایا کہ تم لوگ گن لو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت دو برس، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دس برس اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بارہ برس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چھ برس۔ یہ کل تیس برس ہوگئے۔ (مشکوٰۃ جلد2 صفحہ 462، کتاب الفتن)

70ھجری اور لڑکوں کی حکومت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ 70ہجری کے شروع اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگو۔

(مشکوٰۃ جلد2 صفحہ 323)

اِسی طرح حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس حدیث کو سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو اُن لڑکوں کا نام بتا سکتا ہوں اور وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بیٹے ہیں۔ (بخاری جلد1 صفحہ 509، باب علامات النبوۃ)

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ 70ہجری میں بنواُمیہ کے کم عمر حاکموں نے جو فتنے برپا کئے، واقعی یہ ایسے فتنے تھے جن سے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اِن واقعات کی برسوں پہلے ہی نبی برحق ﷺ نے خبر دی جو یقیناً غیب کی خبر ہے۔

ترکوں سے جنگ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اُس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم لوگ ایسی قوم سے نہ لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے اور جب تک تم لوگ ترک سے نہ لڑو گے جو چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہروں والے، چپٹی ناکوں والے ہوں گے۔اُن کے چہرے گویا ہتھوڑوں سے پٹی ہوئی ڈھالوں کی مانند (چوڑے چپٹے) ہوں گے اور اُن کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ تم لوگ ''جوز وکرمان'' کے عجمیوں سے جنگ کرو گے جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔

اور تیسری روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔وہ اہل ''بارز'' ہیں (یعنی صحراؤں اورمیدانوں میں رہنے والے ہیں)۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 507، باب علامات النبوۃ)

غیب دان نبی نے یہ خبریں اُس وقت دی تھیں جب اسلام ابھی پورے طرح زمین اعجاز میں نہیں پھیلا تھا۔مگر تاریخ گواہ ہے کہ مخبر صادق ﷺ کی یہ تمام پیشن گوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہوگئیں کہ مجاہدین اسلام کے لشکروں نے ترکوں اور صحراؤں میں رہنے والے بربریوں سے جہاد کیا اور اسلام کی فتح مبین ہوئی اور ترک اور بربری اقوام دامن اسلام میں آگئیں۔

ھندوستان میں مجاھدین

حضور اقدس ﷺ نے ہندوستان میں اسلام کے داخل ہونے اور غالب ہونے کی خوشخبری سناتے ہوئے یہ ارشادفرمایا کہ:

''میری اُمت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِن دونوں کو جہنم سے آزاد فرمادیا ہے۔ایک گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور ایک وہ گروہ جو حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ہم (مسلمانوں) سے ہندوستان میں جہاد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پالیا جب تو میں اِس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کردوں گا اور اگر میں اِس جہاد میں شہید ہوگیا تو میں بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر میں زندہ لوٹا تو میں دوزخ سے آزاد ہونے والا ابوہریرہ ہوں گا"۔ (نسائی جلد 2 صفحہ 63، باب غزوہ الہند)

امام نسائی نے 302 ہجری میں وفات پائی اور اُنہوں نے اپنی کتاب سلطان محمود غزنوی کے حملہ ہندوستان 392 ہجری سے تقریباً سو برس قبل تحریر فرمائی۔

تمام دنیا کے مورخین گواہ ہیں کہ غیب داں نبی نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان کے بارے میں سینکڑوں برس پہلے جس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا تھا وہ حرف بہ حرف پوری ہوکر رہی کہ محمد بن قاسم نے سرزمین سندھ ومکران پر جہاد فرمایا اور محمود غزنوی وشہاب الدین غوری نے ہندوستان کے سومنات و اجمیر شریف وغیرہ پر جہاد کرکے اِس ملک میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ یہاں تک کہ زمین ہند میں ناگا لینڈ کی پہاڑیوں سے کوہ ہندوکش تک اور راس کماری سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک اسلام کا پرچم لہرایا۔ حالانکہ مخبر صادق ﷺ نے یہ پیشن گوئی اُس وقت دی تھی جب اسلام سرزمین حجاز سے بھی آگے نہیں پہنچ پایا تھا۔ اِن غیب کی خبروں کو لفظ بہ لفظ پورا ہوتا ہوا دیکھ کر کون ہے جو غیب داں کے دربار میں اِس طرح نذرانہ عقیدت نہ پیش کرے گا۔

سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شے نہیں جو تجھ پر عیاں نہیں
(اعلیٰ حضرت بریلوی)

کون کہاں مرے گا:

جنگ بدر میں لڑائی سے پہلے ہی حضور اقدس ﷺ صحابہ کو لے کر میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور اپنی چھڑی سے لکیریں کھینچ کھینچ کر بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے۔ یہ ابوجہل کا مقتل ہے۔ اِس جگہ قریش کا فلاں سردار مارا جائے گا۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہر سردار قریش کے قتل ہونے کے لئے آپ نے جو جو جگہیں مقرر فرمادیں تھیں، اُسی جگہ اُس کافر کی لاش خاک وخون میں لتھڑی ہوئی پائی گئی۔

(مسلم جلد 2 صفحہ 102، غزوہ بدر)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کب ہوگی:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو اپنے پاس بلا کر اُن کے کان میں کوئی بات فرمائی تو وہ رونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اُن کے کان میں ایک اور بات کہی تو وہ ہنسیں لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ اُنہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اِس رونے ہنسنے کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہیں کرسکتی۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے دوبارہ دریافت کرنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنا نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے پہلی مرتبہ میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ میں اپنی اِسی بیماری سے وفات پا جاؤں گا۔ یہ سُن کر میں فرطِ غم سے رو پڑی۔ پھر فرمایا کہ اے فاطمہ! میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم دفات پا کر مجھے ملوگی۔ یہ سُن کر میں ہنس پڑی کہ حضور ﷺ سے میری جدائی کا زمانہ بہت ہی کم ہوگا۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 512)

اہل علم جانتے ہیں کہ یہ دونوں غیب کی خبریں حرف بہ حرف پوری ہوئیں کہ آپ نے اپنی اِسی بیماری میں وفات پائی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی صرف چھ مہینے کے بعد وفات پا کر حضور ﷺ سے جاملیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع:

جس سال حضور اقدس ﷺ نے اِس دنیا سے رحلت فرمائی، پہلے ہی سے آپ نے اپنی وفات کا اعلان فرمانا شروع کردیا۔ چنانچہ حجتہ الوادع سے پہلے ہی حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو اُن کے رخصت کرتے وقت آپ نے اُن سے فرمایا کہ اے معاذ! اِسکے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے جب تم واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔

(مسند احمد، امام احمد بن حنبل جلد 5، صفحہ 35)

اِسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ عرفات میں ایک لاکھ پچیس ہزار سے زائد مسلمانوں کا اجتماع عظیم تھا، آپ نے وہاں دورانِ خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ شاید آئند سال تم لوگ مجھ کو نہ پاؤ گے۔

اِسی طرح مرض وفات سے کچھ دنوں پہلے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا تھا کہ وہ چاہے تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرلے اور چاہے تو آخرت کی زندگی کو قبول کرلے۔ تو اِس بندے نے آخرت کو قبول کرلیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ آپ تو ایک بندے کے بارے میں یہ خبر دے رہے ہیں تو اِس پر حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے رونے کا کیا موقع ہے؟ مگر حضور اقدس ﷺ نے اِس کے چند ہی دنوں بعد وفات پائی تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ اختیار دیا ہوا بندہ حضور اقدس (ﷺ) ہی تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (کیونکہ اُنہوں نے ہم سب لوگوں سے پہلے جان لیا تھا کہ وہ اختیار دیا ہوا بندہ خود حضور اقدس ﷺ ہی ہیں)۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 419، باب قوال النبی ﷺ، سدرہ الابواب الخ)

حضرت عمر و عثمان شہید ہوں گے:

حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ ایک روز حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر اُحد کے پہاڑ پر چڑھے۔ اُس وقت پہاڑ ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے اُحد ٹھہر جا! اور یقین رکھ کہ تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو (عمر و عثمان) شہید ہیں۔ (بخاری جلد 1، صفحہ 519، باب فضل ابی بکر)

نبی اور صدیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سب کو معلوم ہوگیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔

حضرت عمار کو شہادت ملے گی:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

بیان ہے کہ حضرت عمار خندق کھود رہے تھے۔ اُس وقت حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر اپنا دست شفقت پھیر کر ارشاد فرمایا کہ افسوس! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ (مسلم جلد 2 صفحہ 395، باب الفتن)

یہ پیشن گوئی اِس طرح پوری ہوئی کہ عمار جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اور حضرت معاویہ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً حق پر تھے اور حضرت معاویہ کا گروہ یقیناً خطا کا مرتکب تھا لیکن چونکہ اِن لوگوں کی خطا اجتہادی تھی لہٰذا یہ لوگ گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں صحیح اور درست مسئلہ تک پہنچ گیا تو اُس کو دوگنا ثواب ملے گا اور اگر مجتہد نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی جب بھی اُس کو ثواب ملے گا۔

(حاشیہ بخاری بحوالہ کرمانی جلد 1 صفحہ 509، باب علامات النبوۃ)

اِس لئے حضرت معاویہ کی شان میں لعن طعن ہرگز ہرگز جائز نہیں کیونکہ بہت سے صحابہ کرام اِس جنگ میں حضرت معاویہ کے ساتھ تھے۔

پھر یہ بات بھی یہاں ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ مصری باغیوں کا گروہ جنہوں نے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر کے اُن کو شہید کر دیا تھا، یہ لوگ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت امیر معاویہ سے لڑ رہے تھے تو ممکن ہے کہ گھمسان کی جنگ میں اُنہی باغیوں کے ہاتھ سے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے ہوں۔ اِس صورت میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہوگا کہ ''افسوس اے عمار! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا'' اور اِس قتل کی ذمہ داری سے حضرت معاویہ کا دامن پاک رہے گا۔ واللہ وعلم۔

بہرحال حضرت امیر معاویہ کی شان میں لعن طعن کرنا رافضیوں کا مذہب ہے۔ حضرت اہل سنت کو اِس سے پرہیز کرنا لازم ضروری ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امتحان:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ

کے ایک باغ میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ کھلوا کر اندر آئے تو آپ نے اُن کو جنت کی بشارت دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو آپ نے اُن کو بھی جنت کی خوشخبری سنائی۔اِسی کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو آپ نے اُن کو جنت کی بشارت کے ساتھ ساتھ ایک امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہونے کی بھی اطلاع دی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر کی دعا مانگی اور یہ کہا کہ اللہ مددگار ہے۔ (مسلم جلد 2 صفحہ 277، فضائل عثمان)

حضرت علی کی شہادت:

حضرت علی اور بعض دوسرے صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بتادوں کہ سب سے بڑھ کر دو بدبخت انسان کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ (ﷺ)! بتائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک قوم ثمود کا سرخ رنگ والا وہ بدبخت جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا اور دوسرا وہ بد بخت انسان جو اے علی! تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔ (مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 140 تا 141، مطبوعہ حیدر آباد)

یہ غیب کی خبر اِس طرح ظہور پذیر ہوئی کہ 17 رمضان 40 ہجری کو عبدالرحمن بن ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تلوار سے قاتلانہ حملہ کیا جس سے زخمی ہو کر دو دن بعد حضرت علی شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاءؒ)

حضرت سعد کے لئے خوشخبری:

حضرت سعد بن ابی وقاص حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ جا کر اِس قدر شدید بیمار ہو گئے کہ اُن کو اپنی زندگی کی اُمید نہ رہی۔ اُن کو اِس بات کی بہت زیادہ بے چینی تھی کہ اگر میں مر گیا تو میری ہجرت نامکمل رہ جائے گی۔ حضور اکرم ﷺ اُن کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے اُن کی بے قراری دیکھ کر تسلی دی اور اُن کے لئے دعا بھی فرمائی اور یہ بشارت دی کہ اُمید ہے کہ تم ابھی نہیں مرو گے۔ بلکہ تمہاری زندگی لمبی ہوگی اور بہت سے لوگوں کو تم سے نفع اور بہت سے لوگوں کو تم سے نقصان پہنچے گا۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 383، کتاب الوصایا)

یہ حضرت سعد کے لئے فتوحات عجم کی بشارت تھی ۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی لشکر کا سپہ سالار بن کر ایران پر فوج کشی کی اور چند سالوں میں بڑے بڑے معرکوں کے بعد بادشاہ ایران کسریٰ کے تخت دتاج کو چھین لیا۔ اِس طرح مسلمانوں کو اُن کی ذات سے بڑا فائدہ اور کفار مجوس کو اُن کی ذات سے نقصان عظیم پہنچا۔ ایران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہوا اور اِس لڑائی کا نقشہ جنگ خود امیر المومنین نے ماہرین جنگ کے مشوروں سے تیار فرمایا تھا۔

حجاز کی آگ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حجاز کی زمین سے ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کے گردنیں نظر آئیں گی۔

(مسلم جلد 2، صفحہ 393، کتاب الفتن)

اِس غیب کی خبر کا ظہور 654ہجری میں ہوا۔ چنانچہ حضرت امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے اِس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا کہ یہ آگ ہمارے زمانے میں 654ہجری میں مدینہ کے اندر ظاہر ہوئی۔ یہ آگ اِس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی جانب سے لے کر ''حرہ'' کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اِس آگ کا حال ملک شام اور تمام شہروں میں تواتر کے طریقے پر معلوم ہوا ہے اور ہم سے اُس شخص نے بیان کیا جو اُس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ (شرح مسلم نوری جلد 2 صفحہ 393، کتاب الفتن)۔

اِسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ 3 جمادی الآخر 654ہجری کو مدینہ منورہ میں ناگہاں گھر گھراہٹ کی آواز سنائی دینے لگی ۔ پھر نہایت ہی زور دار زلزلہ آیا جس کے جھٹکے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دو دن تک محسوس کئے جاتے رہے۔ پھر بالکل اچانک قبیلہ قریظہ کے قریب پہاڑوں میں ایک ایسی خوفناک آگ نمودار ہوئی جس کے بلند شعلے مدینہ سے ایسے نظر آرہے تھے کہ گویا یہ آگ مدینہ منورہ کے گھروں میں لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ آگ بہتے ہوئے نالوں کی طرح

سیلاب کی مانند پھیلنے لگی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ پہاڑیاں آگ بن کر بہتی چلی جارہی ہیں اور پھر اِس کے شعلے اِس قدر بلند ہوگئے کہ آگ کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا اور آگ کے شرارے ہر چہار طرف فضاؤں میں اُڑنے لگے۔ یہاں تک کہ اِس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ سے نظر آنے لگی اور بہت سے لوگوں نے شہر بصریٰ میں رات کو اِسی آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنوں کو دیکھ لیا۔ اہل مدینہ آگ کے اِس ہولناک منظر سے لرزہ براندم ہوکر دہشت اور گھبراہٹ کے عالم میں توبہ اور استغفار کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کے روضہ اقدس کے پاس مجتمع ہوگئے۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک یہ آگ جلتی رہی اور پھر خود بخود رفتہ رفتہ اِس طرح بجھ گئی کہ اِس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 324)

فتنوں کے علمبردار:

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا جانتے ہوئے انجان بن رہے ہیں۔ واللہ دنیا کے خاتمہ تک جتنے فتنوں کے ایسے قائدین ہیں جن کے متبعین کی تعداد تین سو یا اِس سے زائد ہوں، اُن سب فتنوں کے علمبرداروں کا نام، اُن کے باپوں کا نام، اُن کے قبیلوں کا نام، رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو بتا دیا ہے۔ (ابوداؤ جلد 2، صفحہ 231، کتاب الفتن)

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے گمراہ ہوں اور فتنوں کے ہزاروں لاکھوں سرداروں اور علمبرداروں کے نام مع ولدیت وسکونت حضور اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بتایا دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔

قیامت تک کے واقعات:

مسلم شریف کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ ہم لوگوں کو نماز فجر پڑھا کر منبر پر تشریف لے گئے اور ہم لوگوں کو خطبہ سناتے رہے۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ پھر آپ نے منبر سے اُتر کر نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر خطبہ دینے میں مشغول ہوگئے۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا۔ اُس وقت آپ نے منبر سے اُتر نماز عصر

پڑھائی۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھانے لگے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اُس دن بھر کے خطبہ میں حضور اقدس ﷺ نے ہم لوگوں کو اُن تمام واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے تھے تو جس شخص نے جس قدر زیادہ اِس خطبہ کو یاد رکھا، وہ ہم صحابہ کرام میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد 2، صفحہ 543)

ضروری انتباہ:

مذکورہ بالا واقعات اُن ہزاروں واقعات میں سے صرف چند ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے غیب کی خبریں دی ہیں۔ بلاشبہ ہزاروں واقعات جو صحاح ستہ اور احادیث کی دوسری کتابوں میں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں، اُمت کو جھنجوڑ کر متنبہ کر رہے ہیں کہ اول سے ابد تک کے تمام علوم غیبیہ کے خزانوں کو علام الغیوب جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کے سینہ نبوت میں ودیعت فرمایا ہے لہٰذا ہر اُمتی کو یہ عقیدہ رکھنا لازمی اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن مجید کی مقدس تعلیم کا وہ عطر ہے جس سے اہل سنت کی دنیائے ایمان معطر ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ عالم جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ عَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ط وَ کَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡماً (13:4)

اللہ نے آپ کو ہر چیز کا علم عطا فرما دیا جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔

(اِس موضوع پر سیر حاصل بحث ہماری کتاب ''قرآنی تقریریں'' میں پڑھیے)

عالمِ جمادات کے معجزات

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضور شہنشاہ کونین ﷺ کے معجزات کی حکمرانی کا پرچم عالم کائنات کی تمام مخلوقات پر لہرا چکا ہے۔ چنانچہ چند آسمانی معجزات کا تذکرہ تو ہم تحریر کر چکے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر ظاہر ہونے والے بیشمار معجزات کی چند مثالیں بھی تحریر کر دی جائیں تاکہ ناظرین کے ذہنوں میں اس حقیقت کی بجلی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے کہ اللہ کی مخلوقات میں کوئی ایسا عالم نہیں جہاں

رحمت للعالمین ﷺ کے معجزات وتصرفات کی سلطنت کا سکہ نہ چلتا ہو۔

چٹان کا بکھر جانا:

غزوہ خندق کے بیان میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ

صحابہ کرام مدینہ کے چاروں طرف کفار کے حملوں سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے۔ اتفاق سے ایک بہت ہی سخت چٹان نکل آئی۔ صحابہ کرام نے اپنی اجتماعی طاقت سے ہر چند اس کو توڑنا چاہا مگر وہ کسی طرح نہ ٹوٹ سکی۔ پھاوڑے اس پر پڑ پڑ کر اُچٹ جاتے تھ جب لوگوں نے مجبور ہو کر خدمت اقدس میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ خود اٹھ کر تشریف لائے اور پھاوڑا ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریت کے بھرے بھرے سے ٹیلوں کی طرح چور ہو کر بکھیر گئی۔

(بخاری جلد 2، ص 588 خندق)

اشارہ سے بتوں کا گر جانا:

ہر شخص جانتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ فتح مکہ کے دن حضور اقدس ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اور آپ زبان اقدس سے یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۵

(81:17)

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ یقیناً باطل مٹنے ہی کے قابل تھا۔

آپ اپنی چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ فرماتے تھے وہ بغیر چھوئے ہوئے فقط اشارہ کرتے ہی دھم سے زمین پر گر پڑتا تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد 2، ص 390 و بخاری جلد 2، ص 614)

پہاڑوں کا سلام کرنا:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ

ایک مرتبہ میں حضور انوار ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو درخت اور پہاڑ بھی سامنے آتا ہے اس سے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" کی آواز آتی ہے اور میں خود اس آواز کو اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ (ترمذی جلد 2،ص 203 باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی)

اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ میں ایک پتھر ہے جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔ (ترمذی جلد 2،ص 203)

پہاڑ کا ہلنا:

بخاری شریف کی یہ روایت چند اوراق پہلے ہم تحریر کر چکے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ اپنے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو لے کر اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ (جوش مسرت میں) جھوم کر ہلنے لگا اس وقت آپ نے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر یہ فرمایا کہ "ٹھہر جا" اس وقت تیری پشت پر ایک پیغمبر ہے اور ایک صدیق ہے اور دو (حضرت عمر و حضرت عثمان) شہید ہیں۔ (بخاری جلد 1،ص 519 باب فضل ابی بکر)

مٹھی بھر خاک کا شاہکار:

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ جنگ حنین میں جب کفار نے حضور ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنی سواری سے اتر پڑے اور زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینکی اور "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" فرمایا تو کافروں کے لشکر میں کوئی ایک انسان بھی باقی نہیں رہا جس کی دونوں آنکھیں اسی مٹی سے نہ بھر گئی

ہوں۔ چنانچہ وہ سب اپنی اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور شکست کھا گئے اور حضور ﷺ نے ان کے اموال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔
(مشکوٰۃ جلد 2، ص 534 باب المعجزات)

اسی طرح ہجرت کی رات میں حضور ﷺ نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کافروں پر جب ایک مٹھی خاک پھینکی تو یہ مٹھی بھر مٹی تمام کافروں کے سروں پر پڑ گئی۔ (مدارج جلد 2، ص 57)

تبصرہ:

مذکورہ بالا پانچوں مستند واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات وتصرفات کی حکمرانی عالم جمادات پر بھی ہے اور عالم جمادات کی ہر ہر چیز جانتی پہچانتی اور مانتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور آپ کی اطاعت و فرماں برداری کو عالم جمادات کا ہر فرد اپنے لازم الایمان اور واجب العمل جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا اشارہ پا کر کنکریوں نے کلمہ پڑھا آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے اللہ کی تسبیح پڑھی۔ آپ کی دعا پر دیواروں نے ''آمین'' کہا۔
(دلائل النبوت وشفاء جلد 1، ص 201 تا 202)

عالم نباتات کے معجزات

خوشہ درخت سے اُتر پڑا:

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ

ایک اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کھجور کے درخت پر جو خوشہ لٹک رہا ہے اگر میں اس کو اپنے پاس بلاؤں اور وہ میرے پاس آجائے تو کیا تم میری نبوت پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا ہاں بے شک میں آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور آپ کو اللہ کا رسول مان لوں گا آپ

نے کھجور کے اس خوشہ کو بلایا تو وہ فوراً ہی چل کر درخت سے اترا اور آپ کے پاس آ گیا پھر آپ نے حکم دیا تو وہ واپس جا کر درخت میں اپنی جگہ پر پیوست ہو گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی فوراً ہی دامن اسلام میں آ گیا۔ (ترمذی جلد 2، ص 203 باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی الخ)

درخت چل کر آیا:

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے ایک اعرابی آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس اعرابی نے سوال کیا کہ کیا آپ کی نبوت پر کوئی گواہ بھی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ درخت جو میدان کے کنارے پر ہے میری نبوت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ آپ نے اس درخت کو بلایا اور وہ فوراً ہی زمین چیرتا ہوا اپنی جگہ سے چل کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گیا اور اس نے باآواز بلند تین مرتبہ آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ پھر آپ نے اس کو اشارہ فرمایا تو وہ درخت زمین پر چلتا ہوا اپنی جگہ پر چلا گیا۔

محدث بزار و امام بیہقی و امام بغوی نے اس حدیث میں یہ روایت بھی تحریر فرمائی ہے اس درخت نے بارگاہ اقدس میں آ کر ''**السلام علیک یا رسول اللہ**'' کہا اعرابی یہ معجزہ دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا اور جوش عقیدت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ یہ فرما کہ آپ نے اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے دست مبارک اور مقدس پاؤں کو بوسہ دوں آپ نے اس کو اس کی اجازت دے دی چنانچہ اس نے آپ کے مقدس ہاتھ اور مبارک پاؤں کو والہانہ عقیدت کے ساتھ چوم لیا۔

(زرقانی جلد 5، ص 128 تا 131)

اس طرح حضرت جابر کہتے ہیں کہ سفر میں ایک منزل پر حضور اقدس ﷺ

استنجاء فرمانے کے لئے میدان میں تشریف لے گئے۔ مگر کہیں کوئی آڑ کی جگہ نظر نہیں آئی ہاں البتہ اس میدان میں دو درخت نظر آئے جو ایک دوسرے سے کافی دوری پر تھے۔ آپ نے ایک درخت کی شاخ پکڑ کر چلنے کا حکم دیا تو وہ درخت اس طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا جس طرح مہار والا اونٹ مہار پکڑنے والے کے ساتھ چلنے لگتا ہے۔ پھر آپ نے دوسرے درخت کی ٹہنی تھام کر اس کو بھی چلنے کا اشارہ فرمایا تو وہ بھی چل پڑا اور دونوں درخت ایک دوسرے سے مل گئے اور آپ نے اس کی آڑ میں اپنی حاجت رفع فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا تو وہ دونوں درخت زمین چیرتے ہوئے چل پڑے اور اپنی اپنی جگہ پر پہنچ کر جا کھڑے ہوئے۔ (زرقانی جلد 5، ص 131 تا 132)

انتباہ:

یہی وہ معجزہ ہے جس کو حضرت علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ نے اپنے قصیدہ بردہ میں تحریر فرمایا کہ

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

یعنی آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے اور بلا قدم کے اپنی پنڈلی سے چلتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے نیز پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ دیندار بزرگوں، مثلاً علماء مشائخ کی تعظیم کے لئے ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت امام نووی نے اپنی کتاب ''اذکار'' میں اور ہم نے اپنی کتاب ''نوادر الحدیث'' میں اس مسئلہ کو مفصل تحریر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھڑی روشن ہو گئی:

حضرت انس کہتے ہیں کہ

> دو صحابی حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما اندھیری رات میں بہت دیر تک حضور ﷺ سے بات کرتے رہے۔ جب یہ دونوں بارگاہ رسالت سے اپنے گھروں کے لئے روانہ ہوئے تو ایک کی چھڑی ناگہاں خود بخود روشن ہو

گئی اور وہ دونوں اسی چھڑی کی روشنی میں چلتے رہے، جب کچھ دور چل کر دونوں کے گھروں کا راستہ الگ الگ ہوا تو دوسرے کی چھڑی بھی روشن ہوگئی اور دونوں اپنی اپنی چھڑیوں کی روشنی کے سہارے سخت اندھیری رات میں اپنے اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔

(مشکوٰۃ جلد 2، ص 544 بخاری جلد 1 ص 537)

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت قتادہ بن نعمان نے حضور ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی رات سخت اندھیری تھی اور آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ بوقت روانگی حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں درخت کی ایک شاخ عطاء فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم بلاخوف وخطر اپنے گھر جاؤ۔ یہ شاخ تمہارے ہاتھ میں ایسی روشن ہو جائے گی کہ دس آدمی تمہارے پیچھے اس کی روشنی میں چل سکیں اور جب تم گھر پہنچو گے تو ایک کالی چیز کو دیکھو گے اس کو مار کر گھر سے نکال دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جوں ہی حضرت قتادہ کاشانہ نبوت سے نکلے وہ شاخ روشن ہو گئی اور وہ اسی کی روشنی میں چل کر اپنے گھر پہنچ گئے اور دیکھا کہ وہاں ایک کالی چیز موجود ہے آپ نے فرمان نبوت کے مطابق اس کو مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔

(الکلام المبین فی آت رحمۃ للعالمین ص 116)

لکڑی کی تلوار:

جنگ بدر کے دن حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک درخت کی ٹہنی دے کر فرمایا کہ "تم اس سے جنگ کرو" وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں آتے ہی ایک نہایت نفیس اور بہترین تلوار بن گئی جس سے وہ عمر بھر لڑائیوں

میں جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں وہ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار جنگ اُحد کے دن ٹوٹ گئی تھی تو ان کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک کھجور کی شاخ دے کر ارشاد فرمایا کہ ''تم اس سے لڑو'' وہ حضرت عبداللہ بن جحش کے ہاتھ میں آتے ہی ایک براق تلوار بن گئی۔ حضرت عبداللہ بن جحش کی اس تلوار کا نام ''عرجون'' تھا۔ یہ خلفاء بنوالعباس کے دور حکومت تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ معتصم باللہ کے ایک امیر نے اس تلوار کو بائیس دینار میں خریدا اور حضرت عکاشہ کی تلوار کا نام ''عون'' تھا۔ یہ دونوں تلواریں حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کے تصرفات کی یادگار تھیں۔ (مدارج النبوۃ جلد 2، ص 123)

رونے والا ستون:

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہیں تھا۔ کھجور کے تنے کا ایک ستون تھا۔ اسی سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب ایک انصاری عورت نے ایک منبر بنوا کر مسجد نبوی میں رکھا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ ناگہاں اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی۔ یہ روایت حدیث کے مختلف ذوق کی بنا پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں۔ راویوں کا مقصود یہ ہے کہ درد فراق سے بلبلا کر اور بے قرار ہو کر ستون زار و زار رونے لگا اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ستون اس قدر زور زور سے رونے لگا کہ قریب تھا کہ جوش گریہ سے پھٹ جائے اور اس رونے کی آواز کو مسجد نبوی کے تمام مصلیوں نے اپنے کانوں سے سنا ستون کی گریہ وزاری کو سن کر حضور رحمۃ للعالمین ﷺ منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین دینے کے لئے اپنا مقدس ہاتھ رکھ دیا اور اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ تو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ جس طرح رونے والے بچے کو جب چپ کرایا جاتا ہے تو وہ ہچکیاں لے کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر جب آپ نے ستون کو اپنے سینہ سے چمٹا لیا تو وہ سکون پا کر خاموش ہو گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ستون کا یہ رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے اللہ کا ذکر سنتا تھا۔ اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

(بخاری جلد 1، ص 281 باب النجار وص 506 باب علامات النبوۃ)

اور حضرت بریدہ کی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے اس ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر یہ فرمایا کہ اے ستون! اگر تو چاہے تو میں تجھ کو پھر اس باغ میں تیری پہلی جگہ پر پہنچا دوں تاکہ تو پہلے کی طرح ہرا بھرا درخت ہو جائے اور ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے اور اگر تیری خواہش ہو تو میں تجھ کو باغ بہشت کا ایک درخت بنا دینے کے لئے اللہ سے دعا کردوں۔ تاکہ جنت میں اللہ کے اولیاء تیرا پھل کھاتے رہیں یہ سن کر ستون نے اتنی بلند آواز سے جواب دیا کہ آس پاس کے لوگوں نے بھی سن لیا۔ ستون کا جواب یہ تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! میری یہی تمنا ہے کہ میں جنت کا ایک درخت بنا دیا جاؤں تاکہ اللہ کے اولیاء میرا پھل کھاتے رہیں اور مجھے حیات جاودانی مل جائے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ستون! میں نے تیری اس آرزو کو منظور کرلیا۔ پھر آپ نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو۔ اس ستون نے دارالفناء کی زندگی کو ٹھکرا کر دارالبقاء کی حیات کو اختیار کرلیا۔ (شفاء شریف جلد 1، ص 200)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میں اس ستون کو اپنے سینہ سے نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا ہی رہتا۔

واضح رہے کہ گریہ ستون کا یہ معجزہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں گیارہ صحابیوں سے منقول ہے جن کے نام یہ ہیں۔ ((1 جابر بن عبداللہ ((2 ابی ابن کعب ((3 انس بن مالک ((4 عبداللہ بن عمر ((5 عبداللہ بن عباس ((6 سہل بن سعد ((7 ابوسعید خدری ((8 بریدہ ((9 ام سلمہ ((10 مطلب بن ابی وداعہ ((11 عائشہ۔ پھر دور صحابہ کے بعد بھی ہر زمانے میں راویوں کی ایک جماعت کثیر اس حدیث کو روایت کرتی

رہی۔ یہاں تک کہ علامہ قاضی عیاض اور علامہ تاج الدین سبکی نے فرمایا کہ اگر یہ ستون کی حدیث ''خبر متواتر'' ہے۔

(شفاء شریف جلد 1، ص 199 والکلام المبین ص 116)

اس ستون کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپ نے اس کو اپنے منبر سے نیچے دفن فرما دیا اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ آپ نے اس کو مسجد نبوی کی چھت میں لگا دیا اور ان دونوں روایتوں میں شارحین حدیث نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلے حضور ﷺ نے اس کو دفن فرما دیا۔ پھر اس خیال سے کہ یہ لوگوں کے قدموں سے پامال ہوگا۔ لہٰذا اس کو زمین سے نکال کر چھت میں لگا دیا۔ اس طرح زمین میں دفن کرنے اور چھت میں لگانے کی دونوں روایتوں دو وقتوں میں ہونے کے لحاظ سے دونوں درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حضور اقدس ﷺ کے بعد تعمیر جدید کے لئے مسجد نبوی منہدم کی گئی اور یہ ستون چھت سے نکالا گیا تو اس کو مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب نے ایک مقدس تبرک سمجھ کر اٹھا لیا اور اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہاں تک کہ یہ بالکل ہی کہنہ اور پرانا ہو کر چور چور ہو گیا۔

اس ستون کو دفن کرنے کے بارے میں علامہ زرقانی نے یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ

> اگرچہ یہ خشک لکڑی کا ایک ستون تھا۔ مگر یہ درجات و مراتب میں ایک مرد مومن کے مثل قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق و محبت میں رویا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا برتاؤ یہ ایمان والوں ہی کا خاصہ ہے۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
>
> (شفاء شریف جلد 1، ص 200 و زرقانی جلد 5، ص 138)

عالم حیوانات کے معجزات

جانوروں کا سجدہ کرنا:

احادیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ

ایک انصاری کا اونٹ بگڑ گیا تھا اور وہ کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ لوگوں کو کاٹنے کے لئے حملہ کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے حضور ﷺ کو مطلع کیا۔ آپ نے خود اس اونٹ کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کو روکا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ اونٹ لوگوں کو دوڑ کر کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''مجھے اس کا کوئی خوف نہیں ہے'' یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آکر اپنی گردن ڈال دی اور آپ کو سجدہ کیا آپ نے اس کے سر اور گردن پر اپنا دست شفقت پھیر دیا تو وہ بالکل ہی نرم پڑ گیا اور فرمانبردار ہو گیا اور آپ نے اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا۔ پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی ہر مخلوق جانتی اور مانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن جنوں اور انسانوں میں سے جو کفار ہیں۔ وہ میری نبوت کا اقرار نہیں کرتے صحابہ کرام نے اونٹ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم انسانوں کو تو سب سے پہلے آپ کو سجدہ کرنا چاہئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔

(زرقانی جلد 5، ص 140 تا 141 و مشکوٰۃ جلد 2، ص 540 باب المعجزات)

بارگاہ رسالت میں اونٹ کی فریاد:

ایک بار حضور اقدس ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ کھڑا ہوا زور زور سے چلا رہا تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو ایک دم بلبلانے لگا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر اپناہ دست شفقت پھیرا تو وہ تسلی پا کر بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا۔ آپ نے فوراً ان کو بلوایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضہ میں دے کر ان کو تمہارا محکوم بنا دیا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم ان جانوروں پر رحم کیا کرو تمہارے اس اونٹ نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے کر اس کو تکلیف دیتے ہو۔

(ابوداؤد جلد 1، ص 532 مجتبائی)

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا:

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں ایک نوعمر لڑکا تھا اور مکہ میں کافروں کے سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اتفاق سے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے! اگر تمہاری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہو تو ہمیں بھی دودھ پلاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں ان بکریوں کا مالک نہیں ہوں۔ بلکہ ان کا چرواہا ہونے کی حیثیت سے امین ہوں۔ میں بھلا بغیر مالک کی اجازت کے کس طرح ان بکریوں کا دودھ پلا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہاری بکریوں میں کوئی بچہ بھی ہے۔ میں نے کہا ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ۔ میں لے آیا۔

حضرت ابوبکر نے اس بچے کی ٹانگوں کو پکڑ لیا اور آپ نے اس کے تھن کو اپنا مقدس ہاتھ لگا دیا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا پھر ایک گہرے پتھر میں آپ نے اس کا دودھ دوہا۔ پہلے خود پیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو پلایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ کو بھی پلایا۔ پھر آپ نے اس بکری کے تھن میں ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے تھن! تو سمٹ جا چنانچہ فوراً ہی اس کا تھن سمٹ کر خشک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ

> میں اس معجزہ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ آپ پر آسمان سے جو کلام نازل ہوا ہے مجھے بھی سکھائیے آپ نے فرمایا تم ضرور سیکھو۔ تمہارے اندر سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی زبان مبارک سے سن کر قرآن مجید کی ستر سورتیں یاد کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام قبول کرنے میں اس معجزہ کا بہت بڑا دخل ہے۔
>
> (طبقات ابن سعد جلد 1، ص 122)

تبلیغ اسلام کرنے والا بھیڑیا:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو پکڑ لیا۔ لیکن بکریوں کے چرواہے نے بھیڑیے پر حملہ کر کے اس سے بکری کو چھین لیا۔

بھیڑیا بھاگ کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے چرواہے! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رزق دیا تھا مگر تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے یہ سن کر کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے آج سے زیادہ کبھی کوئی حیرت انگیز اور تعجب خیز منظر نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا عربی زبان میں مجھ سے کلام کرتا ہے۔ بھیڑیا کہنے لگا کہ اے چرواہے! اس سے کہیں زیادہ عجیب بات تو یہ ہے کہ تو یہاں بکریاں چرا رہا ہے اور تو اس نبی کو چھوڑے اور ان سے منہ موڑے ہوئے بیٹھا ہے جن سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ کوئی نبی نہیں آیا۔ اس وقت جنت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور تمام اہل جنت اس نبی کے ساتھیوں کی شان جہاد کا منظر دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور اس نبی کے درمیان بس ایک گھاٹی کا فاصلہ ہے کاش تو بھی اس نبی کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ کے لشکروں کا ایک سپاہی بن جاتا۔ چرواہے نے اس گفتگو سے متاثر ہو کر کہا کہ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو میری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیے نے جواب دیا کہ تیرے لوٹنے تک میں خود تیری بکریوں کی نگہبانی کروں گا۔ چنانچہ چرواہے نے اپنی بکریوں کو بھیڑیے کے سپرد کر دیا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور واقعی بھیڑیے کے کہنے کے مطابق اس نے نبی ﷺ کے اصحاب کو جہاد میں مصروف پایا پھر چرواہے نے بھیڑیے کے کلام کا حضور ﷺ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ تم اپنی سب بکریوں کو زندہ و سلامت پاؤ گے چنانچہ چرواہا جب لوٹا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بھیڑیا اس کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے اور اس کی کوئی بکری بھی ضائع نہیں ہوئی ہے چرواہے نے خوش ہو کر بھیڑیے کے لئے ایک بکری ذبح کر کے پیش کر دی اور بھیڑیا اس کو کھا کر چل دیا۔ (زرقانی جلد 5، ص 135 تا 136)

اعلان ایمان کرنے والی گواہ:

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی ناگہاں حضور اقدس ﷺ کی نورانی محفل کے پاس سے گزرا آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرماتے تھے یہ اعرابی جنگل سے ایک گوہ پکڑ کر لا رہا تھا۔ اعرابی نے آپ کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا کہ وہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں

اعرابی یہ سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے لات وعزیٰ کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک میری یہ گوہ آپ کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ یہ کہہ کر اس نے گوہ کو آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے گوہ کو پکارا تو اس نے ''لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ'' اتنی بلند آواز سے کہا کہ تمام حاضرین نے سن لیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تیرا معبود کون ہے؟ گوہ نے جواب دیا کہ میرا معبود وہ ہے کہ اس کا عرش آسمان میں ہے اور اس کی بادشاہی زمین میں ہے اور اس کی رحمت جنت میں ہے اور اس کا عذاب جہنم میں ہے پھر آپ نے پوچھا کہ اے گوہ! یہ بتا کہ میں کون ہوں؟ گوہ نے بلند آواز سے کہا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں جس نے آپ کو سچا مانا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ نامراد ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر اعرابی اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ میں جس وقت آپ کے پاس آیا تھا تو میری نظر میں روئے زمین پر آپ سے زیادہ ناپسند آدمی نہیں تھا لیکن اس وقت میرا یہ حال ہے کہ آپ میرے نزدیک میری اولاد بلکہ میری جان سے بھی پیارے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے لئے حمد ہے جس نے تجھ کو ایسے دین کی ہدایت دی جو ہمیشہ غالب رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہو گا۔ پھر آپ نے اس کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کی تعلیم دی۔ اعرابی قرآن کی ان دو سورتوں کو سن کر کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ، طویل و مختصر ہر قسم کے کلاموں کو سنا ہے مگر خدا کی قسم! میں نے آج تک اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک مفلس انسان ہے تم لوگ اس کی مالی امداد کر دو۔ یہ سن کر بہت سے لوگوں نے اس کو بہت کچھ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اس کو دس گابھن اونٹنیاں دیں۔ یہ اعرابی تمام مال و سامان کو ساتھ لے کر جب اپنے گھر کی طرف چلا تو راستے میں دیکھا کہ اس کی قوم بنی سلیم کے ایک ہزار سوار نیزہ اور تلوار لئے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کیلئے؟ اور کس ارادہ سے چلے ہو؟ سواروں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس شخص سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے اور ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ یہ سن کر اعرابی نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا اور اپنا

سارا واقعہ ان سواروں سے بیان کیا۔ ان سواروں نے جب اعرابی کی زبان سے اس کا ایمان افروز بیان سنا تو سب نے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ پھر سب کے سب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور انور ﷺ اس قدر تیزی کے ساتھ ان لوگوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے کہ آپ کی چادر آپ کے جسم اطہر سے گر پڑی اور یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم آپ کے حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ خالد بن ولید کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے رہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بنی سلیم کے سوا کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا جس کے ایک ہزار آدمی بیک وقت مسلمان ہوئے ہوں۔ اس حدیث کو طبرانی و بیہقی و حاکم و ابن عدی جیسے بڑے بڑے محدثین نے روایت کیا ہے۔

(زرقانی جلد 5، ص 148 تا 149)

انتباہ:

اس قسم کے سینکڑوں معجزات میں سے یہ چند واقعات اس بات کی سورج سے زیادہ روشن دلیلیں ہیں کہ روئے زمین کے تمام حیوانات حضور ﷺ کو جانتے پہچانتے اور مانتے ہیں کہ آپ نبی آخرالزمان، خاتم پیغمبراں ہیں اور یہ سب کے سب آپ کے مدح و ثنا کے خطیب اور آپ کی مقدس دعوت اسلام کے نقیب ہیں اور یہ سب آپ کے امر و نہی کی حکمرانی، آپ کے اقتدار و تصرفات کی سلطانی کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے ہر فرمان کو اپنے لئے واجب الایمان اور لازم العمل سمجھتے ہیں اور آپ کے اعزاز و اکرام اور آپ کی تعظیم و احترام کو اپنے لئے سرمایہ حیات تصور کرتے ہیں۔ کاش اس زمانے کے مسلم نما کلمہ پڑھنے پڑھانے والے انسان ان بے زبان جانوروں سے تعظیم و احترام رسول کا سبق سیکھتے اور دل و جان سے اس روشن حقیقت پر دھیان دیتے کہ

اپنے مولا کی ہے بس شان عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد، ہاں یہی چاہتی ہے ہرنی فریاد
اسی در پہ شتران ناشاد، گلہ رنج و عنا کرتے ہیں۔

(اعلیٰحضرت قدس سرہ)

عالم انسانیت کے معجزات

تھوڑی چیز زیادہ ہوگئی:

تمام دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ بہت ہی فقروفاقہ میں گزرا ہے کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان لوگوں کو کوئی چیز کھانے کیلئے نہیں ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ان فاقہ زدہ مسلمانوں کی نصرت و دستگیری نہ کرتا تو بھلا ان مفلس اور فاقہ مست مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان سے اترنے والے دستر خوان کی سات روٹیوں اور سات مچھلیوں سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ یقیناً یہ ان کا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے جس کا ذکر انجیل و قرآن دونوں مقدس آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے دست مبارک سے سینکڑوں مرتبہ اس قسم کی معجزانہ برکتوں کا ظہور ہوا کہ تھوڑا سا کھانا پانی سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کو شکم سیر اور سیراب کرنے کے لئے کافی ہوگیا۔ اس قسم کے سینکڑوں معجزات میں سے مندرجہ ذیل چند معجزات آپ کی معجزانہ تصرفات کی آیات بینات بن کر احادیث کی کتابوں میں اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آسمان پر اندھیری راتوں میں ستارے چمکتے اور جگمگاتے رہتے ہیں۔

ام سلیم کی روٹیاں:

ایک دن حضرت طلحہ اپنے گھر میں آئے اور اپنی بیوی حضرت ام سلیم سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے حضور ﷺ کی کمزور آواز سے یہ محسوس کیا کہ آپ بھوکے ہیں۔ ام سلیم نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ حضرت انس جب بارگاہ نبوت میں پہنچے تو آپ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا ابو طلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ''جی ہاں'' یہ سن کر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اٹھے اور حضرت طلحہ کے مکان پر تشریف لائے حضرت انس نے دوڑ کر بی بی ام سلیم کو یہ خبر دی کہ حضور ﷺ ایک جماعت کے ساتھ ہمارے گھر تشریف

لا رہے ہیں۔ حضرت طلحہ نے مکان سے نکل کر نہایت ہی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے تشریف لا کر حضرت بی بی ام سلیم سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ انہوں نے وہی چند روٹیاں پیش کر دیں جن کو حضرت انس کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ آپ کے حکم سے ان روٹیوں کا چورہ بنایا گیا اور حضرت بی بی ام سلیم نے اس چورہ کو بطور سالن کے گھی ڈال دیا۔ ان چند روٹیوں میں آپ کے معجزانہ تصرفات سے اس قدر برکت ہوئی کہ آپ دس دس آدمیوں کو مکان کے اندر بلا بلا کر کھلاتے رہے اور وہ لوگ خوب شکم سیر ہو کر کھاتے اور جاتے رہے یہاں تک کہ ستر یا اسی آدمیوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھالیا۔

(بخاری جلد 1، ص 505 علامات نبوت و بخاری جلد 2، ص 989)

حضرت جابر کی کھجوریں:

حضرت جابر کے والد یہودیوں کے قرضدار تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ حضرت جابر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

> یا رسول اللہ ﷺ! میرے والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر وفات پائی ہے اور کھجوروں کے سوا میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے باغ میں تشریف لے چلیں تا کہ آپ کے ادب سے یہودی اپنا قرض وصول کرنے میں مجھ پر سختی نہ کریں۔ چنانچہ آپ باغ میں تشریف لائے اور کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کے گرد چکر لگا کر دعا فرمائی اور خود کھجوروں میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرض داروں کی دی گئیں اتنی ہی بچی رہیں۔ (بخاری جلد 1، ص 505 علامات النبوۃ)

حضرت ابو ہریرہ کی تھیلی:

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے چند کھجوریں عطاء فرمائیں تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ

ﷺ! ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرما دیجئے۔ آپ نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے دعا برکت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ تم ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور تم جب چاہو ہاتھ ڈال کر اس میں سے نکالتے رہو۔ لیکن کبھی توشہ داں جھاڑ کر بالکل خالی نہ کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ تیس برس تک ان کھجوروں کو کھاتے اور کھلاتے رہے۔ بلکہ کئی من اس میں سے خیرات بھی کر چکے۔ مگر وہ ختم نہ ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ ہمیشہ اس تھیلی کو اپنی کمر سے باندھے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کی شہادت کے دن وہ تھیلی ان کی کمر سے کٹ کر کہیں گر گئی۔ (مشکوٰۃ جلد 2، ص 542 معجزات و ترمذی جلد 2، ص 224 مناقب ابو ہریرہ)

اس تھیلی کے ضائع ہونے کا حضرت ابو ہریرہ کو عمر بھر صدمہ اور افسوس رہا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان کی شہادت کے دن نہایت رقت انگیز اور درد بھرے لہجہ میں یہ شعر پڑھتے ہوئے چلتے پھرتے تھے کہ

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِیْ هَمَّانِ بَيْنَهُمُ

هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

لوگوں کے لئے ایک غم ہے اور میرے لئے دو غم ہیں۔ ایک تھیلی کا غم دوسرے شیخ عثمان کا غم۔

ام مالک کا کپہ:

حضرت ام مالک کے پاس ایک کپہ تھا جس میں وہ حضور نبی ﷺ کے پاس ہدیہ میں گھی بھیجا کرتی تھیں اس کپے میں اتنی عظیم برکتوں کا ظہور ہوا کہ جب بھی ام مالک ؓ کے بیٹے سالن مانگتے تھے اور گھر میں کوئی سالن نہیں ہوتا تھا تو وہ اس کپے میں سے گھی نکال کر اپنے بیٹوں کو دے دیا کرتی تھیں۔ ایک مدت دراز تک وہ ہمیشہ اس کپے میں سے گھی نکال نکال کر اپنے گھر کا سالن بنایا کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے اس کپے کو نچوڑ کر بالکل ہی خالی کر دیا جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کپے کو نچوڑ ڈالا؟ انہوں نے کہا کہ ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کپے کو نہ نچوڑتیں اور یوں ہی چھوڑ دیتیں تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلتا ہی

رہتا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد 2، ص 537 باب المعجزات)

بابرکت پیالہ:

حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس ایک پیالہ بھر کا کھانا تھا۔ ہم لوگ دس دس آدمی باری باری صبح سے شام تک اس میں سے لگا تار کھاتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایک ہی پیالہ تو کھانا تھا تو وہ کہاں سے بڑھتا رہتا تھا؟ (کہ لوگ اس قدر زیادہ تعداد میں دن بھر اس کو کھاتے رہے) تو انہوں نے آسمان کی طرف سے اشارہ کر کے کہا کہ ''وہاں سے''۔

(ترمذی جلد 2، ص 203 باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی ﷺ)

تھوڑا توشہ عظیم برکت:

حضور اقدس ﷺ چودہ سو اشخاص کی جماعت کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ صحابہ کرام نے بھوک سے بے تاب ہو کر سواری کی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ

> تمام لشکر والے اپنا اپنا توشہ ایک دستر خوان پر جمع کریں۔ چنانچہ جس کے پاس جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا تو تمام سامان اتنی جگہ میں آ گیا کہ جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی لیکن چودہ سو آدمیوں نے اس میں سے شکم سیر ہو کر کھا بھی لیا اور اپنے اپنے توشہ دانوں کو بھر بھی لیا۔ کھانے کے بعد آپ نے پانی مانگا۔ ایک صحابی ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے آپ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیا تو چودہ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔
>
> (مسلم جلد 2، ص 81 باب استحباب خلط الازواد)

برکت والی کلیجی:

ایک سفر میں حضور انور ﷺ کے ساتھ ایک سو تیس صحابہ کرام تھے۔ آپ نے

ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کے پاس کھانے کا سامان ہے؟ یہ سن کر ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک بہت تندرست لمبا چوڑا کافر بکریاں ہانکتا ہوا آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی اور ذبح کرنے کے بعد اس کی کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا۔ پھر ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک کا اس کلیجی میں سے ایک ایک بوٹی کاٹ کر حصہ لگایا۔ اگر وہ حاضر تھا تو اس کو عطاء فرمادیا اور اگر وہ غائب تھا تو اس کا حصہ چھپا کر رکھ دیا۔ جب گوشت تیار ہوا تو اس میں سے دو پیالہ بھر کر الگ رکھ دیا۔ پھر باقی گوشت اور ایک صاع آٹے کی روٹی سے ایک سو تیس آدمیوں کی جماعت شکم سیر کھا کر آسودہ ہوگئی اور دو پیالہ بھر کر گوشت بچ گیا جس کو اونٹ پر لاد دیا گیا۔ (بخاری جلد 2، ص 811 باب من اکل حتی شبع)

حضرت ابوہریرہ اور ایک پیالہ دودھ:

ایک دن حضرت ابو ہریرہ بھوک سے نڈھال ہو کر راستے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق سامنے سے گزرے تو ان سے انہوں نے قرآن کی ایک آیت کو دریافت کیا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ مجھے اپنے گھر لے جا کر کچھ کھلائیں گے۔ مگر انہوں نے راستے چلتے ہوئے آیت بتا دی اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمر اس راستہ سے نکلے۔ ان سے بھی انہوں نے ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ غرض وہی تھی کہ کچھ کھلا دیں گے۔ مگر وہ بھی آیت کا مطلب بتا کر چل دیئے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابو ہریرہ کا چہرہ کو دیکھ کر اپنی خداداد بصیرت سے جان لیا کہ "یہ بھوکے ہیں"۔ آپ نے انہیں پکارا انہوں نے جواب دیا اور ساتھ ہو لئے جب آپ کاشانہ نبوت میں پہنچے تو گھر میں دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ دیکھا۔ گھر والوں نے آپ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور تمام اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ایک ہی پیالہ تو دودھ ہے اس دودھ کا سب سے زیادہ حق دار تو میں تھا۔ اگر مجھے مل جاتا تو مجھ کو بھوک کی تکلیف سے کچھ راحت مل جاتی۔ اب دیکھئے اصحاب صفہ کے آجانے کے بعد بھلا اس میں سے مجھے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟ ان کے دل میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے۔ مگر اللہ و رسول کی اطاعت سے کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا وہ اصحاب صفہ کو بلا کر

لے گئے۔ یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ایک قطار میں بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ "تم خود ہی ان سب لوگوں کو یہ دودھ پلاؤ"۔ چنانچہ انہوں نے سب کو پلانا شروع کر دیا۔ جب سب کے سب شکم سیر پی کر سیراب ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست رحمت سے یہ پیالہ لے لیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اب صرف ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں آؤ بیٹھو اور تم پینا شروع کر دو۔ انہوں نے پیٹ بھر کر دودھ پی کر پیالہ رکھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ "اور پیو" چنانچہ انہوں نے پھر پیا۔ لیکن آپ بار بار فرماتے رہے کہ "اور پیو، اور پیو" یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

> یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب میرے پیٹ میں بالکل ہی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جتنا دودھ بچ گیا تھا۔ آپ بسم اللہ کر کے پی گئے۔
> (بخاری جلد 2، ص 955 تا 956 باب کیف کان عیش النبی)

یہی وہ معجزہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ

کیوں جناب بو ہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

شفاء امراض

آشوب چشم سے شفا:

ہم غزوہ خیبر کے بیان میں مفصل طور پر یہ معجزہ تحریر کر چکے ہیں کہ جب آپ نے فتح کا جھنڈا عطاء فرمانے کیلئے حضرت علی کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے اور مسند احمد بن حنبل کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ یہ آشوب چشم اتنا سخت تھا کہ حضرت سلمہ بن اکوع ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرما دی تو وہ فوراً ہی شفاء یاب ہو گئے اور ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں اور وہ اسی وقت جھنڈا لے کر روانہ ہو گئے اور جوش جہاد میں بھرے ہوئے انتہائی جانبازی کے ساتھ جنگ کی اور خیبر کا قلعہ ان کے دست حق پرست سے اسی دن فتح ہو گیا۔

(بخاری جلد 1، ص 525 مناقب علی بن ابی طالب)

سانپ کا زہر اتر گیا:

واقعہ ہجرت میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ جب غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا اور درد و کرب کی شدت سے بے تاب ہو کر رو پڑے تو آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی درد جاتا رہا اور سانپ کا زہر اتر گیا۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1، ص 339)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہو گئی:

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیق ؓ جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو اس کے کوٹھے کے زینے سے گر پڑے جس سے ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور ان کے ساتھی ان کو اٹھا کر بارگاہ نبوت میں لائے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کی زبان سے ابو رافع کے قتل کا سارا واقعہ سنا پھر ان کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر اپنا دست مبارک پھیر دیا تو فوراً ہی اچھی ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ ان کی ٹانگ میں کبھی کوئی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔

(بخاری جلد 2، ص 577 باب قتل ابی رافع)

تلوار کا زخم اچھا ہو گیا:

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا۔ وہ فوراً ہی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ان کے زخم پر تین بار دم کر دیا۔ پھر انہیں درد کی کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی۔ صرف زخم کا نشان رہ گیا تھا۔

(بخاری جلد 2، ص 605 غزوۂ خیبر)

اندھا بینا ہو گیا:

حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکالیف

بیان کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہوتو میں دعا کر دوں اور اگر چاہوں تو صبر کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اس نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میری بینائی کے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ ''خداوندا! اپنے رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے''۔ ترمذی اور حاکم کی روایات میں اتنا ہی مضمون ہے مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد بھی ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا تو فوراً ہی اچھا ہو گیا اور اس کی آنکھوں پر بھرپور روشنی آ گئی۔

(مسند ابن حنبل جلد 4، ص 138 و مستدرک جلد 1، ص 526)

گونگا بولنے لگا:

حجتہ الوداع کے موقع پر حضور انور ﷺ کی خدمت میں قبیلہ ''خشعم'' کی ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ میرا اکلوتا بیٹا بولتا نہیں ہے۔ آپ نے پانی طلب فرمایا اور اس میں ہاتھ دھو کر کلی فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ پانی اس بچے کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو۔ دوسرے سال وہ عورت آئی تو اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ اس کا لڑکا اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔

(ابن ماجہ ص 26 باب النشر ہ)

حضرت قتادہ کی آنکھ:

جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ میں ایک تیر لگا جس سے ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہ کر آ گئی۔ یہ دوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ نے فوراً ہی اپنے دست مبارک سے ان کی بہی ہوئی آنکھ کو آنکھ کے حلقہ میں رکھ کر اپنا مقدس ہاتھ پھیر دیا تو اسی وقت ان کی آنکھ اچھی ہو گئی اور یہ آنکھ ان کی دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور روشن رہی۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہاری آنکھ کو تمہارے حلقہ چشم میں رکھ دوں اور وہ اچھی ہو جائے اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہیں اس کے بدلے جنت ملے گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ

ﷺ! جنت بلاشبہ بہت ہی بڑی نعمت ہے مگر مجھے کانا ہونا بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے اس لئے میری آنکھ اچھی کر دیجئے اور میرے لئے جنت کی دعا بھی فرما دیجئے۔ حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کو اپنے اس جانثار پر پیار آگیا اور آپ نے ان کی آنکھ کو حلقہ چشم میں رکھ کر ہاتھ پھیر دیا تو ان کی آنکھ بھی اچھی ہوگئی اور ان کے لئے جنتی ہونے کی دعا بھی فرما دی اور یہ دونوں نعمتوں سے سرفراز ہو گئے۔ (الکلام المبین ص 78 بحوالہ بیہقی)

فائدہ:

یہ معجزہ بہت ہی مشہور ہے اور حضرت قتادہ بن نعمان کی اولاد میں ہمیشہ اس بات کا تفاخر رہا کہ ان کے جد اعلیٰ کی آنکھ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے اچھی ہوگئی۔ چنانچہ حضرت قتادہ بن نعمان کے پوتے حضرت عاصم جب خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کے دربار خلافت میں پہنچے تو انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا یہ قطعہ پڑھا کہ

اَنَا ابْنُ الَّذِیْ سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَیْنُہٗ
فَرُدَّتْ بِکَفِّ الْمُصْطَفٰی اَیَّمَا رَدِّ!
فَعَادَتْ کَمَا کَانَتْ لِاَوَّلِ اَمْرِھَا
فَیَا حُسْنَ مَا عَیْنٍ وَّیَا حُسْنَ مَارَدِّ

یعنی میں اس شخص کا بیٹا ہوں کہ جس کی آنکھ کے رخسار پر بہ آئی تھی تو حضرت مصطفی ﷺ کی ہتھیلی سے وہ اپنی جگہ پر کیا ہی اچھی طرح رکھ دی گئی۔ تو پھر وہ جیسی پہلے تھی ویسی ہی ہوگئی تو کیا ہی اچھی وہ آنکھ تھی اور کیا ہی اچھا حضور ﷺ کا اس آنکھ کو اس کی جگہ رکھنا تھا۔

(الکلام المبین ص 79)

قے میں کالا پلا گرہ:

ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر حضور رسالت مآب ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ

یارسول اللہ ﷺ! میرے اس بچے پر صبح وشام جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ آپ نے اس بچے کو سینے پر اپنا دست رحمت پھیر دیا اور دعا دی تو اس بچے کو ایک زوردار قے ہوئی اور ایک کالے رنگ کا (کتے کا) پلا گرا جو دوڑتا پھر رہا تھا اور بچہ شفایاب ہو گیا۔ (مشکوۃ جلد 2، ص 541 معجزات)

جنون اچھا ہو گیا:

حضرت یعلی بن مرہ کا بیان ہے کہ

میں نے ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے تین معجزات دیکھے پہلا معجزہ یہ ہے کہ ایک اونٹ کو دیکھا کہ اس نے بلبلا کر اپنی گردن آپ کے سامنے ڈال دی۔ آپ نے اس اونٹ کے مالک کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس اونٹ نے کام کی زیادتی اور خوراک کی کمی کا مجھ سے شکوہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ

ایک منزل میں آپ سو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت چل کر آیا اور آپ کو ڈھانپ لیا۔ پھر لوٹ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے اور میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درخت نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ مجھے سلام کرے تو خدا نے اس کو اجازت دے دی اور وہ میرے سلام کے لئے آیا تھا۔

تیسرا معجزہ یہ کہ

ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی جو جنون کا مریض تھا تو نبی ﷺ نے اس بچے کے نتھنے کو پکڑ کر فرمایا کہ "نکل جا کیونکہ میں محمد رسول اللہ ہوں" پھر ہم وہاں سے چل پڑے اور جب

واپسی میں ہم اس جگہ پہنچے اور آپ نے اس عورت سے اس کے بچے کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد سے اس بچے کو کوئی تکلیف ہوتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ جلد 2، ص 540 معجزات)

جلا ہوا بچہ اچھا ہو گیا:

محمد بن حاطب ایک صحابی ہیں یہ بچپن میں اپنی ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے۔ ان کی ماں ان کو لے کر خدمت اقدس میں آئیں تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان پر مل کر دعا فرمادی۔ محمد بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ میں بچے کو لے کر وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم بالکل ہی اچھا ہو گیا۔
(مسند ابن حنبل جلد 4، ص 259 و خصائص کبریٰ جلد 2، ص 69)

مرض نسیان دور ہو گیا:

تغیر الفاظ اور چند جملوں کی کمی بیشی کے ساتھ بخاری شریف کی متعدد روایتوں میں اس معجزہ کا ذکر ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے پھیلائی۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس چادر پر ڈالا پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد سے پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری جلد 1، ص 22 باب حفظ العلم)

مقبولیتِ دعا

یہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بالکل ناگہاں عادت جاریہ کے خلاف کسی غیر متوقع بات کا ظاہر ہو جانا اس کا بھی معجزات ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بڑی بڑی

مشکلات کو حل فرما دیتا ہے اور قسم قسم کی بلائیں ٹل جاتی ہیں اور بہت سی غیر متوقع چیزیں ظہور میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے معجزات میں سے آپ کی دعاؤں کی مقبولیت بھی ہے کہ آپ نے جب بھی مشکلات یا طلب حاجات کے وقت خدا کی امداد غیبی کا سہارا ڈھونڈتے ہوئے دعائیں مانگیں تو ہر موقع پر حق تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کے لئے مقبولیت کا دروازہ کھول دیا اور آپ کی دعاؤں سے ایسی ایسی خلاف متوقع چیزیں عالم وجود میں آگئیں کہ جن کو معجزات کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ان میں سے چند معجزات کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

قریش پر قحط کا عذاب:

جب کفار قریش حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب پر بے پناہ مظالم ڈھانے لگے۔ جو ضبط و برداشت سے باہر تھے تو آپ نے ان شریروں کی سرکشی کا علاج کرنے کے لئے ان لوگوں کے حق میں قحط کی دعا فرما دی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر قحط کا ایسا عذاب شدید بھیجا کہ اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے بے تاب ہو کر مردار جانوروں کی ہڈیاں اور سوکھے چمڑے ابال ابال کر کھانے لگے بالآخر اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور ان کے حضور میں اپنی فریاد پیش کریں۔ چنانچہ ابوسفیان بحالت کفر چند روسائے قریش کو ساتھ لے کر آپ کے آستانہ رحمت پر حاضر ہوئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ تمہاری قوم برباد ہو گئی۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ قحط کا عذاب ٹل جائے۔ آپ کو ان کی بے قراری اور گریہ زاری پر رحم آگیا۔ چنانچہ آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے فوراً ہی آپ کی دعا مقبول ہوئی اور اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ سارا عرب سیراب ہو گیا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔

(بخاری جلد 1، ص 137 ابواب الاستسقاء و بخاری جلد 2، ص 714 تفسیر سورۂ دخان)

سرداران قریش کی ہلاکت:

ایک مرتبہ حضور ﷺ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار قریش کے چند سرکش شریروں نے بحالت نماز آپ کی مقدس گردن پر ایک اونٹ کی اوجھڑی لا کر ڈال دی اور خوب زور زور سے ہنسنے لگے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گرنے لگے

حضرت فاطمہ نے آکر اس اوجھڑی کو آپ کی پشت اطہر سے ہٹایا۔ جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا تو ان شریروں کے نام لے لے کر نام بنام یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! تو ان سبھوں کو اپنی گرفت میں پکڑلے۔ چنانچہ یہ سب کے سب جنگ بدر میں انتہائی ذلت کے ساتھ قتل ہو کر ہلاک ہو گئے۔ (بخاری جلد 2، ص 565 غزوہ بدر)

مدینہ کی آب و ہوا اچھی ہو گئی:

پہلے مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی وہاں قسم قسم کی وباؤں کا اثر تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے اور بیماری کی حالت میں اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے درد لہجے میں اشعار پڑھا کرتے تھے آپ نے ان لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر یہ دعا فرمائی کہ

الٰہی مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کر دے جیسا کہ مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ الٰہی ! ہمارے ''صاع'' اور ''مد'' میں برکت دے اور مدینہ کو ہمارے لئے صحت بخش بنادے اور یہاں کے بخار کو ''جحفہ'' میں منتقل کر دے۔

آپ کی دعا حرف بہ حرف مقبول ہوئی اور مہاجرین کو شہر مدینہ سے ایسی الفت اور والہانہ محبت ہو گئی کہ وہی حضرت ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما جو چند روز پہلے مدینہ کی بیماریوں سے گھبرا اٹھے تھے اور اپنے وطن مکہ کی یاد میں خون رلانے والے اشعار گایا کرتے تھے اب مدینہ کے ایسے عاشق بن گئے کہ پھر کبھی بھول کر بھی مکہ کی سکونت کا نام نہیں لیا اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں دکھلا دیا کہ مدینہ کی وبائیں مدینہ سے دفع ہو گئیں اور مدینہ کی آب و ہوا صحت بخش ہو گئی۔ (بخاری جلد 1، ص 558 باب مقدم النبی ﷺ و بخاری جلد 2، ص 1042 باب المراۃ السوداء)

ام حرام کے لئے دعا شہادت:

ایک روز حضور ﷺ حضرت بی بی ام حرام کے مکان میں کھانے کے بعد قیلولہ فرما رہے تھے کہ ناگہاں ہنستے ہوئے نیند سے بیدار ہوئے۔ حضرت بی بی ام حرام نے ہنسی کی وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں مجاہدین کا ایک گروہ میرے

سامنے پیش کیا گیا جو جہاد کی غرض سے دریا میں کشتیوں پر اس طرح بیٹھا ہوا سفر کرے گا جس طرح تخت پر بادشاہ بیٹھے رہا کرتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمادیجئے کہ میں بھی ان مجاہدین کے گروہ میں شامل رہوں۔ آپ نے دعا فرمادی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں جب بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بی بی ام حرام بھی مجاہدین کی اس جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں اور دریا سے نکل کر جب خشکی پر آئیں تو سواری سے گر کر شہادت کا شرف حاصل کیا۔ (بخاری جلد 2، ص 1036 باب الرویا بالنہار)

ستر برس کا جوان:

حضرت ابو قتادہ صحابی کے حق میں حضور ﷺ نے یہ دعا فرمادی کہ

اَفْلَحَ وَجْھُکَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَہٗ فِیْ شَعْرِہٖ وَبَشَرِہٖ۔

ترجمہ: یعنی فلاں والا ہو جائے تیرا چہرہ یا اللہ اس کے بال اور اس کی کھال میں برکت دے۔

حضرت ابو قتادہ نے ستر برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ مگر ان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ نہ بدن میں جھریاں پڑی تھیں۔ چہرے پر جوانی کی ایسی رونق تھی کہ گویا ابھی پندرہ برس کے جوان ہیں۔ (الکلام المبین ص 68 بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی)

برکت اولاد کی دعا:

حضرت ابو طلحہ کی بیوی حضرت ام سلیم بڑی ہوشمند اور حضور ﷺ کی نہایت ہی جان نثار تھیں۔ ان کا بچہ بیمار ہو گیا اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچے کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ نے بچے کو الگ مکان میں لٹا دیا اور جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مکان میں داخل ہوئے اور بیوی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اس کا سانس ٹھہر گیا اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام پا گیا ہے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ وہ اچھا ہے۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے لیکن صبح کو جب غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز فجر کے لئے جانے لگے تو بیوی نے بچے کی موت کا حال سنا دیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رات کا سارا ماجرا

بارگاہ نبوت میں عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ خداوند تعالیٰ تمہاری آج کی رات میں برکت عطاء فرمائے گا۔ چنانچہ اس رات کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد ظاہر ہوئی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ پیدا ہوئے اور حضور اقدس ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور عجوہ کھجور کو چبا کر ان کے منہ میں ڈالا اور ان کے چہرے پر اپنا دست رحمت پھرا دیا اور عبداللہ نام رکھا۔

ایک انصاری حضرت عبایہ بن رفاعہ کا بیان ہے کہ

> دعائے نبوی کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہ کی نو اولادوں کو دیکھا جو سب کے سب قرآن مجید کے قاری تھے۔
> (مسلم جلد 2، ص 292 باب فضائل ام سلیم و بخاری جلد 1، ص 174 باب من لم یظہر حزنہ عند المصیبۃ)

حضرت جریر کے حق میں دعا:

حضرت جریر بن عبداللہ صحابی گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو ''ذوالخلصہ'' کے بت خانہ کو توڑنے کے لئے بھیجنا چاہا تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور یہ دعا فرمائی کہ ''یا اللہ اس کو گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی قوت عطاء فرما'' اور اس کو ہادی و مہدی بنا۔ اس کے بعد حضرت جریرہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قبیلہ احمس کے ایک سو پچاس سواروں کا لشکر لے کر گئے اور اس بت خانہ کو توڑ پھوڑ کر جلا ڈالا اور مزاحمت کرنے والے کفار کو بھی قتل کر ڈالا جب واپس آئے تو حضور ﷺ نے ان کے لئے اور قبیلہ احمس کے حق میں دعا فرمائی۔

(مسلم جلد 2، ص 297 فضائل جریر)

قبیلہ دوس کا اسلام:

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! قبیلہ دوس نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا آپ اس قبیلہ کی ہلاکت کے لئے دعا فرما دیجئے۔ لوگوں نے آپس میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب آپ کی دعا ہلاکت سے یہ قبیلہ ہلاک ہو جائے

گا لیکن رحمت عالم ﷺ نے قبیلہ دوس کے لئے یہ رحمت بھری دعا فرمائی کہ
''الٰہی! تو قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لا''۔
رحمۃ للعالمین ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ پورا قبیلہ مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو گیا۔ (مسلم جلد 2، ص 307 باب فضائل غفار و دوس وغیرہ)

ایک متکبر کا انجام:

حضور اقدس ﷺ کے سامنے ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانے لگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ'' اس نے غرور سے کہا کہ ''میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا'' چونکہ اس مغرور نے گھمنڈ سے ایسا کہا تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ''خدا کرے ایسا ہی ہو''۔ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔

(مسلم جلد 2، ص 172 باب آداب الطعام)

مردے زندہ ہو گئے

خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دینا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک بہت ہی مشہور معجزہ ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جامع بنایا ہے اس لئے آپ کو بھی اس معجزہ کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے چند معجزات احادیث و سیرت نبویہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

لڑکی قبر سے نکل آئی:

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لا سکتا جب تک کہ میری مردہ بچی زندہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ اس نے اپنی لڑکی کی قبر دکھا دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا۔ تو اس لڑکی نے قبر سے نکل کر جواب دیا کہ اے حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوں۔ پھر آپ نے اس لڑکی سے فرمایا کہ ''کیا تم پھر دنیا میں لوٹ کر آنا پسند کرتی ہو''۔ لڑکی نے جواب دیا کہ ''نہیں یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ مہربان اور آخرت کو دنیا سے

بہتر پایا"۔ (زرقانی علی المواہب جلد 5، ص 182 وشفاء جلد 1، ص 211)

پکی ہوئی بکری زندہ ہو گئی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور روٹیوں کا چورہ کر کے ثرید بنایا اور اس کو بارگاہ نبوت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام نے اس کو تناول فرمایا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضور رحمت عالم ﷺ نے تمام ہڈیوں کو ایک برتن میں جمع فرمایا اور ان ہڈیوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ کلمات ارشاد فرمائے تو یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ بکری زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور دم ہلانے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے جابر! تم اپنی بکری اپنے گھر لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جب اس بکری کو لے کر مکان میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے آ گئی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے اپنی اس بکری کو رسول اللہ علیہ وسلم کیلئے ذبح کیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس بکری کو زندہ فرما دیا۔ یہ سن کر ان کی بیوی نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔

اس حدیث کو جلیل القدر محدث ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور مشہور حافظ الحدیث محمد بن المنذر نے بھی "کتاب العجائب و الغرائب" میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 5، ص 184 وخصائص کبریٰ جلد 3، ص 67)

عالم جنات کے معجزات

جن نے اسلام کی ترغیب دلائی:

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک جن میرا تابع ہو گیا ہے۔ وہ آئندہ کی خبریں مجھے دیا کرتا تھا اور لوگوں کو وہ خبریں بتا کر نذرانے وصول کیا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے مجھے آ کر جگایا اور کہا کہ اٹھ اور ہوش میں آ۔ اگر تجھ میں شعور ہے تو چل اور بنی ہاشم کے سردار کے دربار میں حاضر ہو کر ان کا دیدار کر جو لوی بن غالب کی اولاد میں پیغمبر ہو کر تشریف لائے ہیں حضرت سواد بن قارب کہتے ہیں کہ مسلسل تین

راتیں ایسی گزریں کہ میرا یہ جن مجھے نیند سے جگا جگا کر برابر یہی کہتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے دل میں اسلام کی الفت و محبت پیدا ہو گئی اور میں اپنے گھر سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر ''خوش آمدید'' کہا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ کس سبب سے تم یہاں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے پہلے آپ اس کو سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ پڑھو، چنانچہ میں نے اپنا قصیدہ بائیہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں نظم کیا تھا پڑھ کر رحمتِ عالم ﷺ کو سنایا اس قصیدہ کا آخری شعر یہ ہے کہ

وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَاذُوْ شَفَاعَةٍ
سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِبْنِ قَارِبٍ

یعنی آپ اس دن میرے شفیع بن جائیے جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کی نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہو گا۔ نہ کوئی نفع پہنچانے والا ہو گا اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔ (الکلام المبین ص 87 بحوالہ بیہقی)

جنوں کا سلام و پیغام:

ابن سعد نے جعد بن قیس مرادی سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی حج کا ارادہ کر کے اپنے وطن سے روانہ ہوئے یمن کے ایک جنگل میں ہم لوگ چل رہے تھے کہ ناگہاں اشعار پڑھنے کی آواز آئی ہم نے ان اشعار کو غور سے سنا تو ان کا مضمون یہ تھا کہ اے سوارو! جب تم لوگ زمزم اور حطیم پر پہنچو تو حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں ہمارا سلام عرض کر دینا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور ہمارا یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ ہم آپ کے دین کے فرمانبردار ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے ہم لوگوں کو اس بات کی وصیت فرمائی تھی۔ یقینا یہ یمن کے جنگل میں رہنے والے جنوں کی آواز تھی۔ (الکلام المبین ص 93 بحوالہ ابن سعد)

جن سانپ کی شکل میں آیا:

خطیب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ ہم لگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے

کہ بالکل ہی اچانک ایک بہت بڑے کالے سانپ نے آپ کی طرف رخ کیا لوگوں نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس آنے دو۔ جب یہ آپ کے پاس پہنچا تو اپنا سر آپ کے کانوں کے پاس کر دیا۔ پھر آپ نے اس سانپ کے منہ کے قریب اپنا منہ کر کے چپکے چپکے کچھ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد اسی جگہ یکبارگی وہ سانپ اس طرح غائب ہو گیا کہ گویا زمین اس کو نگل گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ نے سانپ کو اپنے کانوں تک پہنچنے دیا۔ یہ منظر دیکھ کر ہم لوگ ڈر گئے کہ کہیں یہ سانپ آپ کو کاٹ نہ لے آپ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا۔ بلکہ جنوں کی جماعت کا بھیجا ہوا ایک جن تھا۔ فلاں سورہ میں سے کچھ آیتیں یہ بھول گیا۔ ان آیتوں کو دریافت کرنے کے لئے جنوں نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا میں نے اس کو وہ آیتیں بتا دیں اور وہ ان کو یاد کرتا ہوا چلا گیا۔ (الکلام المبین ص 94)

عناصر اربعہ کے عالم میں معجزات

انگشت مبارک کی نہریں:

احادیث کی تلاش و جستجو سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئی ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

6 ھ میں رسول اکرم ﷺ عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے میدان میں اتر پڑے۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک ہو گیا اور حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے محتاج ہو گئے اس وقت رحمت عالم ﷺ کے دریائے رحمت کو جوش آ گیا اور آپ نے بڑے پیالے میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی مبارک انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو کا لشکر سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے وضو غسل بھی کیا جانوروں کو بھی پلایا، تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی بھر لیا۔ آپ نے پیالہ میں سے دست مبارک کو اٹھا لیا اور پانی ختم ہو گیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس

وقت تم لوگ کتنے آدمی تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔ مگر پانی اس قدر زیادہ تھا کہ لَوْ کُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَکَفَانَا۔

(مشکوٰۃ جلد 2،ص 532 باب المعجزات)

اگر ہم لوگ ایک لاکھ بھی ہوتے تو سب کو یہ پانی کافی ہو جاتا۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس و حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایتوں سے بھی انگلیوں سے پانی کی نہریں جاری ہونے کی حدیثیں مروی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ (بخاری جلد 1،ص 505,504 علامات النبوۃ)

سبحان اللہ! اس حسین منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

زمین نے لاش کو ٹھکرا دیا:

ایک نصرانی مسلمان ہو کر دربار نبوت میں رہنے لگا، سورۃ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ چکا تھا خوشخط کاتب تھا۔ اس لئے اس کو وحی لکھنے کی خدمت سپرد کی گئی۔ مگر یہ بدنصیب پھر کافر و مرتد ہو کر کفار سے جاملا اور کہنے لگا کہ نبی ﷺ بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا میں ان کو لکھ کر دے دیا کرتا تھا۔ قہر الٰہی نے اس گستاخ کو اپنی گرفت میں پکڑ لیا اور یہ مر گیا۔ نصرانیوں نے اس کو دفن کیا مگر زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ نصرانیوں نے گہری قبر کھود کر تین مرتبہ اس کو دفن کیا مگر ہر مرتبہ زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ نصرانیوں نے بھی اس بات کا یقین کر لیا کہ اس کی لاش کو زمین کے باہر نکال پھینکنا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے اس لئے ان لوگوں نے اس کو لاش کو زمین پر ڈال دیا۔ (بخاری جلد 1،ص 511 علامات النبوۃ)

جنگ خندق کی آندھی:

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ اُھْلِکَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (بخاری جلد 2،ص 589 غزوۂ خندق)

ترجمہ: یعنی پروا ہوا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کی گئی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ خندق میں قبائل قریش و غطفان اور قریظہ و بنی النضیر کے یہود اور دوسرے مشرکین نے متحدہ افواج کے دل بادل لشکروں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی اور مسلمانوں نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر ان افواج کے حملوں سے پناہ لی تو ان شیطانی لشکروں نے مدینہ کا ایسا سخت محاصرہ کرلیا کہ مدینہ کے اندر مدینہ کے باہر سے ایک گیہوں کا دانہ اور ایک قطرہ پانی کا جانا محال ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام ان مصائب و شدائد سے گو پریشان حال تھے۔ مگر ان کے جوش ایمانی کے استقلال میں بال برابر فرق نہیں آیا تھا۔ ٹھیک اس حالت میں نبی اکرم ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ پورب کی طرف سے ایک ایسی زوردار آندھی ہوئی جس میں کڑاکے کا جاڑا بھی تھا اور اس میں اس شدت کے جھونکے اور جھٹکے تھے کہ گرد و غبار کا بادل چھا گیا کفار کی آنکھیں دھول اور کنکریوں سے بھر گئیں۔ ان کے چولہوں کی آگ بجھ گئی اور بڑی بڑی دیگیں چولہوں سے الٹ پلٹ کر دور تک لڑھکتی ہوئی چلی گئیں۔ خیموں کی میخیں اکھڑ گئی اور خیمے اڑ اڑ کر پھٹ گئے۔ گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرا کر لڑنے لگے۔ غرض یہ آندھی کفار کے لئے ایک ایسا عذاب شدید بن کر ان پر مسلط ہو گئی کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ فرار پر مجبور ہو گئے اور بدحواسی کے عالم میں سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر خداوند قدوس نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْجَآءَ تْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۔ (احزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔ جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

آگ جلا نہ سکی:

حضور اقدس ﷺ کے معجزات میں بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ آگ ان چیزوں کو نہ جلا سکی جن کو آپ کی ذات سے کوئی تعلق رہا ہو۔

چنانچہ قطب الدین قسطلانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''جمیل الایجاز فی الاعجاز'' میں لکھا ہے کہ وہ آگ جو رسول اللہ ﷺ کی خبر غیب کے مطابق 654ھ میں مدینہ منورہ کے پاس قبیلۂ قریظہ کی پہاڑیوں سے نمودار ہوئی۔ وہ پتھروں کو جلا دیتی تھی اور کچھ پتھروں کو گلا دیتی تھی۔ یہ آگ جب بڑھتے بڑھتے حرم مدینہ کے قریب ایک پتھر کے پاس پہنچی جس کا آدھا حصہ حرم مدینہ میں داخل تھا اور آدھا حصہ حرم مدینہ سے خارج تھا تو پتھر کا جو حصہ خارج حرم تھا۔ اس کو اس آگ نے جلا دیا۔ لیکن جب اس نصف حصہ تک پہنچی جو حرم مدینہ میں داخل تھا تو فوراً ہی وہ آگ بجھ گئی۔

اس طرح امام قرطبی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ

> وہ آگ مدینہ طیبہ کے قریب سے ظاہر ہوئی اور یہ دریا کی طرح موج مارتی ہوئی یمن کے ایک گاؤں تک پہنچ گئی اور اس کو جلا کر راکھ کر دیا مگر مدینہ طیبہ کی جانب اس آگ میں سے ٹھنڈی نسیم صبح جیسی ہوائیں آتی تھیں اس آگ کا واقعہ چند اوراق پہلے ہم مفصل طور پر لکھ چکے ہیں۔
>
> (الکلام المبین ص 107)

اسی طرح ''نسیم الریاض'' میں لکھا ہے کہ

> ''عدیم بن طاہر علوی'' کے پاس چودہ موئے مبارک تھے انہوں نے ان کو امیر حلب کے دربار میں پیش کیا۔ امیر حلب نے خوش ہو کر اس مقدس تحفہ کو قبول کیا اور علوی صاحب کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ لیکن اس کے بعد جب دوبارہ علوی صاحب امیر حلب کے دربار میں گئے تو امیر نے تیوری چڑھا کر بہت ہی ترش روئی کے ساتھ بات کی اور ان کی طرف سے نہایت ہی بے التفاتی کے ساتھ منہ پھیر لیا۔ علوی صاحب نے اس بے

توجہی اور ترش روئی کا سبب پوچھا تو امیر حلب نے کہا کہ میں نے لوگوں کی زبانی یہ سنا ہے کہ تم جو موئے مبارک میرے پاس لائے تھے ان کی اصل اور کوئی سند نہیں ہے۔ علوی صاحب نے کہا کہ آپ ان مقدس بالوں کو میرے سامنے لایئے۔ جب وہ آگئے تو انہوں نے آگ منگوائی اور موئے مبارک کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ پوری آگ جل جل کر راکھ ہوگئی۔ مگر موئے مبارک پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ بلکہ آگ کے شعلوں میں موئے مبارک کی چمک دمک اور زیادہ نکھر گئی۔ یہ منظر دیکھ کر امیر حلب نے علوی صاحب کے قدموں کا بوسہ لیا اور پھر اس قدر انعام و کرام سے علوی صاحب کو نوازا کہ اہل دربار ان کے اعزاز و وقار کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

(الکلام المبین ص 108)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دستر خوان کی روایت مشہور ہے کہ چونکہ اس دستر خوان سے حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک اور روئے قدس کو صاف کر لیا تھا۔ اس لئے یہ دستر خوان آگ کے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا جاتا تھا۔ مگر آگ اس کو جلاتی نہیں بلکہ اس کو صاف و ستھرا کر دیتی تھی۔

(مثنوی شریف مولانا رومی)

ایک ضروری انتباہ:

یہ سلطان کونین و شہنشاہ دارین ﷺ کے ان ہزاروں معجزات میں سے صرف چند ہیں جن کے تذکروں سے احادیث و سیرت نبویہ کی کتابیں مالا مال ہیں ہم نے ان چند معجزات کو بلا کسی تصنع کے سادہ الفاظ میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا ہے تاکہ ان نورانی معجزات کو پڑھ کر ناظرین کے سینوں میں عظمت مصطفی اور محبت رسول کے ہزاروں ایمانی چراغ روشن ہو جائیں اور ہر مسلمان اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم اور ان کے اکرام و احترام کی رفعت کو پہچان لے اور اس کے گلشن ایمان

میں ہر لحظہ اور ہر آن محبت وعظمت رسول کے ہزاروں پھول کھلتے رہیں اور وہ جوش عرفان وجذبہ ایمان کے ساتھ دونوں جہان میں یہ اعلان کرتا رہے کہ ؎

سرتا قدم اللہ کی شان ہیں یہ ان سانہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اور شاید ان لوگوں کو بھی اس سے کچھ عبرت حاصل ہو جنہوں نے سیرت نبویہ کے موضوع پر قلم گھس کر اور کاغذ سیاہ کر کے سرور انبیاء محبوب کبریا ﷺ کی مقدس پیغمبرانہ زندگی کو ایک عام انسان کے روپ میں پیش کیا ہے اور بار بار اپنے اس مکروہ نظریہ اور گندے نصب العین کا اعلان کرتے رہتے ہیں کہ پیغمبر خدا کی سیرت میں ایسے کمالات کا ذکر نہیں کرنا چاہئے جس سے لوگ پیغمبر اسلام کو عام انسانوں کی سطح سے اونچا سمجھنے لگیں۔ (والعیاذ باللہ)

بہر حال اس پر تمام اہل حق کا اجماع واتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو جن جن معجزات سے سرفراز فرمایا ہے ان معجزات کو حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات میں جمع فرما دیا ہے اور ان کے علاوہ بیشمار ایسے معجزات سے بھی حضرت حق جلالہٗ نے اپنے آخری پیغمبر شفیع محشر ﷺ کو ممتاز فرمایا جو آپ کے خصائص کہلاتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کے وہ کمالات ومعجزات ہیں جو کسی نبی ورسول کو نہیں عطاء کئے گئے۔ مثلاً

چند خصائص کبریٰ:

1. آپ کا پیدائش کے اعتبار سے ''اول الانبیاءً'' ہونا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ كَانَ نَبِيًا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ یعنی حضور ﷺ اس وقت شرف نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جسم وروح کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 5، ص 242)
2. آپ کا خاتم النبیین ہونا۔
3. تمام مخلوق آپ کے لئے پیدا ہوئی۔
4. آپ کا مقدس نام عرش اور جنت کی پیشانیوں پر تحریر کیا گیا۔
5. تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی بشارت دی گئی۔

6. آپ کی ولادت کے وقت تمام بُت اوندھے ہو کر گر پڑے۔
7. آپ کا شق صدر ہوا۔
8. آپ کو معراج کا شرف عطاء کیا گیا اور آپ کی سواری کے لئے براق پیدا کیا گیا۔
9. آپ پر نازل ہونے والی کتاب تبدیلی وتحریف سے محفوظ کر دی گئی اور قیامت تک اس کی بقاء وحفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی۔
10. آپ کو آیۃ الکرسی عطاء کی گئی۔

1. آپ کو تمام خزائن الارض کی کنجیاں عطاء کر دی گئیں۔
2. آپ کو جوامع الکلم کے معجزہ سے سرفراز کیا گیا۔
3. آپ کو رسالت عامہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا۔
4. آپ کی تصدیق کے لئے معجزہ شق القمر ظہور میں آیا۔
5. آپ کے لئے اموال غنیمت کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔
6. تمام روئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مسجد اور پاکی حاصل کرنے (تیمم) کا سامان بنا دیا۔
7. آپ کے بعض معجزات (قرآن مجید) قیامت تک باقی رہیں گے۔
8. اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ان کا نام لے کر پکارا مگر آپ کو اچھے اچھے القاب سے پکارا۔
9. اللہ تعالیٰ نے آپ کو "حبیب اللہ" کے معزز لقب سے سربلند فرمایا۔
10. اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت آپ کی حیات آپ کے شہر آپ کے زمانے کی قسم یاد فرمائی۔

1. آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔
2. آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں "اکرم الخلق" ہیں۔
3. قبر میں آپ کے بارے میں منکر ونکیر سوال کریں گے۔
4. آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ٹھہرایا گیا۔
5. ہر نمازی پر واجب کر دیا گیا کہ بحالت نماز السلام علیک ایھا النبی کہہ کر آپ کو سلام کرے۔
6. اگر کسی نماز کو بحالت نماز حضور ﷺ پکاریں تو وہ نماز چھوڑ کر آپ کی پکار پر دوڑ

پڑے یہ اس پر واجب ہے اور ایسا کرنے سے اس کی نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔

7. اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا آپ کو مختار بنا دیا ہے۔ آپ جس کے لئے جو چاہیں حلال فرما دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حرام فرما دیں۔
8. آپ کے منبر اور قبر انور کے درمیان کی زمین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
9. صور پھونکنے پر سب سے پہلے آپ اپنی قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے۔
10. آپ کو مقام محمود عطاء کیا گیا۔

1. آپ کو شفاعت کبریٰ کے اعزاز سے نوازا گیا۔
2. آپ کو قیامت کے دن ''لواء الحمد'' عطاء کیا گیا۔
3. آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔
4. آپ کو حوضِ کوثر عطاء کیا گیا۔
5. قیامت کے دن ہر شخص کا نسب و تعلق منقطع ہو جائے گا مگر آپ کا نسب و تعلق منقطع نہیں ہوگا۔
6. آپ کے سوا کسی نبی کے پاس حضرت اسرافیل علیہ السلام نہیں اترے۔
7. آپ کے دربار میں بلند آواز سے بولنے والے کے اعمالِ صالحہ برباد کر دیئے جاتے ہیں۔
8. آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا حرام کر دیا گیا۔
9. آپ کی ادنیٰ سی گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔
10. آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ معجزات عطاء کئے گئے۔

(فہرست زرقانی علی المواہب جلد 5)

اکیسواں باب

اُمت پر حضور ﷺ کے حقوق

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

اُمت پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حقوق

حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کی ہدایت واصلاح اور ان کی صلاح وفلاں کے لئے جیسی جیسی تکلیفیں برداشت فرمائیں اور اس راہ میں آپ کو جو جو مشکلات درپیش ہوئیں۔ ان کا کچھ حال اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ پھر آپ کو اپنی امت سے جو بے پناہ محبت اور اس کی نجات ومغفرت کی فکر اور ایک ایک امتی پر آپ کی شفقت و رحمت کی جو کیفیت ہے اس پر قرآن میں خداوند قدوس کا فرمان گواہ ہے کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورۃ توبہ)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے لئے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بہت ہی نہایت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔

پوری پوری راتیں جاگ کر عبادت میں مصروف رہتے اور اُمت کی مغفرت کے لئے دربار باری میں انتہائی بیقراری کے ساتھ گریہ درازی فرماتے رہتے، یہاں تک کہ کھڑے کھڑے اکثر آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضور سرور انبیاء محبوب کبریا ﷺ نے اپنی امت کے لئے جو جو مشقتیں اٹھائیں ان کا تقاضا ہے کہ امت پر حضور ﷺ کے کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کرنا ہر اُمتی پر فرض واجب ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مقدس حقوق کو اپنی کتاب ''شفاء شریف'' میں بہت ہی مفصل طور پر بیان فرمایا، ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آٹھ حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔

i- ایمان بالرسول
ii- اتباع سنت رسول
iii- اطاعتِ رسول
iv- محبت رسول
v- تعظیم رسول
vi- مدحِ رسول
vii- درود شریف
viii- قرآن کی زیارت

1- ایمان بالرسول

حضور اقدس ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ صدق دل سے اس کو سچا ماننا ہر ہر امتی پر فرض عین ہے اور ہر مومن کا اس پر ایمان ہے کہ بغیر رسول پر ایمان لائے ہوئے ہرگز ہرگز کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ قرآن میں خداوند عالم جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۵
(فتح)

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو یقیناً ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت نے نہایت ہی وضاحت اور صفائی کے ساتھ یہ فیصلہ کر دیا کہ جو لوگ رسول کی رسالت پر ایمان نہیں لائیں گے وہ اگرچہ خدا کی توحید کا عمر بھر ڈنکا بجاتے رہیں مگر وہ کافر اور جہنمی ہی رہیں گے۔ اس لئے اسلام کا بنیادی کلمہ یعنی کلمہ طیبہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی مسلمان ہونے کے لئے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کی دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

2- اتباعِ سُنّتِ رسول

حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ اور آپ کی سنت مقدسہ کی اتباع اور پیروی ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے۔ رب العزت جل جلالہ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۵ (آل عمران)

ترجمہ: (اے رسول) فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اسی لئے آسمان امت کے چمکتے ہوئے ستارے ہدایت کے چاند تارے اللہ و رسول کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ہر سنت کریمہ کی اتباع اور پیروی کو اپنی زندگی کے ہر دم قدم پر اپنے لئے لازم الایمان اور واجب العمل سمجھتے تھے اور بال برابر بھی کبھی کسی معاملہ میں بھی اپنے پیارے رسول ﷺ کی مقدس سنتوں سے

انحراف یا ترک گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

صدیق اکبر کی آخری تمنا:

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پہلے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کفن مبارک میں کتنے کپڑے تھے اور آپ کی وفات کس دن ہوئی؟ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی یہ انتہائی تمنا تھی کہ زندگی کے ہر لمحات میں تو میں نے اپنے تمام معاملات میں حضور اکرم ﷺ کی مبارک سنتوں کی مکمل طور پر اتباع کی ہے، مرنے کے بعد کفن اور وفات کے دن میں بھی مجھے آپ کی اتباع سنت نصیب ہو جائے۔
(بخاری جلد 1 ص 186 باب موت الاثنین)

حضرت ابوہریرہ اور بھنی ہوئی بکری:

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جس کے سامنے کھانے کے لئے بھنی ہوئی مسلم بکری رکھی ہوئی تھی۔ لوگوں نے آپ کو کھانے کے لئے بلایا تو آپ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ میں بھلا ان لذیز اور پر تکلف کھانوں کو کھانا کیونکر گوارا کر سکتا ہوں؟ (مشکوۃ جلد 1 ص 446 باب فضل الفقرائ)

حضرت عباس کا پرنالہ:

منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا اور اس مکان کا پرنالہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں کے اوپر گرا کرتا تھا۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ خدا کی قسم! اس پرنالہ کو رسول اللہ ﷺ نے میری گردن پر سوار ہو کر اپنے مقدس ہاتھوں س لگایا تھا۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا کہ اے عباس! مجھے اس کا علم نہ تھا۔ اب میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس پرنالہ کو پھر اسی جگہ لگا دیجئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔
(وفاء الوفا جلد 1 ص 348)

3- اطاعت رسُول

یہ بھی ہر امتی پر رسول اللہ ﷺ کا حق ہے کہ ہر امتی ہر حال میں آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرے اور آپ جس بات کا حکم دے دیں بال کے کروڑ ویں حصہ کے برابر بھی اس کے خلاف ورزی کا تصور بھی نہ کرے کیونکہ آپ کی اطاعت اور آپ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہر امتی پر عین فرض ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْ لرَّسُوْلَ۔ (نسائ)

ترجمہ: (حکم مانوں اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (نسائ)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ (نسائ)

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

قرآن مجید کی یہ مقدس آیات اعلان کر رہی ہیں کہ اطاعت رسول کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اور اطاعت رسول کرنے والوں ہی کے لئے ایسے ایسے بلند درجات ہیں کہ وہ حضرات انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ رہیں گے۔

ہر امتی کے لئے اطاعت رسول کی کیا شان ہونی چاہیے۔ اس کا جلوہ دیکھنا ہو تو اس روایت کو بغور پڑھیے۔

سونے کی انگوٹھی پھینک دی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہے۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کا انگارہ کو اپنے ہاتھ میں ڈالے؟ حضور ﷺ کے جانے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ

تو اپنی انگوٹھی کو اٹھالے (اور اس کو بیچ کر اس سے نفع اٹھا تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا تو اب میں اس انگوٹھی کو کبھی بھی نہیں اٹھا سکتا اور وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ (مشکوٰۃ جلد 2 ص 378 باب الخاتم)

4- محبت رسول ﷺ

اسی طرح ہر امتی پر رسول اللہ ﷺ کا حق ہے کہ وہ سارے جہان سے بڑھ کر آپ سے محبت رکھے اور ساری دنیا کی محبوب چیزوں کو آپ محبت کے قدموں پر قربان کر دے خداوند قدوس جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (توبہ)

ترجمہ: (اے رسول) آپ فرمادیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت فرض عین ہے کیونکہ اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم ایمان لائے ہو اور اللہ و رسول کی محبت دعویٰ کرتے ہو تو اب اس کے بعد اگر تم لوگ کسی غیر کی محبت کو اللہ و رسول کی محبت پر ترجیح دو گے تو خوب سمجھ لو کہ تمہارا ایمان اور اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ بالکل غلط ہو جائے گا اور تم عذاب الٰہی اور قہر خداوندی سے نہ بچ سکو گے۔

نیز آیت کے آخری ٹکڑے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت نہیں یقیناً بلاشبہ اس کے ایمان میں خلل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

(بخاری جلد 1 ص 7 باب حب الرسول)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس ﷺ سے کتنی والہانہ محبت تھی۔ اگر آپ کو اس کی تجلیوں کا نظارہ کرنا ہے تو مندرجہ ذیل واقعات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھیے اور عبرت حاصل کیجئے۔

ایک بڑھیا کا جذبہ محبت:

آپ جنگ احد کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ شیطان نے بے پر کی یہ خبر اڑا دی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ یہ ہولناک خبر جب مدینہ منورہ میں پہنچی تو وہاں کی زمین دہل گئی یہاں تک کہ وہاں کی پردہ نشین عورتوں ک دل و دماغ میں صدمات غم کا بھونچال آ گیا اور قبیلہ بنی دینار کی ایک عورت اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے گھر سے نکل پڑی اور میدان جنگ کی طرف چل پڑی، راستے میں اس کو اپنے باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر ملی مگر اس نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور لوگوں سے یہی پوچھتی رہی کے مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ الحمد للہ! آپ ہر طرح بخیریت ہیں تو اس سے اس بڑھیا کی تسلی نہیں ہوئی اور کہنے لگی کہ تم لوگ مجھے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کر دو جب لوگوں نے اس کو رحمت عالم ﷺ کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا، اور اس نے جمال نبوت کو دیکھا تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ جملہ نکل پڑا کہ:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔

ترجمہ: آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد 3 ص 99 مطبوعہ مصر)

بڑھ کر اس نے رخ انور کو جو دیکھا تو کہا!
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج والم
میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا

اے شہہ دیں! ترے ہوتے کیا چیز ہیں ہم

حضرت ثمامہ کا اعلان نبوت:

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ایمان لا کر کہنے لگے کہ اے محمد! (ﷺ) خدا کی قسم! پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ س زیادہ مبغوض نہیں تھا لیکن آج آپ کا وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ مگر اب آپ کا وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ لیکن اب آپ کا وہی شہر میرے نزدیک تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 627 باب وفد بنی حنیفہ)

بستر موت پر عشق رسول:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا۔ تو ان کی بیوی نے غم نڈھال ہو کر کہا کہ ''واحر باہ ہائے'' (ہائے رے غم) یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بستر موت پر تڑپ کر کہا کہ۔

وَاطَرَبَاهُ غَدًا اَلْقَى الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهْ۔

(زرقانی علی المواہب)

واہ رے! خوشی میں کل تمام دوستوں سے

ترجمہ: یعنی محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا۔

حضرت علی اور محبت رسول:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! حضور ﷺ ہمارے مال، ہماری اولاد، ہمارے باپ، ہماری ماں اور سخت پیاس کے وقت پانی سے بھی بڑھ کر ہمارے نزدیک محبوب ہیں۔ (شفاء شریف جلد 2 ص 18)

عبداللہ بن عمر کا عشق:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سن ہوگیا، لوگوں نے ان کو اس مرض کے علاج کے طور پر یہ عمل بتایا کہ تمام دنیا میں آپ کو سب سے زائد جس سے محبت ہو اس کو یاد کر کے پکاریئے۔ یہ مرض جاتا رہے گا۔ یہ سن کر آپ نے ''یا محمد'' کا نعرہ مارا اور آپ کا پاؤں اچھا ہوگیا۔ (شفاء شریف جلد 2 ص 18)

کدو سے محبت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک درزی نے حضور ﷺ کی دعوت کی۔ میں بھی ساتھ میں تھا۔ جو کی روٹی اور شوربا آپ کے سامنے لایا گیا۔ جس میں خشک گوشت کی بوٹیاں اور کدو کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ پیالے کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے تناول فرماتے تھے۔ اسی لئے میں اس دن سے کدو کو ہمیشہ محبوب رکھتا ہوں۔ (بخاری جلد 2 ص 817 باب المرق)

منقول ہے کہ حضرت امام ابو یوسف (شاگرد امام ابوحنیفہ) علیہ الرحمۃ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور اقدس ﷺ کو کدو بہت زیادہ پسند تھا۔ اس مجلس میں ایک شخص نے کہہ دیا کہ ''اَنَامَا اُحِبُّه'' (میں تو اس کو پسند نہیں کرتا) یہ سن کر حضرت امام ابو یوسف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ۔

جَدِّدِ الْاِیْمَانَ وَاِلَّا لَاَقْتُلَنَّکَ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج 2، ص 77)

ترجمہ: اپنے ایمان کی تجدید کرو ورنہ میں ضرور تجھ کو قتل کر ڈالوں گا۔

سوتے وقت رسول کی یاد:

عبدہ بنت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ

ہر رات حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ جب اپنے بستر پر لیٹے تو انتہائی شوق و اشتیاق کے ساتھ حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کبار مہاجرین و انصار کو نام لے لے کر یاد کرتے اور یہ دعا مانگتے کہ یا اللہ! میرا دل ان حضرات کی محبت میں بے

قرار ہے اور میرا اشتیاق اب حد سے بڑھ چکا ہے لہٰذا تو مجھے
جلد وفات دے کر ان لوگوں کے پاس پہنچا دے یہی کہتے
کہتے ان کو نیند آجاتی تھی۔ اللہ اکبر
(شفاء شریف جلد 2 ص 17)

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِ علیٰ کہتے کہتے

محبت رسول کی نشانیاں:

واضح رہے کہ محبت رسول ﷺ کا دعوی کرنے والے تو بہت لوگ ہیں۔ مگر یاد رکھیئے کہ اس کی چند نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر اس کی پہچان ہوتی ہے کہ واقعی اس کے دل میں محبت رسول کا چراغ روشن ہے۔ ان علامتوں میں سے چند یہ ہیں۔

1. آپ کے اقوال و افعال کی پیروی آپ کی سنتوں پر عمل آپ کے اوامر ونواہی کی فرمانبرداری غرض شریعت مطہرہ پر پورے طور سے عامل ہو جانا۔
2. آپ کا ذکر شریف بکثرت کرنا، بہت زیادہ درود شریف پڑھنا آپ کے ذکر کی مجالس مقدس مثلاً میلاد شریف اور دینی جلسوں کا شوق اور ان مجالس مبارکہ میں حاضری۔
3. حضور ﷺ اور تمام ان لوگوں، اور ان چیزوں سے محبت، اور ان کا ادب واحترام جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت وتعلق حاصل ہے۔ مثلاً صحابہ کرام ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار، شہر مدینہ، قبر انور، مسجد نبوی، آپ کے آثار شریفہ ومشاہد مقدسہ، قرآن مجید واحادیث مبارکہ، سب کی تعظیم وتوقیر اور ان کا ادب واحترام کرنا۔
4. حضور ﷺ کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں یعنی بد دینوں، بدمذہبوں سے دشمنی رکھنا۔
5. دنیا سے بے رغبتی اور فقیری کو مالداری سے بہتر سمجھنا۔ اس لئے کہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقر وفاقہ اس سے بھی زیادہ جلدی پہنچتا ہے جیسے کہ پانی کا سیلاب اپنے منتہی کی طرف۔

(ترمذی جلد 2، ص 58 ابواب الزہد)

5- تعظیم رسول

امت پر حضور علیہ الصلوۃ اسلام کے حقوق میں ایک نہایت ہی اہم اور بہت ہی بڑا حق یہ بھی ہے کہ ہر امتی پر فرض عین ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ سے نسبت و تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی تعظیم و توقیر اور ان کا ادب و احترام کرے اور ہر گز کبھی ان کی شان میں کوئی بے ادبی نہ کرے۔ احکم الحاکمین جل جلالہٗ کا فرمان والا شان ہے کہ

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (فتح)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں (اے رسول) بھیجا حاضر و ناصر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے:

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس بات پر تمام علما رامت کا جماع ہے کہ۔

حضور ﷺ کو گالی دینے والا، یا ان کی ذات ان کے خاندان ان کی دین ان کی کسی خصلت میں نقص بنانے والا یا اس کی طرف اشارہ کنایا کرنے والا یا حضور کو بدگوئی کے طریقے پر کسی چیز سے تشبیہ دینے والا یا آپ کو عیب لگانے والا یا آپ کی شان کو چھوٹی بتانے والا آپ کی تحقیر کرنے والا بادشاہ اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا اسی طرح حضور ﷺ پر لعنت کرنے والا یا آپ کیلئے بدعا کرنے والا یا آپ کی طرف سے کسی ایسی بات کی نسبت کرنے والا جو آپ کے منصب کے لائق نہ ہو یا آپ کے لیے کسی مضرت کی تمنا کرنے والا یا آپ کف مقدس جناب میں کوئی ایسا کلام بولنے ولا یا جس سے آپ کی شان میں استخفاف ہوتا یا کسی آزمائش یا امتحان کی باتوں کی باتوں سے آپ کو عار دلانے والا بھی سلطان اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا اور وہ مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس مسئلہ میں علماء امصاء اور

سلف صالحین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا شخص کافر قرار دے کر قتل کردیا جائے گا۔ محمد بن سحنون علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور توہین رسالت کرنے والے کی دنیا میں یہ سزا ہے کہ وہ قتل کردیا جائے۔

(شفاء شریف جلد 2 ص 189 وص 190)

اسی طرح حضرت علامہ قاضی عیاس رحمتہ اللہ علیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے متعلقین یعنی آ کے اصحاب آپ کے اہل بیت آپ کی ازواج مطہرات وغیرہ کو گالی دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ۔

> ''حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے اہل بیت اور آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے اصحاب کو گالی دینا یا ان کی شان میں تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔

(شفاء شریف جلد 2 ص 266)

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے اور آپ کی مقدس بارگاہ میں اتنی تعظیم وتکریم کا مظاہرہ کرتے تھے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی عنہ جب کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار مکہ کے نمائندہ بن کر میدان حدیبیہ میں گئے تھے اور تو وہاں سے واپس آ کر انہوں نے کفار کے مجمع میں علی الاعلان یہ کہا تھا کہ۔

> اے میری قوم! میں نے بادشاہ روم' قیصر اور بادشاہ فارس کسریٰ اور بادشاہ حبشہ نجاشی' سب کا دربار دیکھا ہے مگر خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا' جتنی تعظیم محمد ﷺ کے اصحاب محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔

(بخاری جلد 1 ص 380 باب اشروط فی الجہاد وغیرہ)

چنانچہ مندرجہ ذل مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کے

اصحاب کبار اپنے آقائے نامدار کے دربار میں کس قدر تعظیم وتکریم کے جذبات سے سرشار رہتے تھے!

سرپرچڑیاں:

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضر بن مجلس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی سیرت مقدسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ

جس وقت آپ کلام فرماتے تھے تو آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے صحابہ کرام اس طرح سر جھکا کر خاموش اور سکون کے ساتھ بیٹھے رہا کرتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں جس وقت آپ خاموش ہوجاتے تو صحابہ کرام گفتگو کرتے اور کبھی آپ کے سامنے کلام کرنا آپ توجہ کے ساتھ اسکے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ خاموش ہوجاتا۔
(شمائل ترمذی ص25 باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ)

حضرت عمرو بن العاص کے تین دور:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بستر مرگ پر اپنے صاحبزادے سے اپنی زندگی کے تین دور کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشادفرمایا کہ میری پہلی حالت یہ تھی کہ میں کفر کی حالت میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا جانی دشمن تھا اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً میں دوزخی ہوتا۔اور دوسری حالت مسلمان ہونے کے بعد تھی کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عظمت وجلالت والا کوئی بھی نہ تھا اور میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کی طرف نظر بھر کرنہیں دیکھ سکتا تھا ۔یہی وجہ ہے کہ اگر مجھ سے حضور ﷺ کا حلیہ دریافت کیا جائے تو میں اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔اگر میں اس حال پر مرگیا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا۔تیسری حالت میری گورنری اور حکومت کی تھی جس میں مجھے اپنا حال معلوم نہیں۔
(مسلم جلد1 ص76 باب کون الاسلام سیدم ماکان قبلہ)

کون بڑا؟:

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ علیہ نے حضرت قبات بن آشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ علیہ وسلم؟ انہوں نے کہا کہ بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں مگر میری پیدائش حضور سے پہلے ہوئی ہے۔ (ترمذی جلد 2 ص 202 باب ما جاء فی میلاد النبی ﷺ)

حضرت براء کا ادب:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ سے کچھ دریافت کرنے کا ارداہ رکھتا تھا۔ مگر کمال ادب اور آپ کی ہیبت سے برسوں دریافت نہیں کرسکتا تھا۔ (شفاء شریف جلد 2 ص 32)

آثار شریفہ کی تعظیم:

حضور اقدس ﷺ کی ذات مقدسہ کے ادب واحترام کو حضرات صحابہ کرام اپنے ایمان کی جان سمجھتے تھے، بلکہ وہ چیزیں کہ جن کو آپ کی ذات والا سے کچھ تعلق وانتساب ہو ان کی تعظیم وتوقیر کو بھی اپنے لیے لازم الایمان جانتے تھے اسی طرح تابعین اور دوسرے سلف صالحین بھی آپ کے تبرکات کا بے حد احترام اور ان کا اعزاز واکرام کرتے تھے اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔ جو اہل ایمان کے لیے نہایت ہی عبرت خیز ونصیحت آموز ہیں۔

1. حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند مقدس بال سلے وہوئے تھے کسی جنگ میں ان کی ٹوپی سر سے گر پڑی تو آپ نے اتنا زبردست حملہ کردیا کہ بہت سے مجاہدین شہید ہوگئے آپ کے لشکر والوں نے ایک ٹوپی کے لیے اپنے شدید حملہ کو پسند نہیں کیا لوگوں کا طعنہ سن کر آپ نے فرمایا میں نے ٹوپی کے لیے حملہ نہیں کیا تھا، بلکہ میرے اس حملہ کی یہ وجہ تھی کہ میری اس ٹوپی میں حضور ﷺ کے موئے مبارک ہیں مجھے اندیشہ ہوگیا کہ میں ان کی برکتوں سے کہیں محروم نہ ہوجاؤں اور یہ کفار کے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائیں اس لیے میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس ٹوپی کو اٹھا کر وہی دم لیا۔

   (شفاء شریف جلد 2 ص 44)

2. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے منبر شریف پر جس جگہ آپ

بیٹھے تھے۔ خاص اس جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرا کر اپنے چہرے پر مسح کیا کرتے تھے۔

3. حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ جو صحابی اور مسجد حرام کے موذن ہیں ان کے سر کے اگلے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اس جوڑے کو کھول دیتے تو باب زمین سے لگ جاتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان بالوں کو مونڈواتے کیوں نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ان بالوں کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول ﷺ نے میرے ان بالوں کو اپنے دست مبارک سے مسح فرمادیا ہے۔ (شفاء شریف جلد 2 ص 44)

5. حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائش کی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا مقدس بال ہے میں جب مرجاؤں تو تم اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دیا۔ اور وہ اسی حالت میں دفن ہوئے۔
(اصابہ ترجمہ انس بن مالک)

اسی طرح حضرت عمیر بن العزیز اموی خلیفہ عادل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے چند موئے مبارک اور ناخن دکھا کر لوگوں سے وصیت فرمائی کہ ان تبرکات کو آپ لوگ میرے کفن میں رکھ دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد 5 ص 300)

6. حضرت امام شافعی رحمتہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ کو چند گھوڑے عنایت فرمائے تو میں نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا آپ اپنی سواری کے لیے رکھ لیجئے تو آپ نے فرمایہ کہ مجھ کو بڑی شرم آتی ہے کہ جس شہر کی زمین میں حضور اکرم ﷺ آرام فرمارہے ہیں اس شہر کی زمین کو اپنی سواری کے جانوروں کی کھروں سے رندواؤں چنانچہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اپنی زندگی بھر مدینہ ہی میں رہے مگر کبھی کسی سواری پر مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوئے۔ (شفاء شریف جلد 2 ص 44)

6. حضرت احمد بن فضلویہ جن کا لقب ''زاہد'' ہے۔ یہ بہت بڑے مجاہد تھیاور تیر اندازی میں بہت ہی باکمال تھے ان کا بیان ہے کہ جب سے مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کمان بھی اٹھائی ہے۔ اس وقت

سے میں کمان کا اتنا ادب واحترام کرتا ہوں کہ بلا وضو کسی کمان کو ہاتھ نہیں لگاتا۔
(شفاء شریف جلد2 ص44)

7. حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ کہہ دیا کہ "مدینہ کی مٹی خراب ہے یہ سن کر حضرت موصوف نے یہ فتوٰی دیا کہ اس گستاخ کو تیس درے لگائے جائیں اور اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ بھی فرمایہ کہ اس شخص کو قتل کردینے کی ضرورت ہے جو یہ کہے کو مدینہ کی مٹی اچھی نہیں ہے۔
(شفاء شریف جلد2 ص44)

8. ایک دن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضور ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ رونق افروز تھے آپ نے حضرت سہل بن سعد سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک پیالہ میں آپ کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت سہل بن سعد کے یہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور برکت حاصل کرنے کیلئے ہم لوگوں نے اسی پیالے میں پانی پیا۔ اس پیالہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ عادل رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن سعد سے مانگ کر اپنے پاس رکھ لیا۔
(صحیح مسلم جلد2 ص169) (باب اباحتہ النبیذ الذی الخ)

10. جب بنو خلیفہ کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو اس وفد میں حضرت سیار بن طلق یمامی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے اپنے پیراہن شریف کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایئے، میں اس سے اپنا دل بہلا دیا کروں گا حضور نے ان کی درخواست منظور فرما کر ان کو پیراہن شریف کا ایک ٹکڑا دے دیا ان کے پوتے محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے والد کہتے تھے کہ وہ مقدس ٹکڑا برسہا برس ہمارے پاس تھا اور ہم اس کو دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔ (اصابہ ترجمہ سیار بن طلق)

10. مشک کا منہ کاٹ لیا:

ایک صحابیہ حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے گھر حضور ﷺ تشریف لے گئے اور ان کی مشک کے منہ سے آپ نے اپنا منہ لگا کر پانی نوش فرمالیا تو حضرت کبشہ

رضی اللہ عنہا نے اس مشک کا منہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔ (ابن ماجہ ص 253 باب الشرب قائماً)

11. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تلوار ''ذوالفقار'' حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت مسور بن مخرمہ صحابی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا مجھے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ بنو امیہ آپ سے اس تلوار کو چھین لیں گے۔ بس آپ مجھے وہ تلوار دیجئے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی اس کو مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ (بخاری جلد 1، ص 438 باب ماذکر من درع النبی ﷺ)

6- مدح رسول

ہر امتی پر یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا حق ہے جس کو ادا کرنا امت پر لازم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مدح و ثنا کا ہمیشہ اعلان اور چرچا کرتے رہیں اور ان کے فضائل و کمالات کو علی الاعلان بیان کرتے رہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ کے فضائل و محاسن کا ذکر جمیل رب العالمین جل جلالہ اور تمام انبیاء و مرسلین کا مقدسہ طریقہ ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے قرآن کریم کو اپنے حبیب ﷺ کی مدح و ثناء کے قسم قسم کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک حسین گلدستہ بنا کر نازل فرمایا ہے اور پورے قرآن میں آپ کی مقدس نعت و صفات کی آیات بنیات اس طرح چمک کر جگمگا رہی ہیں جس طرح آسمان پرستاروں کی برات اپنی تجلیات کا نور بکھیرتی رہتی ہے اور انبیاء سابقین کی مقدس آسمانی کتابیں بھی اعلان کر رہی ہیں کہ ہر نبی و رسول اللہ کے حبیب ﷺ کی مدح و ثنا کا نقیب اور ان کے محامد و محاسن کا خطیب بن کر عمر بھر فضائل مصطفی ﷺ کے فضائل و کمال اور ان کے جاہ و جلال کا ڈنکا بجاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے مقدس دور میں ہزاروں اصحاب کبار ہر کوچہ و بازار اور میدان کارزار میں نعت رسول کے نغموں سے انقلاب عظیم برپا کر کے ایسے ایسے عظیم شاہکار عالم وجود میں لائے کہ کائنات ہستی میں ہدایت کی نسیم بہار سے ہزاروں گلزار نمودار ہو گئے اور دور صحابہ سے آج تک پیارے رسول کے خوش نصیب مداحوں نے نظم و نثر میں نعت پاک کا جتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ اگر ان کا شمار کیا جائے تو دفتروں کے اوراق

تو کیا روئے زمین کی وسعت بھی ان کی تاب نہ لا سکے گی۔

حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ، کعب بن زہیر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دربار نبوت کا شاعر ہونے کی حیثیت سے ایسی ایسی نعت پاک کی مثالیں پیش کیں کہ آج تک بڑے بڑے باکمال شعراء ان کو سن کر سر دھنتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک حضور سرور عالم ﷺ کی مدح وثنا کا چرچا نظم ونثر میں اسی شان سے ہوتا ہی رہے گا ؎

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

7- درود شریف

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ رسول ﷺ پر درود شریف پڑھتا رہے۔ چنانچہ خالق کائنات جل جلالہ کا حکم ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (احزاب)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو تم بھی ان پر درود بھیجتے رہو اور ان پر اسلام بھیجتے رہو، جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں بھیجتا ہے۔

اللہ اکبر! شہنشاہ کونین ﷺ کی شان محبوبیت کا کیا کہنا؟ ایک حقیر و ذلیل بندہ خدا کے پیغمبر جمیل کی بارگاہ عظمت میں درود شریف کا ہدیہ بھیجتا ہے! تو خداوند جلیل اس کے بدلے میں دس رحمتیں اس بندے پر نازل فرماتا ہے۔

درود شریف کے فضائل و فوائد بہت زیادہ ہیں یہاں بہ نظر اختصار ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ خداوند کریم ہم تمام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ درود پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

قبر انور کی زیارت

حضور اقدس ﷺ کے روضہء مقدسہ کی زیارت سنت موکدہ قریب واجب ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (نسائی)

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آجاتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول ان کے لئے بخشش کی دعا فرماتے تو یہ لوگ خدا کو بہت زیادہ بخشنے والا مہربان پاتے۔

اس آیت میں گناہگاروں کی بخشش کے لئے ارحم الرحمین نے تین شرطیں لگائی ہیں اول دربار رسول میں حاضری۔ دوئم استغفار۔ سوئم رسول کی دعائے مغفرت اور یہ حکم حضور ﷺ کی ظاہری دنیاوی حیات ہی تک محدود نہیں بلکہ روضہ اقدس میں حاضری بھی یقیناً دربار رسول ہی میں حاضری ہے اسی لئے علماء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار کا یہ فیض آپ کی وفات اقدس سے منقطع نہیں ہوا ہے اس لئے جو گناہگار قبر انور کے پاس حاضر ہو جائے اور وہاں خدا سے استغفار کرے اور چونکہ حضور ﷺ تو اپنی قبر انور میں اپنی امت کیلئے استغفار فرماتے ہی رہتے تھے لہٰذا اس گناہگار کے لئے مغفرت کی تینوں شرطیں پائی گئیں اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مغفرت ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ چاروں مذاہب کے علماء کرام نے مناسک حج وزیارت کی کتابوں میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص بھی روضہ منورہ پر حاضری دے اس کے لئے مستحب ہے کہ اس آیت کو پڑھے اور پھر خدا سے اپنی مغفرت کی دعا مانگے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بہت سی حدیثیں بھی روضہ منورہ کی زیارت فضائل میں وارد ہوئی ہیں۔ جن کو علامہ سمودی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''وفاء الوفا'' اور دوسرے مستند سلف صالحین علماء دین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے ہم یہاں مثال کے طور پر صرف تین چیزیں بیان کرتے ہیں۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔
(دار قطنی وبیہقی وغیرہ)

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔

(کامل ابن عدی)

ترجمہ: جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

مَنْ زَارَ فِي بَعْدَ مَمَاتِي فَكَاَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ مَّاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (دار قطنی وغیرہ)

ترجمہ: جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت نہ کی اس نے گویا میری حیات میں میری زیارت کی اور جو حرمین شریفین میں سے ایک میں مرگیا وہ قیامت کے دن امن والوں کی جماعت میں اٹھایا جائے گا۔

اس لئے صحابہ کرام کے مقدس زمانے سے لے کر آج تک تمام دنیا کے مسلمان قبر منور کی زیارت کرتے اور آپ کی مقدس جناب میں توسل اور استغاثہ کرتے رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ مبارک سلسلہ جاری رہے گا۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دفات اقدس کے تین دن بعد ایک اعرابی مسلمان آیا اور قبر انور پر گر کر لپٹ گیا۔ پھر کچھ مٹی اپنے سر پر ڈال کر یوں عرض کرنے لگا کہ

یارسول اللہ ﷺ آپ نے جو کچھ فرمایا ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا۔ جس میں اس نے ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَنْظَلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ۔الخ

ترجمہ: تو یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی جان پر (گناہ) کر کے ظلم کیا ہے۔

اس لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ میرے حق میں مغفرت کی دعا فرمائیں۔ اعرابی کی اس فریاد کے جواب میں قبر انور سے آواز آئی کہ ''اے اعرابی تو بخش دیا گیا''۔ (دفاء الوفا جلد 2،ص 412)

ضروری تنبیہ:

ناظرین کرام یہ سن کر حیران ہوں گے کہ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ گنبد خضرا

کے اندر مواجہہ اقدس اور اس کے قریب مسجد نبوی کی دیواروں پر قبر انور کی زیارت کے فضائل کے بارے میں جو حدیثیں کندہ ہوئی تھیں نجدی حکومت نے ان حدیثوں پر مسالہ لگوا کر ان کو مٹانے کی کوشش ہے۔ اگرچہ اب بھی اس کے بعض حروف ظاہر ہیں۔ اسی طرح مسجد نبوی کے گنبدوں کے اندرونی حصہ میں قصیدۂ بردہ شریفہ کے جن اشعار میں توسل واستغاثہ کے مضامین تھے۔ ان سب کو مٹا دیا گیا۔ باقی اشعار باقی گنبدوں پر اس وقت تک باقی تھے۔ میں نے جو دیکھا ہے وہ جولائی 1959ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہاں کیا تبدیلی ہوئی؟ اس کا حال نئے حجاج کرام سے دریافت کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ کا فتویٰ:

بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء وشہداء کے مزاروں کی طرف سفر کرنے کو حرام و ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ وہاں کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں یہ فتویٰ دے دیا کہ حضور اکرم ﷺ کے روضہ مبارک کے قصد سے سفر کرنا گناہ ہے۔ اس لئے اس سفر میں نمازوں کے اندر قصر جائز نہیں۔ (معاذ اللہ)

ابن تیمیہ کے اس فتویٰ سے شام ومصر میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا چنانچہ شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں علماء حق سے استغناء طلب کیا اور علامہ برہان بن الفرکاح فزاری نے تقریباً چالیس سطروں میں فتویٰ لکھ کر ابن تیمیہ کو ''کافر'' بتایا اور علامہ شہاب بن جہبل نے اس فتویٰ پر اپنی مہر تصدیق لگائی۔ پھر مصر میں یہی فتویٰ حنفی شافعی، مالکی، حنبلی چاروں مذاہب کے قاضیوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنانچہ علامہ بدر بن جماعہ شافعی نے اس پر یہ فیصلہ تحریر فرمایا کہ ابن تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بزجر و توبیخ منع کیا جائے اگر باز نہ آئے تو اس کو قید کیا جائے اور محمد بن ابی الجریری حنفی نے یہ حکم دیا کہ اس وقت بلا کسی شرط کے اس کو قید کیا جائے اور محمد بن ابی بکر مالکی نے یہ حکم دیا کہ اس کو اس قسم کی زجر و توبیخ کی جائے کہ وہ ایسے مفاسد سے باز آجائے اور احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی حکم لکھا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ شعبان 726ھ میں دمشق کے قلعہ کے اندر قید کیا گیا اور جیل خانہ ہی میں 20 ذوالقعدہ 728ھ کو وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ مواخذہ اخروی ابھی باقی ہے۔

(منقول از سیرت رسول عربی ص 533)

حدیث لاتشدالرحال:

ابن تیمیہ اور اس کی معنوی اولاد یعنی فرقہ وہابیہ قبر انور کی زیارت سے منع کرنے کے لئے بخاری کی اس حدیث کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ

لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلاَّ اِلیٰ ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَمَسْجِدِالرَّسُوْلِ وَالْمَسْجِدِالْاَقْصٰی۔

ترجمہ: کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین ہی مسجدوں یعنی مسجد حرام و مسجد رسول و مسجد اقصیٰ کی طرف!

(بخاری جلدی 1،ص 158 باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ)

اس حدیث کا سیدھا سادہ مطلب جس کو تمام شراح حدیث نے سمجھا ہے۔ یہی ہے کہ تمام دنیا میں تین مسجدیں یعنی مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ ایسی مساجد ہیں جن کو تمام دنیا کی مسجدوں پر اجر وثواب کے معاملہ میں ایک خاص فضیلت حاصل ہے لہٰذا ان تین مسجدوں کی طرف کجاوے باندھ کر دور دور سے سفر کر کے جانا چاہئے لیکن ان تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف کجاوے باندھ کر دور دور سے سفر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث کو مشاہدہ مقابر کی طرف سفر کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے!

اگر اس بات کو عالموں کی زبان میں سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ اس حدیث میں ''اِلاَّ اِلیٰ ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مثنیٰ'' مفرغ ہے اور ''مستثنیٰ، مفرغ'' میں ''مستثنیٰ منہ'' ہمیشہ وہی مقدر مانا جائیگا جو مستثنیٰ کی۔نوع ہو مثلاً ماجاء فی الازید میں لفظ جسم'' یا حیوان'' کو مستثنیٰ منہ مقدر نہیں مانا جائے گا اور اس عبارت کا مطلب ماجاء فی جم الازید۔یا ماجاء فی حیوان الازید نہیں مانا جائے گا بلکہ اس کا مطلب یہی مانا جائے گا کہ ماجاء فی رجل الازید تو اس حدیث میں بھی ''مستثنیٰ'' منہ بجز لفظ ''مسجد'' اور کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا حدیث کی اصل عبارت یہ ہوئی کہ لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثة مساجد۔ یعنی تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں۔

چنانچہ اس حدیث کی بعض روایات میں یہ لفظ آیا بھی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں یوں

آیا ہے کہ

لا ینبغی للمطی ان تشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام و المسجد الاقصی و مسجدی ھذا۔ (قسطلانی وعمدۃ القاری)

ترجمہ: یعنی سواریوں پر کجاوے کسی مسجد کی طرف بقصد نماز باندھے جائیں۔ سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ اس حدیث میں "مستثنیٰ منہ" ذکر کر دیا گیا ہے اور وہ الیٰ مسجد ہے بہرحال وہابیہ خذلہم اللہ نے عداوت رسول میں اس حدیث کا مطلب بیان کرنے میں اتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے کہ قیامت تک تمام اہل علم ان کی اس جہالت پر ماتم کرتے رہیں گے۔

بارگاہ خداوندی میں رسول کا وسیلہ

حضور اقدس ﷺ کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنا کر دعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے اسی کو توسل و استغاثہ و تشفع وغیرہ مختلف الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کے دربار میں وسیلہ بنانا یہ حضرات انبیاء مرسلین کی سنت اور سلف صالحین کا مقدس طریقہ ہے اور یہ توسل حضور ﷺ کی ولادت شریفہ سے پہلے آپ کی ظاہری حیات میں اور آپ کی وفات اقدس کے بعد تینوں حالتوں میں ثابت ہے چنانچہ ہم یہاں تینوں حالتوں میں آپ سے توسل کرنے کی چند مثالیں نہایت ہی اختصار کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

1- ولادت سے قبل توسل

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آ کر باری تعالیٰ سے یوں دعا مانگی کہ

یَارَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ۔

ترجمہ: اے میرے پروردگار میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچانا

حالانکہ میں نے ابھی تک ان کو پیدا بھی نہیں فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا فرما کر میرے بدن میں روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش مجید کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ تو نے جس کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر کرایا ہے وہ یقینا تیرا سب سے بڑا محبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم (علیہ السلام) بے شک تم نے سچ کہا وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں چونکہ تم نے ان کو میرے دربار میں وسیلہ بنایا ہے اس لئے میں نے تم کو معاف کر دیا اور سن لو کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔ (روح البیان سورۂ احزاب ص 230)

2- ظاہری حیات اقدس میں توسل

حضرت صحابہ کرام آپ کے مقدس مجالس میں حاضر ہو کر جس طرح اپنی دین و دنیا کی تمام حاجتیں طلب فرماتے تھے اسی طرح اپنی دعاؤں میں آپ کو وسیلہ بھی بنایا کرتے تھے۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو تعلیم دی کہ وہ اپنی دعاؤں میں رسول کی مقدس ذات کو خداوند تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ بنائیں۔ چنانچہ ''معجزات'' کے ذکر میں آپ ایک نابینا کے بارے میں یہ حدیث پڑھ چکے کہ

> ایک نابینا بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت بخشے آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو صبر کر صبر تیرے حق میں اچھا۔ جب اس سے دعا مانگو کہ
>
> اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیۡکَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحۡمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ تَوَجَّهۡتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ هٰذِهٖ لِتُقۡضٰی لِیۡ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعۡهُ فِیَّ۔

ترجمہ: یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت کا وسیلہ پیش کرتا ہوں یا محمد ﷺ! میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے۔ اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو جائے یا اللہ تو میرے حق میں حضور کی

شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا کہ هذا احدث حسن صحیح غریب اور امام بیہقی وطبرانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا اور اس کی آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ (وفا الوفاء جلد 2، ص 430)

دعا نبوی میں وسیلہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا اور ان کی قبر تیار ہوگئی تو خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی قبر کی لحد کھودی پھر اس قبر میں لیٹ کر آپ نے یوں دعا فرمائی کہ

یا اللہ! میری ماں (چچی) فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ فرما دے۔ بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔ (وفا الوفاء جلد 2، ص 89)

جب حضور اکرم ﷺ بچپن میں ابو طالب کی کفالت میں تھے تو حضور کی یہ چچی یعنی ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد آپ کا بڑا خاص خیال رکھتی تھیں یہ اسی احسان کا بدلہ تھا کہ آپ نے ان کو اپنی چادر مبارک کا کفن پہنایا اور خود اپنے دست رحمت سے ان کی قبر کی لحد کھودی اور ان کی قبر میں کچھ دیر لیٹ کر دعا فرمائی۔

اللہ اکبر! واللہ! اس قبر میں قیامت تک رحمت کے پھولوں کی بارش ہوتی رہے گی جس قبر والے پر رحمۃ للعالمین کی رحمت کا اتنا بڑا کرم ہوا۔

اَللّٰھمّ صلِّ وسلّم و بارک علیٰ نبیّک نبیِّ الرّحمته و اٰله و صحبه دائماً ابداً۔

3- وفات اقدس کے بعد توسل

وفات اقدس کے بعد بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کے وقت حضور ﷺ کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے بلکہ آپ کو